اسلام اور یہودیت میں خواتین کا حقِ وراثت

(تقابلی جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے

ایم۔فل علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

بدر منیر

ایم۔فل علوم اسلامیہ

نگران مقالہ

ڈاکٹر ارم سلطانہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ

نمل یونیورسٹی، اسلام آباد

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

سیشن ۲۰۱۷ء

اسلام اور یہودیت میں خواتین کا حقِ وراثت

(تقابلی جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے

ایم۔فل علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

بدر منیر

ایم۔فل علوم اسلامیہ

نگران مقالہ

ڈاکٹر ارم سلطانہ

اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ علوم اسلامیہ

نمل یونیورسٹی،اسلام آباد

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

سیشن ۲۰۱۷ء

©بدر منیر

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرستِ عنوانات

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
VI	مقالہ کی منظوری کا فارم (Thesis Acceptance Form)	۱.
VII	حلف نامہ (Declaration)	۲.
VIII	انتساب (Dedication)	۳.
IX	اظہار تشکر (A word of thanks)	۴.
X	ملخص مقالہ (Abstract)	۵.
XI	مقدمہ	۶.
۱	**باب اوّل: اسلام اور یہودیت میں تصور وراثت**	۷.
۲	فصل اوّل: وراثت کا معنی و مفہوم	۸.
۲۳	فصل دوم: حقوق مورث اور ورثاء کی اقسام	۹.
۴۰	فصل سوم: وراثت کی شرائط اور حکمتیں	۱۰.
۵۸	**باب دوم: اسلام اور یہودیت میں خواتین کا حق وراثت، مشترکات و ممیزات**	۱۱.
۵۹	فصل اوّل: یہودیت میں خواتین کا حق وراثت	۱۲.
۷۷	فصل دوم: اسلام میں خواتین کا حق وراثت	۱۳.
۹۳	فصل سوم: خواتین کے حق وراثت میں مشترکات و ممیزات	۱۴.
۱۰۴	**باب سوم: خواتین کے حق وراثت میں محرومی کے اسباب اور اثرات**	۱۵.
۱۰۵	فصل اوّل: حق وراثت سے محرومی پر وعیدیں	۱۶.
۱۲۰	فصل دوم: حق وراثت سے محرومی کے اسباب	۱۷.
۱۳۵	فصل سوم: حق وراثت سے محرومی پر معاشرتی اثرات و نتائج	۱۸.
۱۴۸	**باب چہارم: خواتین کے حق وراثت پر اعتراضات کا جائزہ**	۱۹.
۱۴۹	فصل اوّل: اسلام کے تقسیم وراثت پر مستشرقین کے اعتراضات	۲۰.

۲۱.	فصل دوم: اسلام کے تقسیم وراثت پر معاشرتی اعتراضات	۱٦۷
۲۲.	حاصل کلام	۱۸۵
۲۳.	نتائج و شفارشات	۱۸۹
۲۴.	فہارس مقالہ	۱۹۴
۲۵.	فہرست آیات کریمہ	۱۹۵
۲٦.	فہرست احادیث مبارکہ	۱۹۷
۲۷.	فہرست اعلام	۱۹۹
۲۸.	فہرست مصادر و مراجع	۲۰۳

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے،وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہےاور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **اسلام اور یہودیت میں خواتین کا حق وراثت (تقابلی جائزہ)**

Women's Right of Inheritance in Islam and Judaism

(Comparative Study)

نام ڈگری: **ایم فل علوم اسلامیہ**

نام مقالہ نگار: **بدر منیر**

رجسٹریشن نمبر: **1301.MPhil/IS /F16**

ڈاکٹر ارم سلطانہ

(نگران مقالہ) ________________ دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ________________ دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

بریگیڈئیر محمد ابراہیم

(ڈائریکٹر جنرل) ________________ دستخط ڈائریکٹر جنرل

تاریخ: ________________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں **بدر منیر** ولد **لیفٹیننٹ (ر) خالد حسین**

رول نمبر : MP-IS-AF16-ID-010 رجسٹریشن نمبر : 1301.MPhil/IS/F16

طالبہ ،ایم فل شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتی ہوں کہ مقالہ

بعنوان : **اسلام اور یہودیت میں خواتین کا حق وراثت (تقابلی جائزہ)**

Women's Right of Inheritance in Islam and Judaism

(Comparative Study)

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے،اور **ڈاکٹر ارم سلطانہ** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے ،راقم الحروف کا اصل کام ہے،اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے ، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہےاور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: **بدر منیر**

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

انتساب

نذرانۂ عقیدت و محبت

بحضور سرور کونین نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

پیش کرنے کے بعد

اپنے والدین

اور اپنی بیٹیوں کے نام

جن کی دعائیں اور محبتیں ہر لمحہ

میری

ہمرکاب رہیں اور میرا حوصلہ بڑھاتی رہیں

اللہ رب العزت

سدا انہیں اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے

آمین

اظہار تشکر

سب سے پہلے میں اپنے ربِ کریم کی شکر گزار ہوں جس کی رحمتوں اور عنایتوں کی بدولت میں فہمِ دین کی شاہراہ پر گامزن ہوئی اور اس مہربان اور کریم ذات نے مجھ خاکسار کو یہ مقالہ لکھنے کی سعادت و توفیق مرحمت فرمائی اور میرے راستے کی مشکلات کو اپنی کرم نوازی سے آسانیوں میں تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد میں اپنے والدین کی مشکور ہوں جن کی شفقت، محبت اور دعائیں مجھ پر سایۂ فگن رہیں اور میرا حوصلہ بڑھانے کا سبب بنتی رہیں۔ میں اپنی نگران مقالہ ڈاکٹر ارم سلطانہ کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جن کے گراں قدر مشوروں اور بہترین رہنمائی کی بدولت یہ تحقیقی کام پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ میں اس سلسلے میں ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری (ہیڈ آف اسلامک سٹڈیز) کی ممنونِ احسان ہوں جنہوں نے قدم بقدم میری رہنمائی کی۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اپنے تمام اساتذہ کرام کی بھی مشکور ہوں جنہوں نے مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے فیض یاب کیا۔

آخر میں ان تمام احباب کا اور اپنے بھائیوں اور بیٹیوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اس اہم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کسی نہ کسی حوالے سے میری مدد و اعانت فرمائی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ان سب کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور اپنی رحمتوں سے بہرہ مند فرمائے۔ (آمین)

بدر منیر

ABSTRACT

WOMEN'S RIGHT OF INHERITANCE IN ISLAM AND JUDAISM (COMPARATIVE STUDY)

Islam is a complete code of life, which has multiple characteristics. Among numerous specialties, the Law of Inheritance includes a specific attribute, in which a woman has been provided her rights, along with the man.Islam has elevated women out of depths and provided her honor and self-respect. Islam has given number of rights to women and amongst them; the right of Inheritance is one of great significance. In the Jewish religion the woman has been deprived of inheritance. In the presence of son, the daughter will not get anything. Islam has given the ideal rights to the woman that no civilization or religion could ever give to her.

The division of inheritance is a significant obligation; however, the negligence on its provisions is unfortunately prevailing in modern times. There are excessive numbers denying this significant obligation in the society and on the other hand, Western flag bearers of women rights, criticize on Islamic law of inheritance. Though this criticism is totally baseless and kibosh. In this thesis, the while giving comparative narration of Islamic versus and Judaism law of inheritance has elaborated reasons and consequences of deprivation of women's to their rights of inheritance.

The thesis has been divided in to four chapters

1. First chapter consists of introduction, terms and conditions of the law of inheritance.
2. Second chapter comprises the comprehensive comparison of women's rights of heir ship in light of teachings of the Holy Quran and the Holy Scriptures of Judaism.
3. Third chapter relates to the reasons and repercussions, in case of depriving women's from their rights of inheritance.
4. Fourth chapter discuss with the criticism related to women's right of heritage. Comprehensive replies have been responded to the narrative of Social and Orientalists criticisms.

In the end, the essence of the narratives have been presented that Islam is the definite religion that has liberated women from old prevailing vicious circle and enchanted her at par with man to safeguard her rights. Therefore, it has been recommended that teaching of Islamic laws of inheritance needs to be propagated in the society.

مقدمہ

موضوع کا تعارف:

اسلام دینِ رحمت و نعمت ہے اور اس کی تعلیمات جملہ شعبہ ہائے زیست میں توازن بر قرار رکھتی ہیں اس لیے تمام مذاہب کی تعلیمات کے مقابلے میں اسلامی تعلیمات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسلام کی تعلیمات میں جامعیت، قطعیت اور ہمہ گیریت پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام زندگی کے ہر معاملے میں مرد و عورت کے مابین مساوات اور عدل کا اہتمام کرتا ہے اور مرد کے شانہ بشانہ دیگر معاشرتی، اخلاقی اور قانونی حقوق کے ساتھ ساتھ عورت کو بھی حق میراث کا حقدار ٹھہراتا ہے۔ اسلام نے وراثت میں خواتین کو حصہ دار بنا کر انہیں مالی و معاشی طور پر مستحکم کرنے اور تحفظ فراہم کرنے کا بندوبست کیا تاکہ وہ خود کو غیر محفوظ نہ سمجھیں۔ چنانچہ اسلامی قانون وراثت کے احکام اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں صراحتاً بیان فرما دیئے۔ قرآن مجید چونکہ کلام الٰہی ہے لہذا وہ فرقان و میزان کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے ہر فکر و عمل کو قرآنِ حمید کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری و لازم ہے۔ علم المیراث کی اہمیت و فضیلت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ اس کے احکام قرآن پاک سے براہ راست ماخوذ ہیں۔ علاوہ ازیں سرکار دو جہاں نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے علم المیراث کو دین کا حصہ اور نصف علم قرار دیتے ہوئے اسے سیکھنے کا حکم دیا۔ اس علم کا تعلق در حقیقت بنیادی اسلامی معاشرت سے ہے لیکن یہ علم بے توجہی کا شکار ہے اور معاشرے میں میراث کی شرعی تقسیم کا تصور تقریباً ناپید ہو گیا ہے جو معاشرے میں بگاڑ اور انتشار کا سبب بن رہا ہے۔ مال و دولت ہمیشہ سے ہی انسان کے لیے آزمائشوں اور فتنوں کا باعث بنتا رہا ہے اور اس میں طمع و حرص کے جذبات کو برانگیختہ کرتا رہا ہے جس کے نتیجے میں انسان نے ظلم و ستم، حق تلفی اور دنیا طلبی کی روش اختیار کر لی۔ شومئ قسمت یہ حق تلفی و ناانصافی صنفِ ضعیف (عورت) کے حصے میں آئی اور اسے اس کے شرعی حق وراثت سے محروم کرنے کی روش معاشرے میں رواج پا گئی۔

موضوع کی اہمیت:

اسلام عالمگیر ضابطۂ حیات و اخلاق اور دینِ رحمت ہے جس نے عورت کو مختلف نظریات و تصورات کے محدود وائرے سے نکال کر بحیثیت انسان کے مرد کے مساوی درجہ عطا کیا. ظہورِ اسلام سے قبل کی تاریخ کی ورق گردانی ہم پر یہ حقیقت آشکار کرتی ہے کہ یونانی تہذیب سے لے کر رومی، ہندوستانی، یہودی اور عیسائی تہذیب نے عورت کو معاشرے میں کمتر درجہ دے رکھا تھا۔ اسلام سے پہلے دنیا میں مالی نظام دولت کو جمع کرنے پر تھا۔ یہودیوں کے ہاں پوری میراث صرف بڑے

لڑکے کو مل جاتی تھی اور عورتوں کو اس سے محروم رکھا جاتا تھا۔ہندوؤں کے ہاں بھی میراث میں عورت کا کوئی حصہ نہیں تھا۔زمانۂ جاہلیت میں میراث کے حقدار وہ لوگ سمجھے جاتے تھے جو لڑنے اور دفاع کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور عورتوں اور نابالغ بچوں کو ترکے میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ایسے میں اللہ رب العزت نے اپنے محبوب سرورِ دو جہاں حضرت محمد مصطفی ﷺ کو ایک ایسے نسخۂ کیمیا کے ساتھ مبعوث فرمایا جس میں ایسا ضابطۂ حیات بیان کیا گیا ہے جس نے خواتین کی قدرومنزلت اور اہمیت میں حیران کن اضافہ کیا اور سماج کے دیگر مسائل کی طرح حق وراثت کے مسئلے کو بھی شاندار انداز میں سلیقے سے سلجھادیا تاکہ میراث کی تقسیم پر مسلمانوں میں کوئی اختلاف ہی نہ رہے اور وہ اسلام کے عدل وانصاف پر مبنی نظام وراثت کو اپنی زندگی میں نافذ کرکے اس کی برکتوں سے بہرہ مند ہوسکیں۔

اسلام نے عورت کو وہ مثالی حقوق دیئے ہیں جو آج تک کوئی قانون یا مذہب اسے نہیں دے سکا۔اسلام کے قانون میراث میں وراثت میں حصہ پانے والے اصحاب الفرائض میں مرد کے مقابلے میں خواتین کی تعداد زیادہ رکھی گئی ہے۔جہاں چار حضرات (باپ، دادا، ماں شریک بھائی، شوہر) کو حصہ دیا گیا تو وہیں عورت کو مختلف حیثیتوں (بیٹی، حقیقی بہن، بیوی، ماں شریک بہن، باپ شریک بہن، پوتی، ماں، دادی اور نانی) سے وراثت کا حقدار ٹھہرایا گیا ہے۔

غرضیکہ اگر ہم بنظرِ غائر مشاہدہ کریں تو یہ حقیقت منصۂ شہود پر آتی ہے کہ جدید تہذیب بھی عورت کو وہ حیثیت نہیں دے سکی جسکی وہ مستحق تھی مگر اسلامی تہذیب نے عورت کو نہ صرف عظیم مقام دیا بلکہ اسے کائنات کا اہم ترین جزو بھی قرار دیا۔اہلِ مغرب خود تو عورت کو اس کا حق دے نہ سکے مگر اسلام کے قانونِ وراثت میں عورت کے حصے کا تذکرہ یوں کرتے ہیں کہ گویا عورت کو کمتر مخلوق سمجھ کر اسکے حصے کو آدھا کر دیا گیا ہے پھر اسی مفروضے کی بنیاد پر اسلام کو بحیثیت مجموعی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ﴾[1]

ترجمہ: اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے۔

۱۔ سورۃ النساء:۴/۱۱

مذکورہ بالا آیت میں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ یہاں بنیادی اکائی عورت کے حصے کو بنایا گیا ہے جس کو بنیاد بنا کر باقی لوگوں کے حصوں کا حساب کیا جائے گا۔ گویا اہمیت اور زور عورت کے حصہ پر ہے اور یہ بات بذاتِ خود عورت کی حیثیت کو بلند کرنے پر دلالت کرتی ہے۔

مگر مقام افسوس یہ ہے کہ ہمارے مسلم سماج میں اسلام کی جن بنیادی تعلیمات سے اجتماعی طور پر بے اعتنائی برتی گئی ان میں سے ایک اسلامی قانونِ وراثت بھی ہے۔ ہمارے اکثر عوام کو یہ معلوم ہی نہیں کہ انھیں وراثت سے متعلق اپنے مسائل کو اسلامی قوانین کے مطابق حل کرنا ہے اور اس سلسلے میں اسلام کی کچھ تعلیمات بھی ہیں۔ اس بے علمی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ والدین کے انتقال کے بعد اولاد میراث کی تقسیم میں اپنے آپ کو خود مختار سمجھنے لگتی ہے جسے چاہتی ہے میراث میں حصہ دار بناتی ہے اور جسے چاہتی ہے محروم رکھتی ہے اور عموماً یہ محرومی عورت کے ہی حصے میں آتی ہے۔ اس طرح اللہ کی شریعت کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے اور ظلم کا یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہتا ہے۔

آج کل عام پڑھے لکھے لوگ بھی علم میراث سے بے خبر ہیں اور میراث کی صحیح تقسیم کی پرواہ نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے مسلم خواتین اپنے حق وراثت سے محروم ہورہی ہیں ۔ یہ جرم قابلِ معافی نہیں اور اس پر رسواکن عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق:

وراثت ایک وسیع موضوع ہے اور اس کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے اس لیے اس موضوع پر مختلف حوالوں سے کام ہوتا رہا ہے۔ مگر مقالے کی صورت میں اسلام اور یہودیت میں خواتین کے حق وراثت کا تقابلی جائزہ پیش نہیں کیا گیا۔ اس حوالے سے سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

١. وراثت: فقہ اسلامی میں، مقالہ نگار: تنزیل الرحمٰن، نگران: مولانا منتخب الحق، کلیہ معارف اسلامیہ، یونیورسٹی آف کراچی، ۱۹۷۱ء

٢. وراثت کے قدیم وجدید تصورات، مقالہ نگار: شاہین محمود، نگران: ڈاکٹر ممتاز احمد سالک، ادارہ علم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۸۸ء

٣. فلسفہ احکام میں میراث کا عصری تناظر میں علمی جائزہ، مقالہ نگار: مولانا محمد اسماعیل، نگران تحقیق: پروفیسر ڈاکٹر صاحب اسلام، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس وٹیکنالوجی، پشاور، خیبر پختونخوا، پاکستان، سن تکمیل: ۲۰۱۷ء

۴. اسلامی اور پاکستانی مسیحی قانون وراثت کا تقابلی جائزہ، مقالہ نگار: مظہر فرید شاہ، نگران تحقیق: ڈاکٹر محمد ضیاء الحق، شعبہ اسلامی قانون، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء

۵. اسلامی اور مغربی قانون وصیت کا تقابلی جائزہ، مقالہ نگار: عارف محمود چوہدری، نگران تحقیق: ڈاکٹر محمد ضیاء الحق، شعبہ اسلامی قانون، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان، ۲۰۰۲ء

مذکورہ بالا تحقیقی کام میں وراثت کے موضوع پر عمومی طور پر کام کیا گیا ہے مگر خصوصیت کے ساتھ "خواتین کے حق وراثت" کو موضوع بحث نہیں بنایا گیا۔ میں نے مقالہ ھذا میں خواتین کے حق وراثت کا اسلام اور یہودیت کے تناظر میں تقابلی جائزہ پیش کیا ہے کیونکہ خواتین کے حق وراثت کے متعلق ہی ہمارے معاشرے میں پہلوتہی برتی جاتی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ عوام الناس میں بالعموم اور خواتین میں بالخصوص اپنے حق وراثت کے حوالے سے شعور بیدار ہو۔ یہ اس سلسلے کی ادنیٰ سی کاوش ہے۔

مسئلہ تحقیق:

علم المیراث ایک اہم موضوع ہے جسے اسلام میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ اسے نصف علم قرار دیا گیا ہے۔ اسے خود سیکھنے اور دوسروں کو سکھانے کا حکم ہے۔ موت ہر انسان کو ہے اور جہاں موت ہے وہاں میراث ہے۔ اس لیے اس کی ضرورت ہر زمان و مکان میں ہر انسان کو ہے۔ میرا مسئلہ تحقیق قانون وراثت کے متعلق اسلامی تعلیمات کو بیان کرنا اور یہودی قانون وراثت کے تقابل میں اسلامی قانون وراثت میں خواتین کے حق میراث کو بیان کرتے ہوئے مستشرقین کی ہرزہ سرائی کا پردہ چاک کرنا، نیز خواتین کو حق وراثت کی ادائیگی سے محروم کرنے کے معاشرتی اثرات کو اجاگر کرنا تھا اور خواتین کو ان کے حق وراثت کے متعلق آگاہی دینا تھا۔

تحقیقی سوالات:

موضوع تحقیق کے بنیادی سوالات درج ذیل تھے:

۱. اسلام اور یہودیت میں خواتین کے حق وراثت کا تصور کیا ہے؟

۲. وراثت کی درست تقسیم نہ کرنے سے معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

۳. مستشرقین کے شبہات اور اعتراضات کی بنیاد کیا ہے؟

۴. عورت کو حق وراثت دینے سے کون سے معاشرتی فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

۵. اسلام اور یہودیت کے تقابلی جائزے سے کیا نتائج اخذ ہوتے ہیں؟

تحدید:

علم المیراث ایک وسیع موضوع ہے جسے مختلف طریقوں اور انداز سے پیش کیا جاسکتا ہے لیکن میری تحقیق اسلام ویہودیت کے قانون وراثت میں خواتین کے حصے کے تقابل پر مشتمل ہے۔ محدود موضوع پر مکمل طریقے سے تحقیق اور تقابل کر کے مطلوبہ نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں جو ہمارے موجودہ معاشرتی مسائل کے حل میں ممد و معاون ثابت ہوسکتے ہیں۔

مقاصد تحقیق:

زیر تحقیق موضوع کے اغراض اور غایات درج ذیل تھے:

۱. وراثت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے اسلام کے قانون وراثت کی حکمتیں بیان کرنا۔

۲. اسلام میں عورت کے حق وراثت کی مختلف حالتیں (بحیثیت بیٹی، حقیقی بہن، بیوی، ماں شریک بہن، باپ شریک بہن، پوتی، ماں، دادی اور نانی) بیان کرنا۔

۳. خواتین کے حق وراثت کے متعلق مستشرقین کے اعتراضات اور شبہات کی حقیقت کیا ہے؟ اور ان کا ازالہ کرنا

۴. اسلام اور یہودیت میں خواتین کے حق وراثت کی تعلیمات کا مطالعہ اور تجزیہ کر کے تقابلی جائزہ پیش کرنا۔

۵. عصر حاضر میں عورت کے حق وراثت سے محرومی کے عوامل کو اجاگر کرنا اور ان کے حل کی تجاویز بیان کرنا۔

۶. اسلام کے قانون وراثت کے مطابق عورت کو حق وراثت دینے سے حاصل ہونے والے معاشرتی فوائد کو بیان کرنا۔

اسلوب تحقیق:

۱. اسلوب تحقیق میں تجزیاتی، تقابلی اور بیانیہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔

۲. مقالہ کی تحقیق میں قرآن وحدیث اور موضوع سے متعلق قابل رسائی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۳. مقالہ کی ضرورت کے مطابق متعلقہ کتب سے مواد لے کر اس کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

۴. بنیادی مصادر سے استفادہ کرنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے لیکن بعض مقامات پر ثانوی مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۵. جدید تحقیق کے ذرائع (انٹرنیٹ اور اسلامی سافٹ ویئر) سے حسب ضرورت استفادہ کیا گیا ہے۔

۶. تحقیق کے مروج اور مسلمہ اصولوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

۷. ضرورت اور مواقع کے لحاظ سے اقتباسات سے مدد لی گئی ہے۔

۸. مقالہ کے آخر میں ضروری فہارس پیش کی گئی ہیں

ابواب بندی:

باب اول: اسلام اور یہودیت میں تصورِ وراثت

باب دوم: اسلام اور یہودیت میں خواتین کا حق وراثت، مشترکات و ممیزات

باب سوم: خواتین کے حق وراثت سے محرومی کے اسباب اور اثرات

باب چہارم: خواتین کے حق وراثت پر اعتراضات کا جائزہ

ذیلی ابواب

باب اول: اسلام اور یہودیت میں تصورِ وراثت

فصل اول: وراثت کا معنی و مفہوم

فصل دوم: حقوق مورث اور ورثاء کی اقسام

فصل سوم: وراثت کی شرائط اور حکمتیں

باب دوم: اسلام اور یہودیت میں خواتین کا حق وراثت، مشترکات و ممیزات

فصل اول: یہودیت میں خواتین کا حق وراثت

فصل دوم: اسلام میں خواتین کا حق وراثت

فصل سوم: خواتین کے حقِ وراثت میں مشترکات و ممیزات

باب سوم: خواتین کے حق وراثت سے محرومی کے اسباب اور اثرات

فصل اول: حق وراثت سے محرومی پر وعیدیں

فصل دوم: حق وراثت سے محرومی کے اسباب

فصل سوم: حق وراثت سے محرومی پر معاشرتی اثرات و نتائج

باب چہارم: خواتین کے حق وراثت پر اعتراضات کا جائزہ

فصل اول: اسلام کے تقسیم وراثت پر مستشرقین کے اعتراضات

فصل دوم: اسلام کے تقسیم وراثت پر معاشرتی اعتراضات

حاصل کلام

نتائج مقالہ

تجاویز و شفارشات

فہارس مقالہ

- فہرست آیات کریمہ
- فہرست احادیث شریف
- فہرست اعلام
- فہرست مصادر و مراجع

باب اول

اسلام اور یہودیت میں تصورِ وراثت

فصل اول: وراثت کا معنی و مفہوم

فصل دوم: حقوقِ مُوَرِّث اور ورثاء کی اقسام

فصل سوم: وراثت کی شرائط اور حکمتیں

فصل اول

وراثت کا معنی و مفہوم

میراث کا لغوی معنی

کلمہ میراث باب ورث یرث کا مصدر ہے۔ جس سے مراد ہے کسی چیز کا ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہونا خواہ مادی ہو جیسے اموال یا معنوی ہو جیسے بزرگی، اخلاق اور علم۔

"وَرِثَهُ مالَهُ ومَجْدَهُ ووَرِثَه عنه وِرْثاً وَرِثَةً وَوِراثَةً وإِراثَةً"(۱)

ترجمہ: وہ اس کے مال اور اس کی بزرگی کا وارث بنا اور وہ اس کا وارث بنا۔

کسی کے مرنے کے بعد جو شے کسی شخص کو ملتی ہے اس کے لیے یہ الفاظ مستعمل ہیں۔

"وَرِثْتُ فلاناً مالاً أَرِثُه وِرْثاً وَوَرْثاً إِذا ماتَ مُوَرِّثُكَ فصار ميراثه لك "(۲)

ترجمہ: میں فلاں کے مال کا وارث بنا۔ جب تیرا مورث وفات پا گیا تو اس کا ترکہ تیرا ہو گیا۔

وَرِثَ فلانٌ أَباه يَرِثُهُ وِراثَةً ومِيراثاً ومَيراثاً(۳)

ترجمہ: فلاں اپنے باپ کا وارث بنا۔

ابن الاعرابی کے مطابق درج ذیل کلمات ایک ہی مفہوم کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

"ابن الاعرابی: الورث ولورث والارث والوراث والاراث والتراث واحد"(۴)

المعجم الوسیط میں مذکور ہے۔

"(يَرِثُهُ) ورثا وورثا وإرثا وَرِثَة ووراثة صَار إِلَيْهِ مَاله بعد مَوته وَيُقَال ورث الْمجد وَغَيره وورث أَبَاهُ مَاله ومجده وَرثهُ عَنهُ فَهُوَ وَارِث " (۵)

ترجمہ: کسی کی وفات کے بعد اس کے مال کا کسی کو منتقل ہونا وراثت کہلاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عزت و بزرگی

۱۔ لسان العرب، ابن منظور، محمد بن مکرم، دار صادر، بیروت، الطبعہ الأولی، ص:۲/۱۹۹

۲۔ ایضاً؛ مزید دیکھیے، تہذیب اللغہ، أبو منصور، محمد بن أحمد الازھری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، الطبعہ الأولی، ۲۰۰۱، ص:۱۵/۸۵ ؛ تاج العروس من جواہر القاموس، للسید محمد بن محمد، الزبیدی، دار الھدایہ، ص:۵/۳۸۱

۳۔ لسان العرب، ص:۲/۱۹۹

۴۔ ایضاً

۵۔ المعجم الوسیط، إبراہیم مصطفی، أحمد الزیات، حامد عبد القادر، محمد النجار، الناشر: دار الدعوۃ، ص:۲/۱۰۲۴

میں وہ وارث بنا اور وہ اپنے باپ کے مال اور بزرگی کا وارث ہوا، پس مال جس کی ملکیت بنتا ہے وہ وارث کہلاتا ہے۔

قرآن مجید میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ ﴾ (۱)

ترجمہ: اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ﴾ (۲)

ترجمہ: اور ہم ہی ہیں سب کے وارث۔

قرآن پاک میں حضرت زکریا علیہ السلام کی اولاد کے لیے مانگی گئی دعا کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ﴾ (۳)

ترجمہ: جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب علیہ السلام کے خاندان کا بھی جانشین ہو۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اسی معنی کی ترجمانی ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:

((إِنَّ العُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا إِنَّمَا وَرَّثُوا العِلْمَ)) (۴)

ترجمہ: علماء انبیاء کے وارث ہیں اور بے شک انبیاء کی وراثت درہم و دینار نہیں ہوتے بلکہ ان کی میراث علم ہے۔

لفظ "ارث" لغت میں بقا اور سلامتی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ابن منظور رقمطراز ہیں۔

"الوارث صفة من صفات الله عز وجل وهو الباقي الدائم الذي يَرِثُ الخلائقَ ويبقى بعد فنائهم والله عز وجل يرث الأَرض ومَن عليها" (۵)

ترجمہ: وارث اللہ عزوجل کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور وہی ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جو تمام مخلوقات کا وارث ہے اور ان کے فنا ہونے کے بعد وہی باقی رہے گا اور اللہ عزوجل زمین اور جو کچھ اس پر موجود ہے سب کا وارث ہے۔

۱۔ سورۃ النمل: ۱۶/۲۷

۲۔ سورۃ القصص: ۵۸/۲۸

۳۔ سورۃ المریم: ۶/۱۹

۴۔ سنن ترمذی، محمد بن عیسی، الترمذی، شرکہ مکتبہ ومطبعہ مصطفی البابی الحلبی، مصر، الطبعہ الثانیہ، ۱۳۹۵ھ، ۱۹۷۵ء، أَبْوَابُ الْعِلْمِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الفِقْهِ عَلَى العِبَادَةِ، حدیث: ۲۶۸۲، ص: ۴۸/۵

۵۔ لسان العرب، ص: ۱۹۹/۲

مندرجہ بالا مفہوم کی رو سے یہ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔اس کلمہ کو قرآن مجید میں بطور صفتِ الٰہی اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

﴿وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِين﴾[۱]

ترجمہ:اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔

انگلش میں میراث کے لیے مندرجہ ذیل الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

Mirat.pl (میرث) Mawarit (مواریث)

Heritage, Inheritance, Legacy, Estate[2]

میراث کا اصطلاحی معنی

امام راغب اصفہانی میراث کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

الوِرَاثَةُ والإِرْثُ: انتقال قنية إليك عن غيرك من غير عقد ،ولا ما يجري مجرى العقد[۳]

ترجمہ:خرید و فروخت کے بغیر مال کے تیری طرف منتقل ہونے کو وراثت اور ارث کہا جاتا ہے۔

یعنی بغیر زحمت اور مشقت کے کوئی چیز کسی کے ہاتھ آئے تو وہ وراثت یا میراث کہلاتی ہے۔

میراث کے مذکورہ بالا لغوی اور اصطلاحی مفہوم کے پیشِ نظر کہا جا سکتا ہے کہ میراث درحقیقت انتقال ملکیت کا نام ہے اور جو چیز یا مال کسی کی موت کے سبب زندہ کی ملکیت میں آجاتا ہے وہ میراث،وراثت یا ورثہ کہلاتا ہے اور جس کو یہ وراثت ملتی ہے اسے وارث کہا جاتا ہے۔

اسلام میں میراث کا مفہوم

میراث یعنی وراثت سے مراد وہ منقولہ وغیر منقولہ وسائل ہیں جو کسی مرنے والے کی ملکیت میں ہوتے ہیں اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کو حاصل ہوتے ہیں۔یہ انتقالِ ملکیت کی غیر اختیاری صورت ہے جس میں متوفٰی کی مملوکہ اشیاء خود بخود اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں۔اس میں انتقال کنندہ کے ارادے،نیت یا اختیار کو قطعاً کوئی

۱۔ سورۃ الانبیاء:۲۱/۸۹

2 ـ A Dictionary of Modern Written Arabic, J .Milton Cowan, Hans Were, Wiesbaden: Otto Harrasowitz, London, 1966, Pg:1060

۳۔ المفردات فی غریب القرآن،الحسین بن محمد بن المفضل المعروف بالراغب الأصفهانی أبو القاسم،دار العلم الدار الشامیہ دمشق، بیروت،۱۴۱۲ھ،ص:۱/۸۶۳

دخل نہیں ہوتا۔اس غیر اختیاری انتقالِ ملکیت کو شرعی اصطلاح میں "وراثت" کہا جاتا ہے۔[1]

وہ علم جس میں میت کے ورثاء اور ان کے حصوں کے متعلق بحث کی جاتی ہے علم المیراث کہلاتا ہے۔یعنی علم المیراث ایسے قوانین کا مجموعہ ہے جن کے ذریعے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ میت کا وارث کون بنتا ہے؟اور کون وارث نہیں ہوتا؟اور اگر کوئی وارث بنتا ہے تو میت کی جائیداد سے اس کا کتنا حصہ ہے؟[2]

گویا کسی مرنے والے مرد یا عورت کی اشیاء اور وسائل آمدن وغیرہ کے بارے میں یہ بحث کہ کب، کس حالت میں اور کس رشتے کو کتنا حصہ ملنا ہے شرعی اصطلاح میں علم المیراث کہلاتا ہے۔

علماء نے علم المیراث کو علم الفرائض کا نام بھی دیا ہے۔فرائض فریضہ کی جمع ہے اور فریضہ کا معنی "امرِ مقرر شدہ وطے شدہ" ہے۔چونکہ اس علم میں وارثوں کے جو حصے بیان کیے جاتے ہیں ان کی تعیین خود اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں فرمادی ہے۔اس لیے یہ علم الفرائض بھی کہلاتا ہے۔

"(الفرائض) جمع فريضة بمعنى مفروضة من الفرض وهو القطع والتقدير والبيان. والمراد بها هنا المواريث" [3]

ترجمہ:فرائض فریضہ کی جمع ہے جو فرض سے مشتق ہے اور مفروضہ کے معنی میں ہے اور اس سے مراد تقدیر وتعیین کے ہیں اور یہاں اس سے مراد میراث ہے۔

لغت میں فرض بمعنی قطع کرنے اور کاٹنے کے بھی مستعمل ہے۔

"(الفرائض) جمع فريضة وَهِيَ مَأْخُوذَةٌ مِنْ الْفَرْضِ : وَهُوَ الْقَطْعُ ، يُقَالُ:فَرَضْت لِفُلَانٍ كَذَا : أَيْ قَطَعْتُ لَهُ شَيْئًا مِنْ الْمَالِ" [4]

ترجمہ:فرائض فریضہ کی جمع ہے جو فرض سے ماخوذ ہے اور اس سے مراد قطع کرنا(تقسیم کرنا،کاٹنا)ہے کہا جاتا ہے: فرضت لفلان کذا یعنی میں نے اس کے مال کا کچھ حصہ قطع کرلیا۔

"اعْلَمْ أَنَّ عِلْمَ الْفَرَائِضِ هو عِلْمُ الْمَوَارِيثِ"[5]

ترجمہ:جان لو علم الفرائض سے مراد علم میراث ہے۔

۱۔ کتاب میراث(قانون وراثت)،علامہ سید افتخار حسین نقوی النجفی،شریکتہ الحسین پبلی کیشنز،پاکستان،۲۰۱۶ء،ص:۵۶

۲۔ اسلام کا قانونِ وراثت،صلاح الدین حیدر لکھوی،دارالابلاغ پبلیشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز،لاہور،جولائی ۲۰۱۰ء،ص:۳۸

۳۔ صحیح بخاری،محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ بخاری،دار ابن کثیر، الیمامہ، بیروت، الطبعہ الثالثہ،۱۴۰۷ھ،۱۹۸۷ء،باب کتاب الفرائض،ص:۶/۲۴۷۲

۴۔ نیل الاَوطار،الشوکانی،محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ،دار الحدیث،مصر الطبعہ الاَولی،۱۴۱۳ھ،۱۹۹۳ء،ص:۶/۶۶

۵۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق،ابن نجیم،زین الدین بن ابراہیم بن محمد،دار الکتاب الاِسلامی،الطبعہ الثانیہ،ص:۸/۵۵۶

فقہاء کے نزدیک یہ ایسا علم ہے کہ جس کے ذریعے جس کا حق ہے وہ اس حق کو پہچان لے گا۔

"هِيَ عِلْمٌ بِأُصُولٍ مِنْ فِقْهٍ وَحِسَابٍ تُعَرِّفُ حَقَّ كُلٍّ مِنْ التَّرِكَةِ:وفي الشَّرْعِ ما ثَبَتَ بِدَلِيلٍ مَقْطُوعٍ بِهِ وَسُمِّيَ هذا النَّوْعُ من الْفِقْهِ فَرَائِضَ لِأَنَّهُ سِهَامٌ مُقَدَّرَةٌ مَقْطُوعَةٌ مُبَيَّنَةٌ ثَبَتَتْ بِدَلِيلٍ مَقْطُوعٍ بِهِ " (۱)

ترجمہ: وراثت فقہ اور حساب کے ان قوانین کو جاننے کا نام ہے جن کے ذریعے ہر وارث کا ترکے میں حق شریعت کے مطابق معلوم ہو سکے ایسا حق جو دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ فقہ کی اس نوع کو فرائض کا نام دیا گیا ہے اس لیے کہ وہ ایسے متعین، قطعی، واضح حصوں کا نام ہیں، جو کہ دلیل قطعی سے ثابت ہیں۔

یعنی علم المیراث (علم الفرائض) ایسے فقہی اور حسابی قواعد وضوابط کے جاننے کا علم ہے جن کے صحیح استعمال کے ذریعے ترکے میں ہر وارث کے حق کی معرفت و پہچان ہو جاتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ کسی متوفی کے ورثاء میں اس کے ترکہ کی تقسیم کی جانے والی چیز کو "وراثت" کہیں گے۔ جس میں تقسیم کی جاتی ہے وہ "وارث یا ورثاء" کہلاتے ہیں اور تقسیم کا اصول "علمِ وراثت" کہلاتا ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ وراثت کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"فإنّ الوِرَاثَةَ الحقيقيةَ هي أن يحصل للإنسان شيء لا يكون عليه فيه تبعة، ولا عليه محاسبة " (۲)

ترجمہ: وراثت کے فقہی معنی یہ ہیں کہ انسان کوئی چیز بغیر کسی محنت اور ملکیتی حق کے حاصل کرلیتا ہے۔

عبد الرشید السجاوندی وراثت کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"وفى العرف والاصطلاح الفريضة ما قدر من السهام فى الميراث: العلم الفرائض وهو علم يبحث فيه عن كيفية قسمية المواريث بين مستحقيها وفيه قوله الفرائض هو فى الاصطلاح علم باصول من فقه وحساب يعرف به حق الوراثة من التركة" (۳)

ترجمہ: فقہ کی اصطلاح اور عرف کے مطابق فریضہ کے معنی وراثت کا متعین حصہ ہے اور علم الفرائض وہ علم ہے کہ جس میں مستحقین کے درمیان وراثت کی تقسیم کی کیفیت سے متعلق بحث کی جاتی ہے۔ اس کو الفرائض بھی کہا جاتا ہے اور اصطلاحی طور پر اس کے معنی ہیں کہ وہ علم جس میں فقہی اعتبار سے وراثت کے اصول اور اس کی شرعیت اور حق کے حساب سے بحث کی جاتی ہے وہ فرائض کہلاتا ہے۔

۱۔ الفتاوی النهدیۃ، الشیخ نظام وجماعۃ من علماء الھند، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۱ء، ص:۶/۷/۴۴

۲۔ مفردات فی غرائب القرآن، الراغب الاصفہانی، ص:۵۱۹

۳۔ السراجی، ابو الطاہر سراج الدین محمد بن عبد الرشید السجاوندی، دار الکتب اصغریہ دیوبندی، ص:۳

معاصر انجینئر بشیر احمد بگوی فرماتے ہیں کہ:

"وراثت سے مراد وہ تمام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ جو میت کی اپنی کمائی ہوئی ہو یا اس کو اپنے آباء و اجداد سے ملی ہو یا اسے کسی اور متعلقہ و غیر متعلقہ شخص سے تحفہ کے طور پر ملی ہو اور میت اسے چھوڑ کر مر جائے تو شرعاً اس کو ترکہ یا ورثہ یا مال وراثت یا میراث کہتے ہیں"[1]

محی الدین عبد الحمید وراثت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"شریعتِ اسلامیہ میں وراثت کا اطلاق کسی شخص کا کسی شے کے مالک کی موت کے بعد اس پر مخصوص اسباب و شرائط کے ساتھ استحقاق پر ہوتا ہے"[2]

ترکۃ المیت (میت کا ترکہ)

میت کے ترکے سے مراد اس کی جائیداد ہے جسے چھوڑ کر وہ فوت ہو گیا چاہے وہ نقدی کی صورت میں ہو یا زرعی زمین یا مکانات ہوں۔ خواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ۔

- منقولہ سے مراد وہ جائیداد ہے جسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہو۔ جیسے رقم، کار، زیور وغیرہ۔
- غیر منقولہ سے مراد وہ جائیداد ہے جسے منتقل نہیں کیا جا سکتا جیسے گھر، پلاٹ، کھیت وغیرہ۔

بشیر احمد بگوی ترکہ کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"وہ تمام جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ جو مورث (میت) کو ورثہ میں ملی ہو یا اس نے خود کمائی ہو، بشمول جملہ قابلِ وصول قرضہ جات مورث کا ترکہ کہلاتی ہے۔ اس میں سے مورث کے متوسط کفن و دفن، واجب الادا قرضہ جات اور ایک تہا (۱/۳) کی حد تک کی جائز وصیت کی رقم نکال کر باقی جو بچ جائے وہ قابلِ تقسیم ترکہ ہوا، جو کہ لازماً مورث کے ورثاء میں تقسیم ہو گا"[3]

ترکے کے بارے میں عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو مال وغیرہ باپ دادا سے وراثت میں ملا ہو یا جو کچھ اپنی محنت سے کمایا ہوا سے ترکے میں شمار نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ ہر منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کو ترکہ کہا جاتا ہے جو مرتے وقت میت نے اپنے پیچھے چھوڑی ہو اور کسی دوسرے شخص کا اس میں کوئی حق نہ ہو تو اس میں وراثت جاری ہو گی۔ خواہ اس نے خود کمائی ہو یا باپ دادا کی طرف سے وراثت میں ملی ہو لہٰذا عوام میں پایا جانے والا یہ تاثر غلط ہے۔

۱۔ کلید وراثت، بشیر احمد بگوی، انجمن خدام دین، شیر انوالہ، دروازہ، لاہور، ۱۹۶۵ء، ص:۱۳

۲۔ احکام المواریث، محی الدین عبد الحمید، دار الحیاء الکتب العربیہ، ۱۹۴۷ء، ص:۵

۳۔ صحیفہ میراث لغت میراث کامل، انجینئر ملک بشیر احمد بگوی، مکتبہ قریشی محلہ جنگی قصہ خوانی، پشاور، جنوری ۲۰۱۷ء، ص:۱۲

دراصل ترکہ بمعنی متروکہ ہے۔ اصطلاح شرع میں اس سے مراد میت کا چھوڑا ہوا وہ مال ہے جس پر شریعت نے اس کے مِلک اور مملوک ہونے کا حکم لگادیا ہو اور جس کے عین میں کسی غیر شخص کا حق متعلق نہ ہو۔[۱]

مذکورہ بالا تعریف اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ جو مال متوفٰی کو ایسے ذریعے سے ملا ہو کہ جس پر شریعت نے مِلک ہونے کا حکم نہیں لگایا یا غیر کا حق اس کے ساتھ ملا ہو وہ ترکے میں داخل نہ ہو گا۔

اس لیے درج ذیل امور ترکے میں شامل نہ ہوں گے اور نہ ہی ان میں میراث جاری ہو گی۔

۱. جو چیز متوفٰی نے کسی سے عاریتاً (مانگ کر) لی تھی۔
۲. جو چیزیں متوفٰی کے پاس امانت تھیں۔
۳. اگر متوفٰی نے کسی کا مال غصب کر لیا تھا اور ضمان نہیں دیا تھا یا چوری کر لیا تھا یا خیانت کر کے اپنے پاس رکھ لیا تھا تو اس مال کا متوفٰی مالک نہیں ہے بلکہ دوسرے لوگ جن کا یہ مال ہے وہی اس کے مالک ہیں۔[۲]

وراثت کے ذریعے جو ملکیت ورثاء کی طرف منتقل ہوتی ہے وہ جبری ملکیت ہے، نہ تو اس میں وراثت کا قبول کرنا شرط ہے اور نہ وارث کا اس پر راضی ہونا شرط ہے بلکہ اگر وہ اپنی زبان سے صراحتاً یوں بھی کہہ دے کہ میں اپنا حصہ نہیں لیتا تب بھی وہ شرعاً اپنے حصے کا مالک بن جاتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ وہ اپنے حصے کو قبضے میں لینے کے بعد شرعی قاعدے کے مطابق کسی دوسرے کو ہبہ کر دے یا بیچ ڈالے یا تقسیم کر دے۔[۳]

علم میراث کا موضوع

علم میراث کا موضوع ورثاء کے درمیان ترکے کی تقسیم ہے تاکہ ہر حقدار کو اس کا شرعی حق مل سکے اور اس علم میں انہی دونوں (میت کا چھوڑا ہوا مال اور ورثاء) کے متعلق بحث کی جاتی ہے۔[۴]

ارکانِ وراثت

علم میراث کے تین اہم اجزاء ہیں۔

۱. **مُوَرِّث:** وہ میت جس کا سازوسامان وجائیداد دوسروں کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔
۲. **وارث:** وہ شخص جس کی طرف میت کا سازوسامان وجائیداد منتقل ہو رہی ہے۔ وارث کی جمع ورثاء آتی ہے۔ ہر وہ خونی رشتہ دار اور خاوند (بیوی) جو مورث کی وفات کے وقت حیات ہوں نیز حمل کا بچہ سب وارث کہلاتے

۱۔ آسان میراث، مولانا محمد عثمان نووی والا، ناشر ادارۃ السعید، جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ، بمطابق مئی ۲۰۱۰، ص:۱۴
۲۔ ایضاً، ص:۱۵
۳۔ انظر: تنویر الحواشی فی توضیح السراجی، ص:۱۸۰، شرح الاشباہ والنظائر، عزیز الفتویٰ، ص:۸۷، معارف القرآن، ص:۲/ ۳۱۲
۴۔ تسہیل الفرائض، الشیخ محمد بن صالح بن عثیمین، دار الطیبہ، ریاض، سعودی عرب، طبع: الاولیٰ، ۱۹۸۳ء، ص:۹

ہیں۔[۱]

یعنی ورثاء سے مراد میت کے وہ رشتہ دار ہیں جو اس کے انتقال کے بعد اس کے مال کے حصص شرعیہ کے مطابق مستحق ہوتے ہیں۔

۳. مَورُوث: ترکہ یعنی وہ جائیداد یا سازوسامان جو مرنے والا چھوڑ کر مرا ہے۔[۲]

علم میراث کی غرض وغایت

میت کے ترکے میں ہر وارث کے حق کی معرفت حاصل کرنا اور میت کے شرعی ورثاء کے مابین شرعی اصول و قوانین کے مطابق تقسیم ترکہ کا طریقہ معلوم کرنا، مستحقین تک ان کے حقوق پہنچانا اور چھوڑے ہوئے مال میں غلطی سے بچنا ہی علم میراث کا مدعا و مقصد ہے تاکہ کوئی حقدار اپنے حق سے محروم نہ رہے۔[۳]

علم میراث کا حکم

اس علم کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔[۴]

میراث کی اہمیت

موت ایک اٹل حقیقت ہے جس کا انکار کوئی ذی شعور نہیں کر سکتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾[۵]

ترجمہ: ہر جاندار موت کا مزا چکھنے والا ہے۔

زندگی اور موت کے ساتھ ہر انسان کو واسطہ پڑتا ہے کیونکہ موت ہر انسان کو ہے اور جہاں موت ہے وہاں میراث ہے۔ درحقیقت موت اور میراث کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور چونکہ موت اٹل ہے لہٰذا میراث کے مسائل و معاملات بھی ناگزیر ہیں۔ اس لیے وراثت کا موضوع بہت اہم اور بنیادی نوعیت کا ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق دنیا کے ہر گھر اور خاندان سے ہے۔ دنیا میں ہر انسان ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لیے کوئی نہ کوئی کاوش اور جدوجہد کرتا

۱۔ صحیفہ میراث لغت میراث کامل، ص:۱۲

۲۔ فیملی مسائل، ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی، فریڈم فائٹر مولانا اسماعیل سنبھلی ویلفئیر سوسائٹی، یوپی، ہندوستان، طبع: اول، مارچ ۲۰۱۶ء، ص:۶۲۔۶۳

۳۔ تسہیل الفرائض، ص:۹

۴۔ اسلامی قانون وراثت (سوالاً جواباً)، مولانا ابو نعمان بشیر احمد، دارالسلام، ریاض، سعودی عرب، ص:۲۸

۵۔ سورۃ الانبیاء:۲۱/۳۵

ہے اور آمدنی کے مختلف ذرائع اور وسائل اپنا کر مال و اسباب اکٹھا کرتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کو یہ اشیاء و وسائل زیادہ میسر ہوتے ہیں اور کسی کو کم۔ اور ہر انسان کا یہ سامان ضرورت اور ذاتی سامان آمدنی اس کی ذاتی ملکیت کہلاتے ہیں اور اپنی اس ملکیت کو اپنی مرضی و منشا کے مطابق صرف کرنے کا اسے پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے کیونکہ اسلام دین فطرت ہے اور انسان کی فطری خواہشات کا احترام کرتے ہوئے شخصی جائیداد یعنی انفرادی ملکیت کا قائل ہے اور پھر جب یہ انسان اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف کوچ کر جاتا ہے تو اپنی تمام اشیاء اور وسائل آمدنی کو دنیا میں ہی چھوڑ جاتا ہے اور اس کا چھوڑا ہوا مال و اسباب ہی میراث کہلاتا ہے۔ موت کے ساتھ ہی اپنی مملوکہ اشیاء پر اس کا تصرف ختم ہو جاتا ہے اور اس کے تمام وسائل، صلاحیتیں اور ان کے ذریعے اس کی جمع کی ہوئی جائیداد اللہ کی ملکیت میں چلے جاتے ہیں کیونکہ وہی ان کا حقیقی مالک ہے لہذا ان پر تصرف کا حق بھی دراصل اسی قادر مطلق کو ہے۔ اللہ رب العزت کی ذات علیم و خبیر ہے۔ انسانی فطرت میں پائی جانے والی مال و دولت کی حرص کے پیشِ نظر اس نے میراث میں ورثاء کے حصص کو قرآن پاک میں جو صحیفۂ ابدی ہے تفصیل سے بیان فرما دیا تا کہ میراث کے بارے میں لوگ شش و پنج میں مبتلا نہ ہوں اور حقداروں کو ان کا جائز حصہ مل سکے۔ اس لیے میراث کی تقسیم کی ضرورت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور درست تقسیم کے لیے علمِ میراث کا سیکھنا لازمی ہے کیونکہ یہ ایک مفید علم ہے اور اس علم کا تعلق دین و دنیا دونوں سے ہے اس لیے اس کی اہمیت و ضرورت مزید دوچند ہو جاتی ہے۔

علم میراث کی اہمیت

اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ کسی شخص نے اپنی جسمانی صلاحیتوں اور مادی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی زندگی میں کتنی دولت ہی کیوں نہ کمائی ہو اور اس دولت کو کتنا سنبھال سنبھال کر ہی کیوں نہ رکھا ہو اس کے مرتے ہی سب کچھ اس کے ورثاء کی ملکیت قرار پاتا ہے۔ یہ ایک قابلِ فہم امر ہے کہ ہر انسان کو اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے مال کی ضرورت ہوتی ہے خواہ وہ رقم کی شکل میں ہو یا اشیاء کی صورت میں۔ اس لیے ہر انسان چاہے وہ بادشاہ ہو یا فقیر اس کا کچھ نہ کچھ مال ضرور ہوتا ہے جو کہ اس کے انتقال کے بعد مالِ میراث کہلاتا ہے۔ اس کی موت کے بعد اس کے مال و جائیداد پر ملکیت و تصرف کا حق کسے ودیعت کیا جائے گا اس کا تعین کرنے کے لیے علم میراث کا حاصل کرنا لازمی ہے لہذا علم میراث کی اہمیت سے صرفِ نظر کرنا ناممکن ہے۔ دراصل علم میراث انسان کی موت کے بعد اس کے خاندان کو بہت سی آزمائشوں اور فتنوں سے محفوظ رکھتا ہے اور میت کی جائیداد کے طلبگاروں کی خواہشات کو کنٹرول کر کے ہر ایک کو اس کے جائز حق سے نوازتا ہے۔ علم میراث کے ذریعے انسان کی موت کے بعد جتنے حقوق میت اور اس کے رشتہ داروں وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں وہ حل کیے جاتے ہیں۔ آدمی کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء کے مابین میراث کی تقسیم کا مسئلہ بہت اہم ہے۔

علوم دینیہ میں علم میراث نہایت اہم اور ضروری علم ہے کیونکہ سارے دینی و دنیوی علوم کا تعلق انسان کی زندگی سے ہوتا ہے جبکہ علم میراث یعنی علم الفرائض کا تعلق انسان کی موت سے ہے۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ علم میراث کا تعلق حالۃ الممات سے ہے اور تمام لوگوں کا اس علم سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور یہ علم دین و دنیا دونوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ میراث کی تقسیم چونکہ ایک اہم معاملہ ہے اور اس میں ظلم و ستم، حق تلفی، مالی بد دیانتی اور آپس میں لڑائی فساد کا بہت اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے میراث کے احکام کو قرآن پاک میں تفصیلاً بیان فرما دیا۔

علم میراث کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن پاک میں دیگر کئی احکام بیان کیے مگر ان کی جزئیات کا تذکرہ نہیں کیا اور ان کی ادائیگی کے طور طریقے بیان کرنے کی ذمہ داری اپنے نبی مکرم ﷺ کے سپرد کر دی۔ مثلاً اللہ تبارک و تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ جیسی اہم عبادات کی فرضیت کو صحیفۂ ابدی میں یوں بیان فرمایا کہ:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾[۱]

ترجمہ: اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم تو دیا مگر نماز کا طریقہ کار اور رکعات کی تعداد، ان میں فرض رکعات کتنی ہیں اور کتنی سنت ہیں۔ نیز واجبات کتنے ہیں اور نوافل کتنے؟ ان سب کو بیان نہیں کیا۔ یہ تمام تفصیلات احادیث مبارکہ میں نبی آخر الزماں ﷺ نے بیان فرمائیں اور بتایا کہ لفظ "صلاۃ" سے اللہ تعالیٰ کی مراد پانچ نمازیں ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کی مقدار اور نصاب کا تذکرہ نہیں کیا گیا اور یہ ذمہ داری سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر عائد کر دی کہ وہ امت کو اس کی تفصیلات سے آگاہ فرمائیں۔ ماہِ رمضان کے روزوں کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتابِ حمید میں صرف یہ حکم دیا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾[۲]

ترجمہ: اے مومنو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔

لیکن روزے کے متعلق تمام تفصیلات احادیث نبویہ میں ملتی ہیں۔ اسی طرح حج کی فرضیت کا حکم تو قرآن مجید میں دیا گیا مگر مناسکِ حج کو خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تفصیلاً بیان فرمایا۔

۱۔ سورۃ البقرہ: ۲/ ۴۳

۲۔ سورۃ البقرہ: ۲/ ۱۸۳

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم النحر میں اپنی سواری پر جمرہ عقبہ کو مارتے ہوئے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے:

((لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ فَإِنِّي لاَ أَدْرِي لَعَلِّي لاَ أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هَذِهِ)) (۱)

ترجمہ: مجھ سے حج کے احکام سیکھو، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ میں اپنے اس حج کے بعد پھر حج کر سکوں گا۔

قانونِ میراث کو اس اعتبار سے امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ اللہ عزوجل نے اس کی تمام جزئی تفاصیل کو قرآن مقدس میں ناصرف بیان کر دیا بلکہ نہایت تفصیل کے ساتھ ایک ایک وارث اور رشتہ دار کی تعیین کر کے ان کے حصے کی مقدار مقرر فرمادی۔ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم، بصیر و خبیر اور عادل و منصف ہے چنانچہ اس نے کسی بھی شخص کی موت کے بعد اس کی چھوڑی ہوئی اشیاء اور وسائلِ آمدنی کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ان میں ہر وارث کے لیے عدل و خیر خواہی کا خاص خیال رکھا ہے۔ سورۃ النساء کی آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے میراث کے واضح احکام و قوانین بیان فرمائے ہیں اور ہر حصہ دار کے حصوں کی وضاحت فرمائی ہے اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے مرد و عورت، بچوں، بوڑھوں، طاقتور و کمزور سب کو حق وراثت سے نوازا ہے اور کسی کی حق تلفی نہیں کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ﴾ (۲)

ترجمہ: ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکے میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی۔ (جو ماں باپ اور خویش واقارب چھوڑ کر مریں) خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں) حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بتا دیا کہ میراث میں مرد و عورت دونوں کا حصہ ہے خواہ ترکہ (مال وراثت) کم ہو یا زیادہ۔ اور آیت کے آخر میں "نصیباً مفروضاً" فرما کر تنبیہ فرمادی کہ یہ اس (اللہ) کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے لہٰذا اس میں کم بیشی کی کسی کو اجازت نہیں۔

اسلام میں جس طرح میراث کے عمل کو بڑی اہمیت حاصل ہے اسی طرح علمِ میراث بھی بڑا درجہ رکھتا ہے اسی لیے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نصف علم قرار دیا۔ امام بیہقی نے السنن الکبریٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ صحیح مسلم، امام مسلم، ابو الحسین مسلم بن حجاج القشیری، دار الجیل، بیروت، کتاب الحج، باب اسْتِحْبَابِ رَمْيِ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ رَاكِبًا وَبَيَانِ، حدیث: ۳۱۹۷، ص: ۴/۷۹

۲۔ سورۃ النساء: ۴/۷

((تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ فَإِنَّهُ نِصْفُ الْعِلْمِ وَهُوَ يُنْسَى وَهُوَ أَوَّلُ شَيْءٍ يُنْتَزَعُ مِنْ أُمَّتِي)) (۱)

ترجمہ: میراث کا علم سیکھو اور اسے دوسرے لوگوں کو سیکھاؤ کیونکہ یہ آدھا علم ہے اور یہ علم بھول جاتا ہے اور میری امت میں سے سب سے پہلے یہ علم اٹھالیا جائے گا۔

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ میراث کا علم نا صرف شریعت میں مطلوب ہے بلکہ اسے بہت اہمیت بھی حاصل ہے اسی لیے آپ ﷺ نے نا صرف اس علم کو سیکھنے کا حکم دیا بلکہ دوسروں کو سیکھانے کی بھی تلقین کی۔ علماء نے علم المیراث کو نصف علم قرار دینے کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک حالتِ حیات اور دوسری حالتِ ممات۔ دیگر تمام علوم میں زندگی سے بحث ہوتی ہے جبکہ علم میراث میں زیادہ تر مسائل موت کی حالت کے متعلق ہوتے ہیں لہذا اس معنیٰ کو مدنظر رکھتے ہوئے علم المیراث نصف علم ہوا۔

سرکار دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ سے بھی علم میراث کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ ، وَتَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهَا ، فَإِنِّي امْرُؤٌ مَقْبُوضٌ ، وَالْعِلْمُ مَرْفُوعٌ ، وَيُوشِكُ أَنْ يَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِي الْفَرِيضَةِ وَالْمَسْأَلَةِ فَلَا يَجِدَانِ أَحَدًا يُخْبِرُهُمَا)) (۲)

ترجمہ: قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، اور میراث کو سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، یقینا میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا (قرآن و میراث) کا علم اٹھالیا جائے گا اور عنقریب وراثت کی تقسیم میں دو لوگوں کے مابین جھگڑا ہو جائے گا تو ان کے درمیان فیصلہ کرنے والا کوئی نہ ملے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((الْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ، مَا سِوَى ذَلِكَ فَضْلٌ: آيَةٌ مُحْكَمَةٌ، وَسُنَّةٌ قَائِمَةٌ، وَفَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ)) (۳)

ترجمہ: جن علوم کا سیکھنا ضروری ہے وہ تین طرح کے ہیں جبکہ دوسرے علوم کا سیکھنا فضیلت کے باب میں آتا ہے اور

۱۔ السنن الکبریٰ، البیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین بن علی، مکتبہ دار الباز، مکہ المکرمہ، ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۴ء، کتاب الفرائض، باب الحث علی تعلیم الفرائض، حدیث: ۱۱۹۵۵، ص: ۶/ ۲۰۸

۲۔ نیل الأوطار، الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، دار الحدیث، مصر، الطبعہ الأولی، ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳ء، كِتَابُ الْفَرَائِضِ، حدیث: ۲۵۴۰ ص: ۶/ ۶۶

۳۔ المعجم الکبیر، الطبرانی، سلیمان بن احمد بن أیوب، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرۃ، الطبعہ الثانیہ، ص: ۱۳/ ۳۳

وہ یہ ہیں قرآن کی آیات احکام کا سیکھنا، سنت نبوی کا علم، اور فرائض یعنی وراثت کا علم جو سارے کا سارا حق پر مبنی ہے۔

اقوالِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی حیاتِ طیبہ میں وراثت کی تعلیم دیا کرتے تھے اور کبھی کبھی وراثت کے مسائل کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال و جواب بھی کیا کرتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وراثت کا علم سیکھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو علم وراثت میں مہارت حاصل تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

"میری امت پر سب سے زیادہ مہربان حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، اللہ کے دین کے معاملے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے سخت ہیں، سب سے بہتر حیا والے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، حلال و حرام کو سب سے زیادہ جاننے والے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں، قرآن کے سب سے بہتر قاری حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں، سب سے زیادہ علم وراثت جاننے والے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر ہر امت میں ایک نہ ایک امانت دار ہوتا ہے، میری امت میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سب سے امانتدار ہیں۔"[۱]

غرضیکہ علم میراث کی اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس علم کو سیکھنے کا اہتمام کرتے تھے اور دوسروں کو بھی یہ علم سیکھنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اس حوالے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چند اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

((تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ فَإِنَّهَا مِنْ دِينِكُمْ))[۲]

ترجمہ: (لوگو) میراث کا علم سیکھو، کیونکہ یہ تمہارے دین کا حصہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

((تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَالْحَجَّ وَالطَّلَاقَ فَإِنَّهُ مِنْ دِينِكُمْ))[۳]

ترجمہ: (لوگو) میراث، حج اور طلاق کے احکام سیکھو، اس لیے کہ یہ تمہارے دین کا حصہ ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا:

۱۔ کشف الغمہ، ابی المواہب عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی (المتوفی: ۹۷۳ھ) مترجم، شاہ محمد چشتی، ادارہ پیغام القرآن، اردو بازار، لاہور، نومبر ۲۰۰۸ء ص: ۲/ ۱۲۲۔۱۲۳

۲۔ السنن الکبریٰ، البیہقی، کتاب الفرائض، باب الحث علی تعلیم الفرائض، حدیث: ۱۱۹۵۷، ص: ۶/ ۲۰۹

۳۔ ایضاً، حدیث: ۱۲۵۴۴، ص: ۶/ ۲۰۹

((إِذَا لَهَوْتُمْ فَالْهُوا بِالرَّمْيِ وَإِذَا تَحَدَّثْتُمْ فَتَحَدَّثُوا بِالْفَرَائِضِ)) (۱)

ترجمہ: جب تم کھیل کود کرنا چاہو تو تیر اندازی کیا کرو اور جب بحث و مباحثہ کرنا چاہو تو علم میراث پر کیا کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گورنر مکہ نافع بن عبد الحارث سے ہونے والا درج ذیل مکالمہ بھی علم میراث کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔

((عَنْ عَامِرِ بْنِ وَاثِلَةَ أَنَّ نَافِعَ بْنَ عَبْدِ الْحَارِثِ لَقِيَ عُمَرَ بِعُسْفَانَ وَكَانَ عُمَرُ يَسْتَعْمِلُهُ عَلَى مَكَّةَ فَقَالَ مَنِ اسْتَعْمَلْتَ عَلَى أَهْلِ الْوَادِي فَقَالَ ابْنَ أَبْزَى. قَالَ وَمَنِ ابْنُ أَبْزَى قَالَ مَوْلًى مِنْ مَوَالِينَا. قَالَ فَاسْتَخْلَفْتَ عَلَيْهِمْ مَوْلًى قَالَ إِنَّهُ قَارِئٌ لِكِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَإِنَّهُ عَالِمٌ بِالْفَرَائِضِ. قَالَ عُمَرُ أَمَا إِنَّ نَبِيَّكُمْ صلى الله عليه وسلم قَدْ قَالَ « إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ »)) (۲)

ترجمہ: عامر بن واثلہ بیان کرتے ہیں کہ گورنر مکہ نافع بن عبد الحارث عسفان نامی مقام پر امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے آئے (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے عسفان تشریف لائے تھے یا کسی سفر میں یہاں سے گزر رہے تھے، تو گورنر مکہ کو ملاقات کے لیے بلایا ہوگا) ملاقات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ اہل مکہ پر کس کو قائم مقام گورنر بنا کر آئے ہو؟ اس نے کہا: ابن ابزی کو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ ابن ابزی کون ہیں؟ نافع نے کہا: یہ ہمارا آزاد کردہ غلام ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو تم نے اہل مکہ پر آزاد کردہ غلام کو گورنر بنایا؟ اس پر نافع بن عبد الحارث نے کہا: امیر المؤمنین! وہ اللہ کی کتاب (قرآن کریم) کے عالم ہیں، اور احکام میراث کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسی لیے تو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ اسی کتاب کے ذریعے قوموں کو بلندی عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے لوگوں کو ذلیل کرتا ہے۔

مندرجہ بالا واقعہ اور بیانات سے علم میراث کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک آزاد کردہ غلام بھی اس علم کی بدولت ولایت و سرداری کا رتبہ حاصل کر لیتا ہے۔

در حقیقت علم المیراث (علم الفرائض) شرعی قوانین میں اہم ترین موضوع ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود اس کے احکام قرآنِ مبین میں بیان فرمائے ہیں اور کسی بھی شخص کو ان احکام میں کمی بیشی کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

یہودیت میں وراثت کا مفہوم

عہد نامۂ عتیق (۳) میں میراث کے لیے عبرانی الفاظ نخلہ، حلق، یروشاہ اور مراشہ آئے ہیں۔ اکثر و بیشتر اول

۱۔ السنن الکبریٰ، البیہقی، کتاب الفرائض، باب الحث علی تعلیم الفرائض، حدیث:۱۱۹۵۸

۲۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فَضْلِ مَنْ يَقُومُ بِالْقُرْآنِ...، حدیث:۱۹۳۴، ص:۲/۲۰۱

۳۔ عہد نامہ عتیق یہودیوں کی سب سے زیادہ مقدس کتاب ہے اسکو عہد نامہ قدیم یا پرانا عہد نامہ اور The Old Testament

الذکر لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ تقریباً دو سو بار آیا ہے اور عام طور پر کسی مِلک اور حصے کو میراث میں لینے کو ظاہر کرتا ہے۔ (۱)

Nachalah means,"possession;property;inheritance".This noun is used frequently in the Pentateuch.The basic translation of nachalah is "inheritance".(2)

ترجمہ: نخلہ کا مطلب ہے۔ "قبضہ، جائیداد، وراثت۔ یہ اسم خمسۂ موسوی میں اکثر و بیشتر استعمال ہوا ہے۔ نخلہ کا ترجمہ "وراثت" ہے۔

کتاب مقدس میں ہے کہ:

"When HaElyon divided to the Goyim their nachalah, when He separated the Bnei Adam, He set the gevulot (borders)of the people according to the number of the Bnei Yisroel."(3)

ترجمہ: خدائے عظیم نے زمین کو لوگوں میں بانٹ دیا۔ جب اس نے بنی آدم کو الگ کیا تو اس نے لوگوں کے لیے بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابق سرحدیں مقرر کیں۔

کتاب مقدس میں "نخلہ" کا لفظ "مختص وراثت" کو ظاہر کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ (۴)

"For Hashem's chelek is His people;Ya'akov is the chevel

بھی کہتے ہیں۔ اسے بنی اسرائیل کی ایک تاریخی کتاب کی حیثیت دی جاتی ہے۔ یہ کتاب ۳۹ حصوں پر مشتمل ہے۔ (تقابل ادیان مولانا پروفیسر محمد یوسف خان، بیت العلوم، ۲۰ نابھ روڈ، چوک پرانی انار کلی، لاہور، ص: ۱۸۲) عہد نامہ عتیق جو دراصل یہود کی کتاب ہے عہد حاضر میں موجودہ بائیبل کا ایک حصہ ہے کیونکہ عہد نامہ قدیم یہود اور عیسائی دونوں کے ہاں مقدس سمجھی جاتی ہے تورات عہد نامہ قدیم کا ایک جزو ہے جو عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابوں (پیدائش، خروج، احبار، گنتی، استثناء) پر مشتمل ہے۔ انھیں خمسہ موسوی بھی کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ عہد نامہ قدیم میں مزید ۳۴ کتابیں ہیں۔ (یہودیت، عیسائیت اور اسلام، شیخ احمد دیدات، ترجمہ: مصباح اکبر، عبداللہ اکیڈمی، الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص: ۹۰۔۹۱)

۱۔ قاموس الکتاب (لغات بائیبل)، ایس ایف خیر اللہ، مسیحی اشاعت خانہ، ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور، طبع: پنجم، ۱۹۹۳ء، ص: ۹۸۵

2. Vines Expository Dictionary of Old Testament Words, W.E Vine, Rev Terry Kulakowski, Religion, 2015, Pg:195

3. Deuteronomy: 32/8

4. www.bibliatodo.com /en /bible-dictionary/ nachalah, Date:29 -02 - 2020

(allotment) of His nachalah."[1]

ترجمہ: خداوند کی وراثت اس کے لوگ ہیں۔ یعقوب (اسرائیل) اس کی میراث کا مختص وارث ہے۔

وراثت کے لیے مستعمل عبرانی کلمات موروثی ملکیت، مختص ملکیت اور ایک بڑے حصے کو بطور ورثہ ظاہر کرتے ہیں۔

"The principal Hebrew equivalents for the English words, inherit,inheritance,heritage and heir,are based on the verbal roots yrš, nhl,and hlq.The root yrš, denotes specifically succession in possession and it is used almost always of immovable,such as a country,city or house.The root nhl,designates precisely possession held by title of patrimony and is employed almost always of immovable.The root hlq refers to a heritage as a portion of a larger unit."[2]

ترجمہ: اصلی عبرانی کلمات جو انگریزی الفاظ میراث، وراثت، ورثہ اور وارث کے مساوی ہیں ان کا مصدر اصلی یرش، نحلہ اور حلق ہیں۔ مصدر یرش خاص طور پر موروثی ملکیت کو ظاہر کرتا ہے اور یہ تقریباً ہمیشہ ہی غیر منقولہ جائیداد جیسے ملک، شہر یا گھر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مصدر نحلہ آباء واجداد سے منتقل ہونے والی مختص ملکیت کو نامزد کرتا ہے اور یہ بھی تقریباً ہمیشہ ہی غیر منقولہ جائیداد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مصدر حلق ایک بڑے مجموعے کے حصے کو بطور ورثہ ظاہر کرتا ہے۔

عبرانی زبان میں "نخلہ" کا لفظ "وارث" کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

The word inherit substance is one word in the Hebrew lehanechil.It comes from the root word nachal which means to obtain or acquire a possession,property or an inheritance. [3]

ترجمہ: عبرانی زبان میں وارث کے لیے ایک لفظ ہے جس کا مصدر کلمہ نحلہ ہے جس کا مطلب کسی ملکیت، جائیداد یا

1۔ Deuteronomy :32/9

2۔ https://www.encyclopedia.com/religion/encyclopedias/inheritance-bible, Date: 29-02-2020

3۔ https://www.chaimbentorah.com/word-study-inherit-substance, Date: 2-03-2020

وراثت کو حاصل کرنا ہے۔

کتاب مقدس میں الفاظ "مراشہ اوریروشاہ" بالترتیب ورثہ اور وراثت کے معانی کو ظاہر کرتے ہیں۔

Biblical Hebrew has two words relating to bequests: Morasha, and Yerusha. Morasha,the Hebrew word for 'possession' is generally translated as 'heritage', while yerusha is translated as 'inheritance'.[(1)]

ترجمہ: کتاب مقدس میں میراث کے متعلق دو عبرانی الفاظ ہیں۔ مراشہ اوریروشاہ۔ عبرانی لفظ مراشہ کا ترجمہ عام طور پر "ورثہ" کیا جاتا ہے، جبکہ یروشاہ کا ترجمہ "وراثت" کیا جاتا ہے۔

کلمہ "یروشاہ" عام عبرانی اصطلاح ہے جو کتاب مقدس میں "وراثت" کے لیے استعمال کی گئی ہے۔

The general Hebrew term for " inheritance"is yerusha; But there are two abjects that the bible designates as morasha (heritage):the Land of Israel and Torah of Israel.[(2)]

ترجمہ :"وراثت" کے لیے عام عبرانی اصطلاح یروشاہ ہے؛ لیکن دو چیزیں ایسی ہیں جن کو کتاب مقدس مراشہ (ورثہ) کے طور پر نامزد کرتی ہے: اسرائیل کی سرزمین اور اسرائیل کی توریت۔

عبرانیوں کا ایک بنیادی اصول یہ تھا کہ ملک یا جائیداد کسی ایک شخص کی ملکیت کی بجائے خاندان کی متصور ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ زمین خدا نے اپنے لوگوں یعنی بنی اسرائیل کو دی تھی اس لیے وہ (ملک یا جائیداد) ضرور ہی خاندان میں رہے۔[(۳)]

کلام پاک میں کلمہ میراث صرف موروثی جائیداد کو ہی بیان نہیں کرتا بلکہ یہ خاص الٰہی معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ عہد نامہ عتیق میں یہ لفظ سب سے پہلے ان معنوں میں اس وراثت کو ظاہر کرتا ہے جس کا وعدہ خدا نے ابرہام اور اس کی اولاد سے کیا یعنی ملک کنعان کے بارے میں۔

"تو تو آسمان پر سے سن کر اپنے بندوں اور اپنی قوم اسرائیل کا گناہ معاف کر دینا کیونکہ تو ان کو اس اچھی راہ کی تعلیم دیتا ہے جس پر ان کو چلنا فرض ہے اور اپنے ملک پر جسے تو نے اپنی قوم کو میراث کے لیے

---

1 - https://loveforhispeople.com /the-difference-between-inheritance-and- heritage-israel365,Date: 2-03-2020

2 - https://www.jpost.com/Jewish-World/Judaism/Heritage-and-inheritance, Date: 3-03-2020

۳۔ قاموس الکتاب، ص:۹۸۵

دیاہے مینہ برسانا۔" [۱]

بائیبل مقدس میں مزید لکھاہے۔

"بنی اسرائیل کو حکم کراور ان کو کہہ دے کہ جب تم ملک کنعان میں داخل ہو(یہ وہی ملک ہے جو تمہاری میراث ہو گا یعنی کنعان کا ملک مع اپنی حدوداربعہ کے) " [۲]

دوسری جگہ اسی مضمون کو درج ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

"اور تمہارے ہی سبب سے خداوند نے مجھ سے ناراض ہو کر قسم کھائی کہ میں یردن پار نہ جاؤں اور نہ اس اچھے ملک میں پہنچنے پاؤں جسے خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے۔" [۳]

"اس عہد کو جو اس نے ابراہم سے باندھا اور اسی کو اس نے یعقوب کے لیے آئین یعنی اسرائیل کے لیے ابدی عہد ٹھہرایا اور کہا کہ میں کنعان کا ملک تجھے دوں گا کہ تمہاراموروثی حصہ ہو۔" [۴]

لیکن اس عہد کے ساتھ ساتھ اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ اللہ کا عہد سچے لوگوں کے لیے ہے۔

"صادق زمین کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ بسے رہیں گے۔" [۵]

یہودیت میں بھی تمام اشیاء اللہ کی متصور ہوتی ہیں۔ عہد نامہ قدیم میں ملکیت ومیراث کے حوالے سے لکھاہے:

"ہر ایک چیز خداوند تمہارے خدا کی ہے۔ آسمان اور سب سے اونچا آسمان، زمین اور اس پر کی ساری چیزیں خداوند تمہارے خدا کی ہیں۔" [۶]

ایک اور مقام پر یہی مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ:

"سو وہیں پہاڑ کے سامنے اسرائیلیوں کے ڈیرے لگے اور موسیٰ اس پر چڑھ کر خدا کے پاس گیا اور خداوند نے اسے پہاڑ پر سے پکار کر کہا کہ تو یعقوب کے خاندان سے یوں کہہ اور بنی اسرائیل کو یہ سنا دے کہ تم نے دیکھا کہ میں نے مصریوں کے ساتھ کیا کیا اور تم نے دیکھا کہ میں نے تم کو مصر سے باہر ایک عقاب کی طرح اپنے پروں پر اٹھا کر نکالا اور یہاں اپنے پاس لایا۔ سو اب اگر تم میری بات مانو اور میرے عہد پر چلو تو سب قوموں میں سے تم ہی میری خاص ملکیت ٹھہرو گے کیونکہ ساری

۱۔ بائیبل مقدس، عہد نامہ قدیم، ا۔ سلاطین، ۸:۳۶

۲۔ ایضاً، گنتی، ۳۴:۲

۳۔ ایضاً، استثناء، ۴:۲۱

۴۔ ایضاً، زبور، ۱۰۵: ۱۱۔۹

۵۔ ایضاً، زبور، ۳۷:۲۹

۶۔ ایضاً، استثناء، ۱۰:۱۴

زمین میری ہے۔"[1]

یعنی موسیٰ اور اسرائیلیوں کے مشترکہ خدا نے بلا تخصیصِ جنس ساری زمین اور انسانوں کو اپنی ملکیت قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرتِ ابراہیم و حضرت ایوب علیہما السلام کی میراث کے متعلق درج ذیل تفصیلات ملتی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث

Abraham left everything he owned to Isaaq.But while he was still living, he gave gifts to the sons of his concubines and sent them away from his son Isaac to the land of the east.[2]

ترجمہ: ابرہام نے اپنا سب کچھ اسحاق کو دیا۔ اور اپنی حرموں کے بیٹوں کو ابرہام نے بہت کچھ انعام دے کر اپنے جیتے جی ان کو اپنے بیٹے اسحاق کے پاس سے مشرق کی طرف یعنی مشرق کے ملک میں بھیج دیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی میراث

Now the LORD blessed the latter days of Job more than his beginning; for he had fourteen thousand sheep, six thousand camels, one thousand yoke of oxen, and one thousand female donkeys.He also had seven sons and three daughters.And he called the name of the firstJemimah, the name of the second Keziah, and the name of the third Keren-Happuch.In all the land were found no women so beautiful as the daughters of Job; and their father gave them an inheritance among their brothers.

After this Job lived one hundred and forty years, and saw his children and grandchildren for four generations. SoJob died, old and full of days.[3]

ترجمہ: یوں خداوند نے ایوب کے آخری ایام میں ابتدا کی نسبت زیادہ برکت بخشی اور اس کے پاس چودہ ہزار بھیڑ

۱۔ بائیبل مقدس، عہد نامہ قدیم، خروج: باب:۱۹، ۵-۳

2- Genesis: 25/5-6

3 - Job: 42/12-17

بکریاں، چھ ہزار اونٹ، ہزار جوڑی بیل اور ہزار گدھیاں ہو گئیں۔ اس کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں بھی ہوئیں۔ اور اس نے پہلی کا نام یمیمہ اور دوسری کا نام قصیاہ اور تیسری کا نام قرہپوک رکھا۔ اور اس ساری سرزمین میں ایسی عورتیں کہیں نہ تھیں جو ایوب کی بیٹیوں کی طرح خوبصورت ہوں اوران کے باپ نے ان کو ان کے بھائیوں کے درمیان میراث دی۔ اور اس کے بعد ایوب ایک سو چالیس برس جیتا رہا اور اپنے بیٹے اور پوتے چوتھی پشت تک دیکھے اور ایوب نے بڈھا اور عمر رسیدہ ہو کر وفات پائی۔

یہودیت واسلام میں لفظ وراثت کا تقابل

یہودیت اور اسلام میں لفظ وراثت کا بلحاظ معنی موازنہ کرتے ہوئے درج ذیل نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔

یہودیت واسلام دونوں بنیادی طور پر سماوی مذاہب ہیں اوران کی تعلیمات در حقیقت منزل من اللہ ہیں مگر شومئ قسمت کہ یہود نے اپنی کتاب میں موجود تعلیمات میں تحریف کر دی جس کی وجہ سے آج یہودی مذہب کی بیشتر تعلیمات اصل حالت میں موجود نہیں۔ بہر کیف دونوں مذاہب کی بنیادی تعلیمات ایک ہی ہیں۔ اس لیے دونوں مذاہب میں ہر قسم کی وراثت و میراث کا مالکِ حقیقی اللہ تعالی ہے کیونکہ وہی خالقِ کائنات ہے اور ہر چیز کا مالک ہے۔ ہر شے اس کے قبضۂ قدرت میں ہے خواہ وہ کوئی مملکت یا سرزمین ہو یا کوئی مال واسباب ہو یا علم وبزرگی۔ یہ اس کی مرضی ومنشاء پر منحصر ہے کہ وہ جسے چاہے اس کا مالک بنادے کیونکہ انصرام کائنات اسی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی ذات باقی رہنے والی ہے۔

جیسا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (۱)

ترجمہ: اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔

اور اس حوالے سے کتاب مقدس میں آیا ہے کہ:

"ہر ایک چیز خداوند تمہارے خدا کی ہے۔ آسمان اور سب سے اونچا آسمان، زمین اور اس پر کی ساری چیزیں خداوند تمہارے خدا کی ہیں۔" (۲)

لہٰذا جب زمین وآسمان کی تمام میراث اللہ تعالیٰ کی ہے تو پھر اس پر تصرف کے احکامات بھی اسی معبود برحق کے لاگو ہوں گے۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین موسوی میں اور دین محمدی ﷺ میں بھی احکام وراثت عطا فرمائے تاکہ میراث کو اس کی مرضی ورضا کے مطابق اس کی مخلوق میں تقسیم کیا جائے اور اصطلاحی معنی کے لحاظ سے دونوں

۱۔ سورۃ آل عمران: ۳/ ۱۸۰

۲۔ بائیبل مقدس، عہد نامہ قدیم، استثناء، ۱۰: ۱۴

مذاہب میں وراثت سے مراد مرنے والے شخص کی چھوڑی ہوئی جائیداد (ترکہ) ہے جو اس کے ورثاء میں تقسیم کی جاتی ہے۔ اس میں وارث کی ذاتی محنت ومشقت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

دراصل قانونِ وراثت ان جامع فیصلوں کا نام ہے جو اللہ بزرگ وبرتر کی طرف سے ورثاء کے حق میں طے کیے گئے ہیں۔ اسلام میں تمام ورثاءاور حصہ داروں کے حصے مقرر کر دیئے گئے ہیں اور تمام انسانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ میت کا ترکہ اسی قانون کے مطابق تقسیم کریں تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ حقِ وراثت کی منصفانہ اور شرعی تقسیم پر انصاف سے کام لینے کی ہدایات دی گئی ہیں اور کسی بھی حقدار کو اس کی وراثت سے محروم کرنے کو بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے۔

فصل دوم

حقوقِ مُورِث اور ورثاء کی اقسام

وراثت ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں مال کی منتقلی کا اہم ذریعہ ہے اور ہر زمان و مکان میں اس کی اہمیت مسلّم رہی ہے۔ اسلامی نظامِ وراثت جامع اور انسانی فطرت کے اصولوں کے عین مطابق ہے یہی وجہ ہے کہ ورثاء میں میراث کی تقسیم سے پہلے میت کے ترکے میں سے مورث کے تین حقوق کی ادائیگی کرنا ضروری قرار دیا گیاہے۔ دراصل میت کے ترکے میں چار حقوق پائے جاتے ہیں جن کی بالترتیب ادائیگی لازم ہے۔ یہ حقوقِ اربعہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- تجہیز و تکفین

میت کے ترکے میں سے سب سے پہلے اس کے کفن دفن کا انتظام کیا جائے گا اور یہ تجہیز و تکفین سادہ، شرعی طریقے سے اور سنت کے مطابق ہوگی۔ نہ ہی اسراف کیا جائے گا اور نہ ہی بخل سے کام لیا جائے گا بلکہ میت کی حیثیت کے موافق کیا جائے گا یعنی کفن کے کپڑوں کی تعداد و مقدار سنت کے موافق ہو اور کپڑا ایسی قیمت کا ہو جس کو اکثر پہن کر گھر سے باہر نکلتا اور لوگوں کے سامنے آتا ہو اور بازار و مسجد وغیرہ میں پہن کر جاتا ہو۔ مراد یہ کہ نہ اس قدر کم قیمت اور ردی کفن ہو جس سے میت کی تحقیر و تذلیل ہو اور نہ ہی اتنا بیش قیمت ہو جس میں اسراف ہو۔[۱]

اسی طرح قبر کی کھدائی و سامان وغیرہ کا خرچ بھی حسبِ حیثیت متوسط درجے کا کیا جائے گا۔ قبر کے لیے خریدی گئی زمین کی قیمت بھی تجہیز و تکفین کے دیگر سامان کی مانند ترکہ میں سے شمار ہوگی۔[۲]

۲-ادائیگی قرض

میت کے ذمے اگر کوئی قرض ہو تو اسے میت کے ترکے میں سے ادا کیا جائے گا چاہے اس ادائیگی میں سارا ترکہ ہی صرف ہو جائے۔[۳]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ))[۴]

۱۔ علم المیراث، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی، قادری پبلیشرز لاہور، طبع: اول، ۲۰۰۴ء، ص:۱۰

۲۔ آسان میراث، ص:۲۵ ؛ مزید دیکھیے: مفید الوارثین، مولانا سید میاں اصغر حسین، مکتبۃ العلم، اردو بازار لاہور، پاکستان، ص:۴۰

۳۔ اسلامی قانون وراثت (سوالاً جواباً)، ص:۳۳

۴۔ سنن ترمذی، امام ترمذی، أَبْوَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ مَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ أَنَّهُ قَالَ: نَفْسُ ...، حدیث:۱۰۷۸، ص:۳/۳۸۱

ترجمہ: مومن کی جان اس کے قرضے سے لٹکی رہتی ہے جب تک اسے ادا نہ کیا جائے۔

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ میت کے ذمے واجب الادا قرض کی ادائیگی نہایت ضروری ہے کیونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حقوق العباد کی ادائیگی کے بغیر خلاصی ممکن نہیں۔جمہور کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے قرض کی ادائیگی بھی لازم ہے۔ جیسے زکوٰۃ، حج، کفارہ وغیرہ اور اس کے لیے وہ درج ذیل حدیث مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

((يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ أَفَأَقْضِيهِ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَدَيْنُ اللهِ أَحَقُّ أَنْ يُقْضَى))[1]

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے اور ان کے ذمے ایک ماہ کے روزے رہ گئے ہیں کیا میں ان کی طرف سے ادا کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں ضرور: اللہ کا قرض زیادہ حقدار ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔

حقوق العباد کی ادائیگی کی اسلام میں بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے لہٰذا بیوی کا حق مہر اگر ادا نہ کیا گیا ہو تو وہ بھی قرض ہی متصور ہو گا اور میت کے ترکے میں سے ادا ہو گا اور یہ ادائیگی بیوی کے حق وراثت پر اثر انداز نہ ہو گی۔[2]

۳-وصیت

وصیت انتقالِ ملکیت کا وہ اختیاری طریقہ ہے جس میں جائیداد کا مالک خود اس امر کا اہتمام کرتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد کا بندوبست کس طرح ہو اور کون کون لوگ اس میں حصہ دار بنیں۔دراصل آغازِ اسلام میں انتقالِ ملکیت کے لیے وصیتی طریقہ رائج کیا گیا۔

جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾[3]

ترجمہ: تم پر یہ فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑے جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے حق میں مناسب طور پر وصیت کر جائے، ایسا کرنا پرہیز گاروں کے ذمے حق ہے۔

لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے دانستہ یا غیر دانستہ طور پر کی جانے والی طرف داری یا حق تلفی کے سدباب کے لیے

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم، حدیث:۱۸۵۲، ص:۲/۶۹۰

۲۔ مفید الوارثین، ص:۴۶

۳۔ سورۃ البقرۃ:۲/۱۸۰

مورث کو ایک تہائی تک وصیت کا اختیار دے کر باقی ترکے کی تقسیم کے لیے واضح اصول و قوانین مقرر فرمادیئے جو قوانینِ وراثت کہلاتے ہیں۔ ان قوانین کے نفاذ سے قبل میت کی وصیت کو پورا کیا جائے گا۔

قرض کی ادائیگی کے بعد میت کے ترکے میں سے اس کی جائز وصیت کو پورا کیا جائے گا۔ جائز وصیت کی تین شرائط ہیں۔

۱۔ وصیت ایک تہائی ۱/۳ یا اس سے کم مال کی ہو جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

((أَفَأَتَصَدَّقُ بِالثُّلُثَيْنِ قَالَ « لاَ ».قَالَ فَبِالشَّطْرِ قَالَ« لاَ »قَالَ فَبِالثُّلُثِ قَالَ « الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ)) [۱]

ترجمہ: کیا میں اپنے دو تہائی مال کا صدقہ کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، انہوں نے کہا: آدھے حصے کا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، عرض کی تہائی مال کا صدقہ کروں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تہائی کر دو لیکن تہائی حصہ بھی زیادہ ہے۔

۲۔ ان ورثاء کے حق میں وصیت نہ ہو جو ترکہ میں حصہ لینے والے ہوں۔ اس حوالے سے ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

((إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ أَعْطَى لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ)) [۲]

ترجمہ: یقیناً اللہ نے ہر حقدار کا حق مقرر کر دیا ہے اب کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ کسی حرام کام کی وصیت نہ کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾ [۳]

ترجمہ: اور اگر وہ دونوں (ماں باپ) تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ مانو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

((لاَ طَاعَةَ فِى الْمَعْصِيَةِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِى الْمَعْرُوفِ)) [۴]

ترجمہ: نافرمانی کے کاموں میں اطاعت نہیں ہے۔ اطاعت تو صرف نیکی کے کاموں میں ہے۔

۱۔ سنن أبي داوٗد، أبو داوٗد سليمان بن الأشعث السجستاني، دار الكتاب العربي، بيروت، كتاب الوصايا، باب مَا جَاءَ فِيمَا لاَ يَجُوزُ لِلْمُوصِى فِى مَالِهِ، حديث: ۲۸۶۶، ص: ۳/۷۱

۲۔ سنن ترمذی، كتاب الوصايا، بَابُ مَا جَاءَ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ، حديث: ۲۱۲۰، ص: ۴/۴۳۳

۳۔ سورۃ لقمان: ۳۱/۱۵

۴۔ صحیح بخاری، كتاب التمني، باب ما جاء في إجازة خبر الواحد الصدوق...، حديث: ۶۸۳۰، ص: ۶/۲۶۴۹

قرآن پاک میں وصیت کو قرض پر مقدم کیا گیا ہے جس کا مقصد وصیت کو پورا کرنے کی تاکید کرنا اور اس کی اہمیت کو واضح کرنا ہے کیونکہ وصیت کو پورا کرنے میں عموماً غفلت برتی جاتی ہے اور قرض کا مقدم ہونا حدیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ جیسا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الوَصِيَّةِ ، وَأَنْتُمْ تَقْرَءُونَ الوَصِيَّةَ قَبْلَ الدَّيْنِ))[۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت (کے نفاذ) سے پہلے قرض کی ادائیگی کا فیصلہ فرمایا جبکہ تم (قرآن میں) قرض سے پہلے وصیت پڑھتے ہو۔

امام ترمذی کہتے ہیں کہ عام اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے کہ وصیت سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا۔

مولانا محمد اشرف علی تھانوی نے وصیت کے ذکر کو مقدم کرنے کی درج ذیل حکمت بیان کی ہے۔

"بعض اوقات بعض ایسے حقوق کا جو کہ دراصل کم درجے کے ہیں ان کا بڑے حقوق سے زیادہ شرع نے اہتمام کیا ہے کیونکہ ضروری حقوق کو تو لوگ خود ہی ضروری سمجھ کر ادا کر لیں گے مگر جن حقوق کو ہلکا سمجھ رہے ہیں ان میں ضرور کوتاہی کریں گے اس لیے ان پر خاص تنبیہ کی جاتی ہے اور یہی نکتہ ہے قرآن میں وصیت کو دَین پر ذکر میں مقدم کرنے کا۔ چنانچہ ارشاد ہے "من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین" حالانکہ شرعاً تجہیز و تکفین کے بعد سب سے مقدم دَین ہے اور اس کے بعد وصیت۔ مگر ذکر میں اللہ تعالیٰ نے وصیت کو اس لیے مقدم فرمایا کہ لوگ وصیت کے باب میں تساہل زیادہ کرتے ہیں اور قرض تو سب ہی کے نزدیک ضروری ہے۔ پھر اس کے مطالبہ میں جبر کرنے والے بھی موجود ہیں اور وصیت فی نفسہ تبرع ہے۔ اس میں جبر کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ اس لیے وصیت کو ذکر میں مقدم کر کے تنبیہ کر دی کہ اس کا بہت خیال رکھنا"[۲]

۴۔ ورثاء میں میراث کی تقسیم

مذکورہ بالا تینوں حقوق کی ادائیگی کے بعد بقیہ ترکے کو ورثاء میں ان کے شرعی حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

تقسیم وراثت کے لیے شرائط اور اسباب کا پایا جانا ضروری ہے۔ جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ سنن ترمذی، کتاب الوصایا، بَابُ مَا جَاءَ يُبْدَأُ بِالدَّيْنِ قَبْلَ الوَصِيَّةِ، حدیث:۲۱۲۲، ص:۴/۴۳۵

۲۔ دعوات عبدیت، مولانا محمد اشرف علی تھانوی، محمد عبد المنان، مکتبہ تھانوی، دفتر: الابقاء، متصل مسافر خانہ، ایم۔اے جناح روڈ، کراچی، ص:۱/۱۰۶

شرائط وراثت:

تقسیم وراثت کی تین شرطیں ہیں۔

۱. میت کی موت کا یقین ہونا یعنی موت کا حقیقی طور پر واقع اور معروف ہونا، عموماً جب کوئی شخص مرتا ہے تو معاشرے میں یہ بات اتنی عام ہوتی ہے کہ اس کی تردید یا اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی یا حکمی طور پر جیسے مفقود الخبر کہ اگر قاضی اس کی موت کا فیصلہ صادر کردے تو اس شخص کو مردہ متصور کیا جائے گا اور اس کی جائیداد کو اس کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ یہاں یہ امر پیشِ نظر رہے کہ از خود کسی مورث کے مفقود الخبر ہونے پر اسے مردہ قرار دے کر اس کے مال میں تصرف کرنا درست نہیں ہے۔[۱]

۲. میت (مورث) کی موت کے وقت وارث کا زندہ ہونا خواہ چند منٹ کے لیے زندہ رہا ہو۔[۲]

۳. وراثت کے موانع کا نہ پایا جانا۔[۳]

اسباب وراثت:

اسباب، سبب کی جمع ہے۔ سبب عربی زبان میں واسطے اور رابطے کو کہتے ہیں۔ یہاں سبب سے مراد وہ رابطہ ہے جو مورث اور وارث کو باہم ملائے، اور اس طرح وارث ترکے میں سے اپنا حصہ لینے کا اہل ہو[۴]

گویا وارث بننے کے لیے اس سبب کی پہچان ضروری ہے جس کی بناء پر وہ وارث بن رہا ہے اور اسباب وراثت تین ہیں۔

۱۔ نسبی قرابت

نسب وہ سب سے اہم سبب ہے جو وارث کو میت کے ترکے میں سے اس کا حصہ دلاتا ہے۔ نسب کا تعلق خون سے ہوتا ہے یعنی میت کے وہ ورثاء جو خونی رشتے کی وجہ سے وارث بنتے ہیں۔ چاہے ان کا تعلق اصول (والدین یا والدین کے والدین) سے ہو یا فروع (اولاد یا اولاد کی اولاد) سے ہو یا اطراف (بھائی، چچا یا ان کی اولاد) سے ہو۔[۵]

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ اسلام کا قانون وراثت ووصیت، شہزاد اقبال شام، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، طبع: ششم، ۲۰۰۶ء، ص:۷

۲۔ ایضاً، ص:۸، مزید دیکھیے: تسہیل الفرائض، ص:۱۳

۳۔ اسلام کا قانون وراثت ووصیت، ص:۸

۴۔ ایضاً، ص:۵

۵۔ اسلامی قانون وراثت (سوالاً جواباً)، ص:۲۹

﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ﴾[۱]

ترجمہ: اور ہر مال میں جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں ہم نے حقدار مقرر کیے ہیں۔

۲-نکاح

میت اور وارث میں ربط پیدا کرنے والا دوسرا سبب زوجیت ہے یعنی عورت کے ساتھ صحیح نکاح کا ہونا خواہ رخصتی وخلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ زوجیت وہ سبب ہے جس کی بدولت شوہر اور بیوی کسی ایک کی موت پر اس کے ترکہ سے حصہ پانے کے مستحق ہو جاتے ہیں۔[۲]

حکم الٰہی ہے کہ:

﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ﴾[۳]

ترجمہ: اور تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے تمہارے لیے نصف ہے۔

۳۔ولاء

ولاء سے مراد وہ قرابت ہے جس کو اسلام نے آقا اور اس کے آزاد کردہ غلام کے درمیان بنایا ہے یعنی کوئی شخص غلام یا لونڈی کو آزاد کرے اور جسے آزاد کیا ہو وہ انتقال کر جائے اور اس کا کوئی نسبی وارث نہ ہو تو اس صورت میں آزاد کرنے والا اس کا وارث ہو گا۔[۴]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے بریرہ کو آزاد کرنے کے لئے خریدنا چاہا اور اس کے مالک نے یہ شرط کرنا چاہی کہ اس کی ولاء ان لوگوں کی ہو گی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ))[۵]

ترجمہ: ولاء تو اسی کی ہوتی ہے جو آزاد کرے۔

احکامِ میراث

اسلام نے تقسیم وراثت کا ایک نہایت پاکیزہ اور متوازن نظام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرقانِ حمید میں احکامِ میراث کو بیان کرتے ہوئے تمام حقداروں کے حصص خود مقرر فرمائے اور مرد و عورت دونوں کو انتہائی انصاف کے ساتھ ماں

۱۔ سورۃ النساء: ۴/ ۳۳

۲۔ اسلام کا قانون وراثت ووصیت، ص:۶

۳۔ سورۃ النساء: ۴/ ۱۲

۴۔ اسلامی قانون وراثت (سوالاً جواباً)، ص:۲۹؛ مزید دیکھیے: اسلام کا قانونِ وراثت، صلاح الدین حیدر لکھوی، ص:۴۴

۵۔ صحیح بخاری، کتاب العتق، باب ما یجوز من شروط المکاتب ومن اشترط ...، حدیث:۲۴۲۳، ص:۲/ ۹۰۴

باپ یا دیگر رشتے داروں کے چھوڑے ہوئے مال میں وارث بنایا تاکہ فطری طور پر مال و دولت کا حریص انسان ظلم و زیادتی فتنہ و ناانصافی کی دلدل میں گرنے سے محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں احکامِ وراثت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا﴾[۱]

ترجمہ: مردوں کے لیے ایک حصہ ہے اس ترکے میں سے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے اور عورتوں کے لیے ایک حصہ ہے، اس ترکے میں سے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے۔ ترکہ کم ہو یا زیادہ، اس میں ایک مقررہ حصہ ہے۔

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے واضح فرما دیا ہے کہ:

۱. ترکے میں مرد بھی وارث ہوں گے اور خواتین کو بھی وراثت ملے گی اور خواتین کو یعنی بیٹی، بہن، بیوی اور ماں کو وراثت سے محروم رکھنا جائز نہیں۔
۲. وراثت کی وجہ ولدیت اور رشتہ داری ہے۔
۳. ترکہ کم ہو یا زیادہ اس کو مستحقین میں تقسیم کرنا لازمی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نا صرف مردوں کو بلکہ خواتین کو بھی وراثت کا حقدار قرار دیا اور دورِ جاہلیت کے فرسودہ نظام کی بیخ کنی کر دی اور عورت کو شرف و منزلت سے نوازا۔ ورثاء کے حصوں کی تقسیم میں عورت کے حصے کو ہی بنیادی اکائی بنایا جس کو پیشِ نظر رکھ کر ہی ورثاء کے حصوں کا تعین کیا جائے گا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی وضاحت فرما دی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں اور ان میں کمی بیشی قطعاً جائز نہیں۔ ورثاء کے حصوں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾[۲]

ترجمہ: اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ اگر صرف بیٹیاں ہوں تو ان کے لئے ترکے کا دو تہائی ہے اور اگر ایک ہی بیٹی ہو تو اس کو ترکے کا آدھا ملے گا۔ اگر میت کی اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر میت کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوں تو ماں کو ایک تہائی

۱۔ سورۃ النساء: ۴/۷

۲۔ سورۃ النساء: ۴/۱۱

ملے گا۔ اگر میت کے بھائی بہن ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا وصیت کو نافذ کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد تم نہیں جانتے کہ تمہاری اولاد اور تمہارے ماں باپ میں سے کون تمہارے لیے زیادہ فائدہ مند ہے، اللہ کی طرف سے مقررہ حصہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور خوب حکمت والا ہے۔

﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾[۱]

ترجمہ: اور تمہارے لیے تمہاری بیویوں کے ترکے میں سے آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو اور اگر ان کی اولاد ہو تو وصیت کے نافذ کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد تمہارے لیے ان کے ترکے میں سے چوتھا حصہ ہے اور ان کے لیے تمہارے ترکے میں سے چوتھا حصہ ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔ اگر تمہاری اولاد ہو تو وصیت کے نافذ کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد انہیں تمہارے ترکے میں سے آٹھواں حصہ ملے گا۔

ورثاء کے حصوں کو بیان کرنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں پر واضح فرماتا ہے کہ وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ لہذا ورثاء کے حصوں میں کمی یا اضافہ کرنے کا کسی کو اختیار نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾[۲]

ترجمہ: والدین اور رشتہ داروں نے جو ترکہ چھوڑا ہے ان میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے وارث مقرر کیا ہے اور جن سے تمہارے معاہدے ہو چکے ہیں تو تم ان کو ان کا حصہ دے دو۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

شرعی ورثاء

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا وارث ہونا قرآن وحدیث یا اجماع سے ثابت ہو۔[۳]

یعنی وارث وہ شخص ہوتا ہے جس کا ترکے میں شرعاً حق ثابت ہو اور اس کی جمع ورثاء ہے۔

ورثاء کی اقسام

ورثاء کی درج ذیل تین اقسام ہیں۔

۱۔ سورۃ النساء: ۴/ ۱۲

۲۔ سورۃ النساء: ۴/ ۳۳

۳۔ آسان اصول میراث، مرتب: مولانا محمد غیاث الدین حسامی، مدرسہ اسلامیہ منہاج العلوم، حیدرآباد، طبع: ثانی، ۲۰۱۶ء، ص: ۱۱

ا۔اصحاب الفروض

فروض، فرض کی جمع ہے اور لغت میں فرض سے مراد کاٹنا لیا جاتا ہے کیونکہ ورثاء کو میت کے ترکے سے کچھ حصہ کاٹ کر دیا جاتا ہے اس لیے انہیں اصحاب الفروض کہا جاتا ہے۔اصطلاحاً اصحاب الفروض سے مراد وہ وارث ہیں جن کو قرآن پاک، احادیث مبارکہ یا صحابہ کے اجماع سے میت کے ترکے میں سے کچھ مقرر حصہ دیا گیا ہو۔[1]

ان ورثاء کی تعداد (۱۲) ہے۔ جن میں سے چار مرد ہیں اور آٹھ خواتین ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے لیے چھ حصے بیان کیے گئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

نمبر شمار	عربی	اردو	ریاضی
۱	النصف	آدھا	۱/۲
۲	الربع	چوتھائی	۱/۴
۳	الثمن	آٹھواں	۱/۸
۴	الثلثان	دو تہائی	۲/۳
۵	الثلث	تہائی	۱/۳
۶	السدس	چھٹا	۱/۶

[2]

اصحاب الفروض میں درج ذیل چار مرد شامل ہیں۔

۱. باپ

۲. دادا

۳. شوہر

۴. اخیافی بھائی [3]

اصحاب الفروض میں شامل آٹھ خواتین یہ ہیں۔

۱. بیٹی

۱۔ اسلام کا قانون وراثت، صلاح الدین حیدر لکھوی، ص:۵۰

۲۔ اسلامی قانون وراثت (سوالاً جواباً)، ص:۳۶

۳۔ اخیافی سے مراد: اس سے مراد وہ بہن بھائی ہیں جن کی ماں ایک ہو اور باپ الگ الگ ہوں۔ ان کے لیے عام بول چال میں ماں جایا، ماں شریک یا سوتیلے بھائی، بہن (uterine brother and uterine sister) کے الفاظ مستعمل ہیں۔

۲. پوتی

۳. بیوی

۴. ماں

۵. جدہ صحیحہ (دادی، نانی)

۶. عینی بہن (سگی بہن)[۱]

۷. علاتی بہن[۲]

۸. اخیافی بہن (ماں ایک اور باپ مختلف)[۳]

۲۔ عصبہ

عصبہ، عاصب کی جمع ہے۔ لغت میں اس کا معنی، ایک جماعت (گروہ) باندھنا اور تقویت دینے کے آتے ہیں۔[۴] یعنی یہ وہ رشتہ دار ہوتے ہیں جن سے قوت حاصل ہوتی ہے اور جو مشکلات میں کام آتے ہیں۔ اصطلاح میں ان سے مراد وہ وارث ہوتے ہیں جن کا کوئی مقرر شدہ حصہ نہیں ہوتا بلکہ اصحاب الفروض کے بعد جو بچ جائے وہ انہیں ملتا ہے۔ اگر عصبہ اکیلا ہی وارث ہو تو وہ سارا ترکہ لے جائے گا لیکن اگر اس کے ہمراہ کوئی وارث اصحاب الفروض میں سے ہے تو صاحب فرض کو اس کا حصہ دینے کے بعد جو ترکہ بچے گا وہ عصبہ لے گا اور اگر کوئی حصہ باقی نہ بچا تو اسے کچھ نہیں ملے گا۔[۵]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

((أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَائِضُ فَلأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ))[۶]

ترجمہ: پہلے میراث ان کے وارثوں تک پہنچا دو اور جو باقی رہ جائے وہ اس کو ملے گا جو مرد میت کا بہت نزدیکی رشتہ دار ہو۔

۱۔ عینی سے مراد: اس سے مراد وہ بہن بھائی ہیں جن کے ماں باپ ایک ہی ہوں۔ ان کے لیے شقیق کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ روز مرہ بول چال میں انہیں سگے یا حقیقی بہن بھائی کہا جاتا ہے۔

۲۔ علاتی سے مراد: اس سے مراد وہ بھائی بہن ہیں جن کا باپ ایک ہی ہو اور مائیں الگ الگ ہوں۔ عوام الناس میں ان کے لیے سوتیلا بھائی اور سوتیلی بہن (step brother and step sister) جیسے الفاظ مشہور ہیں۔

۳۔ علم المیراث، صفی احمد مدنی، مکتبہ ترجمان، دہلی، بھارت، ۲۰۱۶ء ص:۲۰؛ مزید دیکھیے: تسہیل المواریث، پروفیسر سعید کلیروی، عطاء اللہ ساجد، عبد القہار محسن، دار الخلود، کامونکی، ضلع گوجرانوالہ، طبع: اول، ۲۰۱۶ء، ص:۲۶

۴۔ اسلام کا قانونِ وراثت، صلاح الدین حیدر لکھوی، ص:۵۱

۵۔ ایضاً

۶۔ صحیح بخاری، كتاب الفرائض، باب ابني عم أحدهما أخ للأم والآخر زوج، حدیث:۶۳۶۵، ص:۶/۲۴۸۰

عصبہ کی وراثت کے سلسلے میں دو قاعدے ہیں۔

۱. **الاقرب فالاقرب:** اس سے مراد یہ ہے کہ میت کا قریبی رشتہ دار دور والے کو محروم کردے گا۔یعنی باپ دادا کو محروم کردے گا، بیٹا پوتے کو محروم کردے گا، بیٹا بھائی کو محروم کردے گا اور بھائی چچا کو محروم کردے گا، نرینہ اولاد اور باپ کی موجودگی میں ہر قسم کے بھائی بہن محروم ہو جائیں گے۔[1]

۲. **قوۃ القرابۃ:** مراد یہ کہ مضبوط رشتے والا کمزور رشتے والے کو محروم کردے گا یعنی حقیقی بھائی، علاتی بھائی کو محروم کردے گا، حقیقی چچا، علاتی چچا کو محروم کردے گا۔[2]

عصبہ کی اقسام

عصبہ کی دو اقسام ہیں۔

۱. عصبہ نسبی

۲. عصبہ سببی

۱. **عصبہ نسبی:** اس سے مراد وہ عصبہ ہے جس کا میت سے ولادت کا تعلق ہو۔[3]

اس کی تین اقسام ہیں۔

- عصبہ بنفسہ
- عصبہ بالغیر
- عصبہ مع الغیر

۱. **عصبہ بنفسہ:** ایسا وارث جو میت کا قریبی مذکر رشتہ دار ہو، اس کے اور میت کے درمیان کسی عورت کا واسطہ نہ ہو۔[4]

ان میں بیٹا، باپ، دادا، پوتا، بھائی اور بھائی کی نرینہ اولاد اور چچا اور چچا کی نرینہ اولاد شامل، ہیں۔

۲. **عصبہ بالغیر:** اس سے مراد وہ خواتین ہیں جو اپنے بھائیوں کی وجہ سے عصبہ ہوتی ہیں جن کا تنہا ہونے کی صورت میں ترکے میں سے فرض حصہ نصف(۱/۲)اور ایک سے زائد ہونے کی صورت میں ثلثان(۲/۳)ہوتا ہے لیکن یہ اپنے بھائیوں کی موجودگی میں بطور عصبہ بالغیر وارث بنتی ہیں۔یہ چار خواتین ہیں۔

۱۔ علم المیراث، صفی احمد مدنی، ص:۳۰۔۳۱

۲۔ ایضاً

۳۔ آسان اصول میراث، ص:۲۰

۴۔ ایضاً، ص:۲۱؛ مزید دیکھیے؛ اسلام کا قانون وراثت، صلاح الدین حیدر لکھوی، ص:۵۱

- بیٹی
- پوتی
- عینی بہن
- علاتی بہن [۱]

۳. **عصبہ مع الغیر:** یہ وہ عورتیں ہیں جو فروعِ میت (بیٹی، پوتی) کی وجہ سے عصبہ ہوتی ہیں۔ یہ صرف دو عورتیں ہیں۔

- حقیقی بہن
- علاتی بہن [۲]

انہیں مجازاً عصبہ کہا گیا ہے۔ اگر بیٹی یا پوتی کے مقررہ حصہ لینے کے بعد کچھ بچ جائے تو انہیں ملے گا اور اگر کچھ نہ بچے تو انہیں کچھ نہیں ملے گا۔ [۳]

۲. **عصبہ سببی:** اس سے مراد وہ عصبہ ہے جس سے میت کا عتاق (آزادی) کا تعلق ہو یعنی غلام اور لونڈی کے آزاد کرنے والے اور اس کے آزاد کردہ لونڈی و غلام کے درمیان جو تعلق ہوتا ہے اس کو عصبہ سببیہ کہا جاتا ہے۔ مثلا غلام آزاد ہو کر مر گیا۔ اس کا نسبی وارث کوئی نہیں تو ایسی صورت میں آزاد کنندہ چاہے مرد ہو یا عورت، بصورت عصبہ اس کا وارث ہو گا۔ [۴]

۳۔ ذوی الارحام

اس سے مراد ماں کی طرف کے رشتہ دار ہیں۔ یہ وہ نسبی رشتہ دار ہوتے ہیں جو نہ ذی فرض ہوتے ہیں اور نہ عصبہ۔ جیسے ماموں، نانا، خالہ وغیرہ۔ اگر اصحاب الفروض اور عصبہ نہ ہوں تو ترکہ ذوی الارحام کو دے دیا جائے گا۔ بصورتِ دیگر انہیں کچھ نہیں ملتا کیونکہ ان کے لیے کوئی مخصوص حصہ مقرر نہیں اور یہ اصحاب الفروض یا عصبہ کی عدم موجودگی میں وارث بنتے ہیں۔ [۵]

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱۔ آسان اصول میراث، ص:۲۱

۲۔ ایضاً

۳۔ علم المیراث، صفی احمد مدنی، ص:۳۰

۴۔ آزادی کے لیے غلام ہونا لازم ہے اور آجکل غلاموں کا رواج نہیں۔ اس لیے یہ عصبہ دور حاضر میں نہیں پائے جاتے۔ (آسان اصول میراث، ص:۲۱)

۵۔ تعلیم المیراث، ابن داؤد عبد الواحد حنفی عطاری، مکتبۃ المدینہ عالمی مدنی مرکز فیضان مدینہ، باب المدینہ کراچی، ص:۴۳

﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (۱)

ترجمہ: اور رشتہ دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

((الخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ)) (۲)

ترجمہ: اور ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں۔

اگر مذکورہ بالا تینوں ورثاء نہ ہوں تو حاکم میت کے دیگر رشتہ داروں اور دوست واحباب میں ترکہ تقسیم کر سکتا ہے یا بیت المال میں داخل کر کے عام مسلمانوں پر خرچ کرے گا۔ (۳)

ترکہ کی تقسیم کے وقت مسکین، یتیم اور ضرورت مند آجائیں اور ترکہ خوب ہو تو کچھ ترکہ ان میں تقسیم کرنا چاہیے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ (۴)

ترجمہ: اور تقسیم ترکہ کے وقت رشتہ دار، یتیم اور مسکین آجائیں تو اس میں سے کچھ ان کو دے دو اور ان سے بھلی بات کہو۔

ورثاء اور ان کی تعداد

جو مرد وارث بنتے ہیں ان کی تعداد پندرہ (۱۵) ہے اور وہ یہ ہیں۔

۱. بیٹا	۲. پوتا	۳. باپ
۴. دادا	۵. عینی بھائی	۶. علاتی بھائی
۷. اخیافی بھائی	۸. عینی بھائی کا بیٹا (بھتیجا)	۹. علاتی بھائی کا بیٹا
۱۰. چچا	۱۱. علاتی چچا	۱۲. حقیقی چچا کا بیٹا
۱۳. علاتی چچا کا بیٹا	۱۴. خاوند	۱۵. آقا جس نے اپنے غلام کو آزاد کیا ہو

یہاں یہ امر قابلِ غور ہے کہ اگر کوئی عورت وفات پاگئی اور اس نے مذکورہ بالا پندرہ مرد وارث زندہ چھوڑے تو

۱۔ سورۃ الانفال: ۸/ ۷۵

۲۔ سنن ابی داوٗد، أَبْوَابُ الْفَرَائِضِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الخَالِ، حدیث: ۲۱۰۴، ص: ۴/ ۴۲۲

۳۔ علم المیراث، صفی احمد مدنی، ص: ۲۱

۴۔ سورۃ النساء: ۴/ ۸

ان میں سے صرف تین مرد (بیٹا، باپ اور شوہر) وارث ہوں گے اور باقی ماندہ بارہ افراد محروم ہوں گے۔ (۱)

جو خواتین وارث بنتی ہیں ان کی تعداد دس (۱۰) ہے اور وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ بیٹی	۲۔ پوتی
۳۔ ماں	۴۔ نانی
۵۔ دادی	۶۔ عینی بہن
۷۔ علاتی بہن	۸۔ اخیافی بہن
۹۔ بیوی	۱۰۔ المعتقۃ (وہ عورت جس نے اپنے غلام کو آزاد کیا ہو)

اگر کوئی آدمی فوت ہو گیا اور اس نے مذکورہ دس عورتوں کو اپنے پیچھے زندہ چھوڑا تو ان میں سے صرف پانچ خواتین (بیٹی، پوتی، ماں، عینی بہن اور بیوی) وارث بنیں گی اور باقی سب وراثت سے محروم ہوں گی۔ (۲)

ورثاء کی عدم محرومیت

چھ رشتے دار ایسے ہیں جو کبھی میراث سے محروم نہیں ہوتے۔ انہیں کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے۔

۱. باپ
۲. ماں
۳. بیٹا
۴. بیٹی
۵. شوہر
۶. بیوی

ان کے علاوہ دوسرے ورثاء جیسے بھائی، بہن، دادی وغیرہ کبھی وارث بنتے ہیں اور کبھی محروم ہو جاتے ہیں۔ (۳)

الغرض قانون وراثت ، انسانیت کے تحفظ کا قانون ہے جو خاندان میں عزیزواقارب کے درمیان صلہ رحمی اور ہمدردی و محبت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور باہمی عداوت و نفرت کی بیخ کنی کرتا ہے۔ اللہ رب العزت نے احکام وراثت کو اس اصول پر استوار کیا کہ میت کا ترکہ ان لوگوں میں تقسیم ہو جو اپنی قرابت داری کے اعتبار سے مرحوم کی جائیداد کے زیادہ حقدار ہیں لہذا کسی کو بھی میت کے چھوڑے ہوئے مال کو "مال مفت دل بے رحم" کے مصداق استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں۔

۱۔ اسلام کا قانون وراثت، صلاح الدین حیدر لکھوی، ص:۴۸

۲۔ ایضاً

۳۔ علم المیراث، صفی احمد مدنی، ص:۳۰

یہودیت میں ورثاء کی اقسام

یہودیت ایک نسلی دین ہے جس میں وراثت خاندان کی متصور کی جاتی ہے اور پشت در پشت خاندان میں ہی منتقل ہوتی رہتی ہے اور کسی صورت خاندان سے باہر نہیں جاسکتی۔ یہودیت میں ورثاء کی درج ذیل اقسام ہیں۔

۱. پہلوٹھا بیٹا جائیداد کا وارث ہوتا ہے اور اس کو پہلوٹھا ہونے کی وجہ سے دو حصے دیئے جاتے ہیں۔[1]

"If a man has two wives,and he loves one but not the other,and both bear him sons but the firstborn is the son of the wife he does not love,when he wills his property to his sons,he must not give the rights of the firstborn to the son of the wife he loves in preference to his actual firstborn,the son of the wife he does not love.He must acknowledge the son of his unloved wife as the firstborn by giving his a double share of all he has.That son is the first sign of his father's strength.The right of the firstborn belongs to him."[2]

ترجمہ: اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں، ایک محبوبہ اور دوسری غیر محبوبہ ہو۔ اور محبوبہ اور غیر محبوبہ دونوں سے لڑکے ہوں اور پہلوٹھا بیٹا غیر محبوبہ سے ہو۔ تو جب وہ اپنے بیٹوں کو اپنے مال کا وارث کرے تو وہ محبوبہ کے بیٹے کو غیر محبوبہ کے بیٹے پر جو فی الحقیقت پہلوٹھا ہے فوقیت دے کر پہلوٹھا نہ ٹھہرائے۔ بلکہ وہ غیر محبوبہ کے بیٹے کو اپنے سب مال کا دونا حصہ دے کر اسے پہلوٹھا مانے کیونکہ وہ اس کی قوت کی ابتداء ہے اور پہلوٹھے کا حق اسی کا ہے۔

۲. بیٹا نہ ہونے کی صورت میں بیٹی کو میراث دی جاتی ہے ۔[۳]

کتاب مقدس میں مذکور ہے:

"اسرائیل کے لوگوں کے لیے اسے اصول بنادو اگر کسی آدمی کا بیٹا نہ ہو اور وہ مر جائے تو ہر ایک چیز جو اس کی ہے اس کی بیٹی کی ہوگی۔ "[۴]

۳. اگر میت کی اولاد نہ ہو تو اس کی تمام جائیداد اس کے بھائیوں کو دی جاتی ہے۔

---

1 ۔ https://www.studylight.org/dictionaries/hbd/i/inheritance.html,Date:29-02-2020

2 ۔ Deuteronomy, 21:15-17

3 ۔ https://www.sefaria.org/Mishnah Bava Batra 8:2,Date:5-03-2020

۴۔ بائبل مقدس، عہد نامہ قدیم، گنتی، ۲۷ : ۷۔۸

۴. اگر میت کے بھائی بھی نہ ہوں تو میت کے والد کے بھائی (میت کے چچا) وارث بنتے ہیں۔

۵. اگر میت کے چچا بھی نہ ہوں تو خاندان کے قریبی رشتہ داروں کو ترکہ دے دیا جاتا ہے۔

اس حوالے سے کتاب مقدس میں یہ قوانین بیان کیے گئے ہیں۔

"اگر اس کی کوئی بیٹی نہ ہو تو جو کچھ بھی اس کا ہے اس کے بھائیوں کو دیا جائے گا۔ اگر اس کا کوئی بھائی نہ ہو تو جو کچھ اس کا ہے اس کے باپ کے بھائیوں کو دیا جائے گا۔ اگر اس کے باپ کا کوئی بھائی نہ ہو تو جو کچھ اس کا ہے اس کو اس کے خاندان کے قریبی رشتہ داروں کو دیا جائے گا۔ اسرائیل کے لوگوں میں یہ اصول ہونا چاہیے۔ خداوند موسیٰ کو یہ حکم دیتا ہے۔"[1]

چنانچہ اہل یہود کے نزدیک میراث کی تقسیم چار اقسام پر مشتمل ہے۔

۱. بنوت (فروع / جزء میت)

۲. ابوت (اصول / اصل میت)

۳. اخوت (میت کے بھائی)

۴. عمومیت (میت کے چچا وغیرہ)

۱۔ بنوت (فروع / جزء میت)

اہلِ یہود کے نزدیک میت کا سب سے پہلا وارث اس کا بیٹا ہوتا ہے۔ اگر بیٹا نہ ہو تو پوتا میراث کا اہل ہوتا ہے اور اگر بیٹا بھی نہ ہو تو بیٹی میراث کی حقدار ہوتی ہے۔

۲۔ ابوت (اصل میت)

اگر میت کے بیٹے یا پوتے نہ ہوں تو اس کا وارث اس کے اصل میں سے ہوگا یعنی باپ وہ سب ترکہ لے گا۔

۳۔ اخوت (بھائیوں کی میراث)

اگر میت کے اصول نہ ہوں تو میت کے بھائی اس کے ترکے کے وارث بنتے ہیں اور تمام جائیداد ان کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔

۴۔ عمومیت (چچا کا ترکہ)

اگر میت کا کوئی بھائی نہ ہو تو میراث چچا کی طرف منتقل ہو جائے گی۔[2]

۱۔ بائبل مقدس، عہد نامہ قدیم، گنتی ۲۷: ۹-۱۱

۲۔ خواتین کا حقِ میراث ایک تجزیاتی مطالعہ، کتبِ ساویہ کی روشنی میں، الثقافۃ الاسلامیۃ، شمارہ نمبر ۳۹، ۲۰۱۸ء، ص: ۸۵، ۸۳

اسلام ویہودیت میں ورثاء کی اقسام کا تقابل

اسلام ویہودیت میں ورثاء کی اقسام کا موازنہ کرنے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اسلامی قانون وراثت میں میت کے قریبی رشتہ دار جن کا اس سے نسبی تعلق (ماں باپ، بیٹا بیٹی، بہن بھائی، دادا دادی) ہے خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث، اگر اس کی موت کے وقت حیات ہوں گے تو انہیں متوفی کی جائیداد میں سے مقررہ حصہ بطور وراثت ملے گا۔ اسی طرح جس کا میت سے زوجیت کا تعلق ہوتا ہے اسے بھی میت کے ترکے میں سے اس کا متعین حصہ دیا جاتا ہے اور میاں بیوی دونوں ہی ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ اسلام کے قانون میراث کی روسے جس غلام کا نسبی وارث نہ ہو تو اس کی موت کی صورت میں اس کا آقا اپنے آزاد کردہ غلام کا وارث ہوتا ہے۔ جبکہ یہودی قانون وراثت میں میت کا پہلوٹھا بیٹا اس کا وارث ہوتا ہے البتہ بیٹا نہ ہونے کی صورت میں بیٹی وارث بنتی ہے۔ اگر میت کی اولاد (بیٹا بیٹی) نہ ہوں تو میت کے بھائی اس کے وارث ہوتے ہیں اور بھائی نہ ہونے کی صورت میں میت کے چچا اس کے تمام ترکے کے وارث ہوتے ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں خاندان کے دیگر مذکر رشتہ دار اس کے وارث ہوتے ہیں۔

اسلامی قانون وراثت میں مردوخواتین دونوں ہی میت کی میراث میں اپنے مقررہ حصے کے حقدار ہوتے ہیں اور نسبی قرابت کے علاوہ زوجیت اور ولاء کی صورت میں بھی میت کے وارث بنتے ہیں جبکہ یہودی قانون وراثت میں بیٹا نہ ہونے کی صورت میں میت کی بیٹی میراث کی حقدار دکھائی دیتی ہے لیکن اگر بیٹا ہو تو وہ وارث نہیں بنتی۔ بیٹی کے علاوہ میت کی کوئی مؤنث رشتہ دار خواہ وہ اس کی ماں ہو یا بیوی، وارث نہیں بنتی۔ یہود کے قانون وراثت میں لڑکوں کو لڑکیوں پر ہر صورت میں برتری دی گئی ہے کہ ذکور کی موجودگی اناث کو میراث سے محروم کر دیتی ہے۔

فصل سوم

وراثت کی شرائط اور حکمتیں

علم المیراث اسلامی علوم کا ایک اہم ترین موضوع ہے اور دوسرے علوم کی طرح اس کی بھی چند شرائط ہیں جو اللہ تعالیٰ نے احکام وراثت کو واضح کرتے ہوئے بیان کر دی ہیں اور ہر وارث کو اس کا حق دیا ہے چاہے وہ مرد ہے یا عورت، بچہ ہے یا بوڑھا، طاقتور ہے یا کمزور حتیٰ کہ ماں کے پیٹ میں موجود حمل کی وراثت کو بھی مدِ نظر رکھا ہے اور وراثت کی شرائط اور قوانین وضع فرمادیئے ہیں تا کہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو احسن طریقے سے پورا کیا جاسکے اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

اسلام میں وراثت کی شرائط

وراثت کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

۱. مورث (میت) کی موت کا حقیقی طور پر واقع ہونا یا حکمی طور پر۔ حقیقی موت سے مراد یہ ہے کہ لوگوں نے خود اپنے ہاتھوں سے میت کو دفنایا ہو جبکہ حکمی موت سے مراد وہ موت ہے جو قاضی کی طرف سے موت کا حکم صادر کرنے سے ہوتی ہے۔ جیسے مفقود (گمشدہ) شخص کہ جب قاضی اس کی موت کا فیصلہ صادر کر دے تو پھر اس شخص کو مردہ تصور کیا جائے گا اور اس کی جائیداد اس کے وارثوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ (۱)

۲. مورث (میت) کی موت کے وقت وارث کا زندہ ہونا اگرچہ چند منٹ کے لیے ہی زندہ رہا ہو۔ خواہ یہ زندگی حقیقی طور پر ہو یا حکمی طور پر۔ اس کی مثال حمل ہے کہ اسے اس کی پیدائش تک زندہ ہی تصور کیا جائے گا اور اسے بھی اسلام نے میت کا وارث قرار دیا ہے۔ اگر وارث کے زندہ ہونے کا علم نہ ہو تو وہ وارث نہیں بنتا۔ (۲)

۳. وارث بننے کے لیے سبب کا پایا جانا ضروری ہے جس کی وجہ سے وہ وارث بن رہا ہے یعنی نسب (خونی رشتہ و قرابت)، نکاح یا ولاء (آقا و غلام کے مابین قرابت کا رشتہ) میں سے کسی ایک کا پایا جانا ضروری ہے۔ (۳)

۴. طلاق کے بعد نہ بیوی سابقہ شوہر کی وارث رہتی ہے اور نہ ہی شوہر سابقہ بیوی کا وارث ہوتا ہے۔ البتہ بچے باپ اور ماں دونوں کے وارث ہوتے ہیں۔ طلاقِ رجعی کی عدت کے زمانے میں عورت کے وراثت میں حقدار ہونے کی نسبت ائمۂ اربعہ میں اتفاق ہے۔ (۴)

۱۔ اسلام کا قانون وراثت، صلاح الدین حیدر لکھوی، ص:۴۴۔۴۵

۲۔ ایضاً، ص:۴۵

۳۔ ایضاً

۴۔ المبسوط، مولانا احمد اللہ (احمد جنگ)، ناشر: معہد حسن البنا شہید، بھٹکل، کرناٹک، بھارت، ص:۲/۳۲۹

فقہاء اورائمۂ اربعہ کے نزدیک اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی (پہلی یا دوسری) دی اور عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہو گیا تو وہ بیوی اس کی وارث ہو گی کیونکہ طلاقِ رجعی کے سبب نکاح باقی تھا، اس لیے زوجین پر نکاح کے احکام مرتب ہوں گے۔[۱]

اس کے برعکس اگر عدت ختم ہونے کے بعد شوہر کا انتقال ہوا تو وہ عورت وارث نہیں بنے گی۔ اور اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق بائن (تیسری طلاق) دی اور شوہر صحیح وسالم اور تندرست تھا پھر وہ فوت ہو گیا ایسی صورت میں بیوی وارث نہیں ہو گی چاہے اس کی عدت ختم ہو یا نہ ہو۔

اگر شوہر مرض الموت میں مبتلا ہو اور اسی حالت میں اس نے اپنی بیوی کو طلاقِ بائن دے دی اور اس سے مقصود شوہر کا اسے وراثت سے محروم کرنا ہو تو اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔[۲]

"وَأَمَّا الْمَرِيضُ الَّذِي يُطَلِّقُ طَلَاقًا بَائِنًا وَيَمُوتُ مِنْ مَرَضِهِ، فَإِنَّ مَالِكًا وَجَمَاعَةً يَقُولُ: تَرِثُهُ زَوْجَتُهُ. وَالشَّافِعِيُّ وَجَمَاعَةٌ لَا يُوَرِّثُهَا، وَالَّذِينَ قَالُوا بِتَوْرِيثِهَا انْقَسَمُوا ثَلَاثَ فِرَقٍ: فَفِرْقَةٌ قَالَتْ: لَهَا الْمِيرَاثُ مَا دَامَتْ فِي الْعِدَّةِ، وَمِمَّنْ قَالَ بِذَلِكَ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَصْحَابُهُ وَالثَّوْرِيُّ. وَقَالَ قَوْمٌ: لَهَا الْمِيرَاثُ مَا لَمْ تَتَزَوَّجْ، وَمِمَّنْ قَالَ بِهَذَا أَحْمَدُ، وَابْنُ أَبِي لَيْلَى، وَقَالَ قَوْمٌ: بَلْ تَرِثُ كَانَتْ فِي الْعِدَّةِ أَوْ لَمْ تَكُنْ، تَزَوَّجَتْ أَمْ لَمْ تَتَزَوَّجْ، وَهُوَ مَذْهَبُ مَالِكٍ، وَاللَّيْثِ." [۳]

ترجمہ: اگر خاوند نے مرض الموت میں بیوی کو طلاق بائن دی اور وہ اسی مرض میں مر گیا تو امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اس کی بیوی کو میراث ملے گی، جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک اسے میراث نہیں ملے گی۔ اور جو لوگ اس کی وراثت کے قائل ہیں انہیں تین فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پس ایک جماعت کہتی ہے کہ جب تک وہ عدت میں ہو گی اسے میراث ملے گی، اور یہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور ثوریؒ کا قول ہے۔ امام احمدؒ اور ابن ابی لیلی کہتے ہیں اسے میراث ملے گی جبکہ وہ دوسری شادی نہ کرے۔ امام مالکؒ اور لیث کے نزدیک اسے ہر حال میں میراث ملے گی خواہ عدت میں ہو یا نہ ہو، چاہے (دوسری) شادی کرے یا نہ کرے۔

یعنی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شوہر اگر عورت کی عدت کے دوران فوت ہوا ہے تو وہ وارث ہو گی لیکن اگر عدت ختم ہونے کے بعد فوت ہوا تو عورت وارث نہیں ہو گی اور اگر عورت کے طلب کرنے پر اس نے طلاق دی یا خلع لیا ہو تو وہ مطلقاً وارث نہیں ہو گی۔ جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک وہ عورت مطلقاً وارث نہیں ہو گی کیونکہ طلاق بائن واقع ہوئی ہے. اس

۱۔ فتح القدیر، کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی المعروف بابن الھمام، دار الفکر، بیروت، لبنان، ص: ۱۴۵/۴

۲۔ المبسوط، امام السرخسی، ابو بکر محمد بن احمد، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، الطبعہ الأولی، ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۳ء، ص: ۱۵۴/۶۔۱۵۵

۳۔ بدایہ المجتہد ونہایہ المقتصد، أبو الولید محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد القرطبی، دار الحدیث، القاہرۃ، ۱۴۲۵ھ، ص: ۱۰۲/۳

کے برعکس امام احمدؒ کے نزدیک وہ عورت ہر حال میں وارث ہو گی لیکن اگر اس نے عدت ختم ہونے کے بعد کسی دوسرے مرد سے شادی کرلی تو وہ وارث نہیں ہو گی جبکہ امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ وہ ہر حالت میں وارث ہو گی چاہے اس نے عدت ختم ہونے کے بعد شادی کی ہے یا نہیں۔ (۱)

ان کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی تماضر کو بیماری کی حالت میں طلاق بائن دی پھر وہ اسی بیماری کی حالت میں وفات پا گئے تو امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تماضر کو ان کے ترکے میں سے وراثت دی تھی اور یہی رائے راجح ہے۔

"وَإِنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ تُمَاضِرَ آخِرَ التَّطْلِيقَاتِ الثَّلَاثِ فِي مَرَضِهِ فَوَرَّثَهَا عُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْه" (۲)

۵. بچوں کا سوتیلے باپ یا سوتیلی ماں کی وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح باپ، ماں سوتیلے بیٹے یا بیٹی کے وارث نہیں ہوتے۔ لیکن سوتیلے بہن بھائی وارث ہو سکتے ہیں۔ (۳)

۶. منہ بولے بیٹے (لے پالک) کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

مولانا شوکت علی قاسمی رقمطراز ہیں:

"بعض لاولد لوگ یا ویسے بھی رحمدلی کے طور پر کسی کو اپنا بیٹا بنا لیتے ہیں یا کسی لڑکی کو اپنی بیٹی بنا لیتے ہیں اسے متبنّٰی کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اخلاقی طور پر ان کا یہ طرزِ عمل پسندیدہ ہے مگر اس سے شرعی احکام میں ردوبدل واقع نہیں ہو سکتا، اس لیے متبنّٰی اس نسبت کے لحاظ سے وارث نہ ہو سکے گا" (۴)

۷. ناجائز اولاد کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا جبکہ کنیز سے ہونے والی اولاد جائز اور وارث ہوتی ہے۔

۸. غلام (۵) کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا کیونکہ غلام خود اور جو کچھ وہ کماتا ہے وہ اس کے آقا کا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے غلام نہ میراث لیتا ہے اور نہ اس کا مال میراث ہوتا ہے۔ البتہ وہ غلام جس کا کچھ حصہ آزاد ہو وہ اپنے آزاد شدہ حصے کے مطابق وارث ہو گا۔ (۶)

۱۔ المبسوط، مولانا احمد اللہ (احمد جنگ)، ص:۲/ ۳۳۰

۲۔ المبسوط، امام السرخسی، ص:۶/ ۱۵۵

۳۔ اسلام کا قانونِ وراثت، مولانا شوکت علی قاسمی، ناشر: ادارہ فرقان، صوابی، ص:۳۲

۴۔ ایضاً، ص:۳۱

۵۔ غلام: اس سے مراد دوران جنگ گرفتار ہونے والے غیر مسلم لوگ ہیں۔ عہد حاضر کے ملازم یا خادم اس زمرے میں نہیں آئیں گے بلکہ ان کے احکام عام آزاد مسلمانوں جیسے ہوں گے۔ (اسلامی قانون وراثت، ص:۳۰)

۶۔ اسلامی قانون وراثت (سوالاً جواباً)، ص:۳۰

جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا أَصَابَ الْمُكَاتَبُ حَدًّا أَوْ وَرِثَ مِيرَاثًا يَرِثُ عَلَى قَدْرِ مَا عَتَقَ مِنْهُ))[۱]

ترجمہ: جب مکاتب غلام، حد یا میراث کو پہنچے تو وہ آزاد حصے کے مطابق وارث بنایا جائے گا۔

۹. بیٹے کی موجودگی میں اس کے بچوں (پوتے، پوتی) کو حصہ نہیں ملتا اور بیٹی کی موجودگی میں اس کے بچوں (نواسے، نواسی) کو حصہ نہیں ملتا۔

۱۰. بہو اپنی ساس اور سسر کے مال کی وارث نہیں ہوتی۔ چچا اور بھتیجا تو آپس میں وارث ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح ماموں اپنے بھانجے کا اور بھانجا اپنے ماموں کا وارث ہو سکتا ہے مگر چچی اور ممانی کا وارث نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ وارث ہو سکتی ہیں۔[۲]

۱۱. کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلاَ يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ))[۳]

ترجمہ: مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے۔

اس میں بعض لوگوں کی رائے کا اختلاف بھی نقل ہوا ہے۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی رائے ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا لیکن مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے، لیکن جمہور علماء امت کی رائے یہ ہے کہ مندرجہ بالا حدیثِ مشہور کی رو سے مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا اور کفار کے جتنے بھی فرقے ہیں وہ سب چونکہ ایک ہی ملت ہیں لہذا وہ چاہے یہودی ہو یا نصرانی یا مشرک، ان میں سے کوئی بھی بالاتفاق مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا اور قانونِ میراث اللہ کا مسلمانوں پر عظیم احسان ہے اس لیے اس سے صرف وہی استفادہ کر سکتے ہیں جو اسلام کے قلعے میں داخل ہوں۔[۴]

یہاں قابلِ ذکر بات یہ بھی ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان رشتہ دار کی وفات کے وقت غیر مسلم تھا اور مورث کے انتقال کے کچھ عرصے بعد مسلمان ہوا اس کا اس مورث کی میراث میں کچھ حصہ نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میراث کا حق قائم ہوا تھا تو غیر مسلم ہونے کی بنا پر یہ حقدار نہیں تھا۔ دراصل قانونِ میراث کے مطابق حصہ لینا اور دینا

۱۔ سنن ابی داوٗد، كتاب الديات، باب فِي دِيَةِ الْمُكَاتَبِ، حدیث: ۴۵۸۴، ص: ۴/۳۱۹

۲۔ اسلام کا قانونِ وراثت، مولانا شوکت علی قاسمی، ص: ۳۲

۳۔ صحیح بخاری، كتاب الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم، حدیث: ۶۳۸۳، ص: ۶/۲۴۸۴

۴۔ فلسفہ احکام میراث، مضمون نگار: محمد اسماعیل، ڈائریکٹر تفہیم دین اکیڈمی، حیات آباد، پشاور، ص: ۱۷

صرف مسلمانوں کے لیے ہے لہذا میراث کے لین دین کے لیے مورث اور وارث دونوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔[۱]

۱۲. قتلِ عمد کی صورت میں قاتل اگر مقتول کا وارث بھی ہے تو اسے وراثت میں حصہ نہیں ملے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْقَاتِلُ لَا يَرِثُ))[۲]

ترجمہ: قاتل وارث نہیں ہوتا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ:

((لَيْسَ لِلْقَاتِلِ مِنَ الْمِيرَاثِ شَيْءٌ))[۳]

ترجمہ: قاتل کے لیے میراث میں کوئی شے نہیں۔

۱۳. اگر کسی عورت نے اپنے پہلے شوہر کے انتقال کے بعد دوسری شادی کرلی تو یہ دوسرا نکاح اس کو اپنے پہلے شوہر کی میراث میں وارث ہونے کے مانع نہیں، بلکہ وہ وارث ہو جائے گی۔

۱۴. اگر مرد وعورت کے مابین نکاح شرعی ہو گیا مگر ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی تھی تو ان دونوں کے درمیان وراثت جاری ہو جائے گی۔

۱۵. اگر کسی متوفی کا وارث کسی جرم کی پاداش میں قید ہو جائے تو اس نظر بندی کی وجہ سے وہ اپنے حقِ وراثت سے محروم نہ ہو گا، چاہے قید کم ہو یا زیادہ۔

۱۶. میراث خواہ پیدا کردہ ہو یا موروثی، اس میں وراثت جاری ہو گی۔ عوام میں یہ غلط تاثر اور خیال پایا جاتا ہے کہ پیدا کردہ میں وراثت جاری نہیں ہو سکتی۔

۱۷. اگر کوئی وارث مفقود (لاپتہ) ہو جائے تو وہ وراثت سے محروم نہیں ہو گا۔

۱۸. اگر باپ نے اپنی زندگی میں کسی وارث کو مال ہبہ کیا یا بیٹی کی شادی پر اسے جہیز دیا تو ایسی صورت میں وہ دوسرے ورثاء کی مانند میراث میں حصے دار ہوں گے یعنی جہیز عورت کے حقِ وراثت کا متبادل نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے اپنے شرعی حق سے محروم کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ کیونکہ وراثت مرنے کے بعد جاری ہوتی ہے۔[۴]

۱۔ فلسفہ احکام میراث، مضمون نگار: محمد اسماعیل، ڈائریکٹر تفہیم دین اکیڈمی، حیات آباد، پشاور، ص:۱۹

۲۔ سنن ابن ماجہ، ابن ماجہ أبو عبد اللہ محمد، دار إحياء الكتب العربية، كِتَابُ الدِّيَاتِ، بَابُ الْقَاتِلُ لَا يَرِثُ، حدیث:۲۶۴۵، ص:۲/ ۸۸۳

۳۔ سنن الکبری، کتاب الفرائض، باب لاَ يَرِثُ الْقَاتِلُ، حدیث:۱۲۶۰۳، ص:۶/ ۲۲۰

۴۔ اسلام کا قانونِ وراثت، مولانا شوکت علی قاسمی، ص:۳۴

۱۹. میت نے اگر اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو اپنی جائیداد سے عاق کر دیا ہو یا کسی وارث کو محروم کر دیا ہو تو ورثاء میراث میں اپنے حصے سے محروم نہیں ہوں گے کیونکہ وراثت ملکِ اضطراری ہے یعنی میت کے وارث حکمِ شریعت سے از خود وارث ہو جاتے ہیں۔

سید اصغر حسین لکھتے ہیں:

"اگر بالفرض مورث نے عاق نامہ بھی تحریر کر دیا کہ میں اپنے فلاں وارث سے (بیٹا ہو یا بیٹی یا اور کسی قسم کا وارث ہو) فلاں وجہ سے ناراض ہوں۔ وہ میرے مال اور ترکے سے محروم رکھا جائے تو بھی وہ شخص شرعاً محروم نہ ہو گا اور حصہ مقررہ فرائض اس کو پہنچے گا"[۱]

در حقیقت قانونِ وراثت، تحفظِ انسانیت کا قانون ہے۔ اگر یہ قانون نہ ہوتا تو ہر گھر اور خاندان کے اندر لوگ اپنے ہی ورثاء سے بدگمان ہوتے اور عدمِ تحفظ اور عدمِ اعتماد کا شکار ہوتے جو کہ معاشرے میں بگاڑ اور انتشار کا سبب بنتا۔

اسلامی قانونِ وراثت اور اس کی حکمتیں

اسلامی قانونِ وراثت تقسیمِ دولت کا بہترین ذریعہ اور ارتکازِ زر کا بہترین علاج اور مظلوم کی بہترین دادرسی ہے اور کوئی طاقتور اور زورآور کسی ضعیف اور مظلوم کا حق غصب نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کو دنیا میں مبعوث فرما کر سسکتی ہوئی انسانیت کو نا صرف کفر و شرک کے اندھیروں سے نکالا بلکہ ظلم و ستم کے فرسودہ نظاموں پر بھی کاری ضرب لگائی اور ان کا قلع قمع کر دیا۔ اسلام نے وراثت کا ایک ایسا قانون دیا جس میں مرد و عورت، بچے، بوڑھے سب کے حقوق کا خیال رکھا گیا اور کسی کو بھی اس کے حق سے محروم نہیں کیا گیا حتیٰ کہ ماں کے پیٹ میں موجود بچے کو بھی وراثت کا حقدار قرار دیا گیا بشرطیکہ وہ زندہ رہے۔

اسلام سے قبل میراث کی تقسیم میں افراط و تفریط پائی جاتی تھی۔ زمانہ جاہلیت میں اہلِ عرب بدویانہ زندگی گزارتے تھے۔ ان کے ماہ و سال جنگ و جدال اور لوٹ مار میں گزرتے تھے اور اس پر وہ فخر بھی کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کی عربوں کے ہاں وراثت کا دارومدار قوت اور طاقت پر تھا اور صرف مرد ہی وارث ہوتے تھے اور عورت کو وراثت میں بالکل بھی حصہ نہیں ملتا تھا۔ عربوں میں وراثت کے حصول کے تین مروجہ اسباب تھے۔ جن میں سے پہلا نسب یعنی خونی رشتہ ہونے پر وراثت کا پایا جانا تھا لیکن خونی رشتہ اور قرابت ہونے کے باوجود ماں، بیٹی، بہن اور بوڑھے مردوں کو میراث سے محروم رکھا جاتا تھا کیونکہ ان میں دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے کی ہمت اور طاقت نہیں پائی جاتی تھی اور نہ ہی اپنے قبیلے کا کسی طریقے سے دفاع کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے لہٰذا وراثت کے مستحق صرف نوجوان اور بہادر قسم کے لوگ ہوتے تھے جو گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑائیوں میں حصہ لے سکیں اور مالِ غنیمت سمیٹ سکیں۔

۱۔ مفید الوارثین، ص:۱۹

زمانہ جاہلیت میں تقسیم میراث کا تذکرہ کرتے ہوئے صاحبِ تفسیر فتح القدیر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يُوَرِّثُونَ الْبَنَاتِ وَلَا الصِّغَارَ حَتَّى يُدْرِكُوا " (۱)

ترجمہ: اہلِ جاہلیت میں نہ تو عورتوں کو میراث دیتے تھے اور نہ بالغ ہونے سے پہلے لڑکوں کو۔

ابو بکر جصاص ؒ کہتے ہیں:

"قَدْ كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَتَوَارَثُونَ بِشَيْئَيْنِ أَحَدُهُمَا النَّسَبُ وَالْآخَرُ السَّبَبُ فَأَمَّا مَا يُسْتَحَقُّ بِالنَّسَبِ فَلَمْ يَكُونُوا يُوَرِّثُونَ الصِّغَارَ وَلَا الْإِنَاثَ وَإِنَّمَا يُوَرِّثُونَ مَنْ قَاتَلَ عَلَى الْفَرَسِ وَحَازَ الْغَنِيمَةَ"(۲)

ترجمہ: اہلِ جاہلیت دو باتوں کی بنیاد پر ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے۔ اوّل نسب، دوم سبب، نسب کی بنیاد پر وراثت کے استحقاق کی وجہ سے وہ نابالغوں اور عورتوں کو وارث قرار نہیں دیتے تھے۔ صرف ان لوگوں کو وراثت کا حقدار سمجھتے تھے جو گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑائیوں میں حصہ لے سکیں اور مالِ غنیمت سمیٹ سکیں۔

دورِ جاہلیت میں عرب حلف کے ذریعے بھی ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے۔ شیبان رضی اللہ عنہ نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا ایک شخص دوسرے شخص سے عہد و پیمان باندھتے ہوئے کہتا تھا۔

" دَمِي دَمُكَ ، وَهَدْمِي هَدْمُكَ ، وَتَرِثُنِي وَأَرِثُكَ ، وَتَطْلُبُ بِي ، وَأَطْلُبُ بِكَ " (۳)

ترجمہ: میرا خون تیرا خون ہے، میری قبر تیری قبر ساتھ میں، تیرا وارث میں، تو میرا وارث، تو جرم کرے گا تو جرمانہ میں بھروں گا۔

معاہدہ مکمل ہونے پر کسی ایک کی وفات کے بعد دوسرا اس کی جائیداد میں سے چھٹے حصہ (۱/۶) کا وارث بن جاتا تھا۔

عربوں میں ایک رواج متبنیٰ بنانے کا بھی تھا یعنی اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنالیتا تھا تو اس شخص کی موت کی صورت میں اس کی میراث کا منہ بولا بیٹا بھی وارث ہوتا تھا۔

اس حوالے سے ابو بکر جصاص بیان کرتے ہیں:

۱۔ فتح القدیر، محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی، دار ابن کثیر، دار الکلم الطیب، بیروت الطبعہ الأولی، ۱۴۱۴ھ، ص: ۱/۴۹۴

۲۔ احکام القرآن، احمد بن علی ابو بکر الجصاص، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان ۱۴۰۵ھ، ص: ۳/۲

۳۔ جامع البیان فی تأویل القرآن (تفسیر طبری)، محمد بن جریر بن یزید أبو جعفر الطبری، مؤسسہ الرسالہ، الطبعہ الأولی، ۱۴۲۰ھ، ۲۰۰۰ء، ص: ۸/۲۷۵

"كَانَ السَّبَبُ الَّذِي يَتَوَارَثُونَ بِهِ شَيْئَيْنِ أَحَدُهُمَا الْحِلْفُ وَالْمُعَاقَدَةُ وَالْآخَرُ التَّبَنِّي"(۱)

ترجمہ: سبب کی بنیاد پر ایک دوسرے کے وارث ہونے کی دو صورتیں تھیں۔ اوّل، حلف و معاہدہ، دوم، تبنّٰی یعنی کسی کو اپنا متبنّٰی بنالینا۔

غرضیکہ زمانہ جاہلیت میں میت کا مال صرف اور صرف وہ مرد لیتے تھے جو جنگ لڑنے کے قابل ہوں۔ باقی ورثاء، یتیم بچے، عورتیں اور بوڑھے محروم کر دیئے جاتے تھے اور ان کے طاقتور چچا اور بھائی ان کی آنکھوں کے سامنے تمام مال و متاع پر قبضہ کرلیا کرتے تھے یا پھر سبب کی بنیاد پر غیر مستحق لوگوں کو وراثت کا مالک بنا دیا جاتا تھا۔

اللہ عزوجل نے قرآنِ حمید میں وراثت کے واضح قوانین بیان فرمائے جن کے ذریعے ارتکازِ دولت کے ظالمانہ نظام کی بیخ کنی کی۔ اسلامی قانونِ وراثت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے مرد و عورت دونوں کو وارث قرار دیا ہے اور انتہائی انصاف کے ساتھ ماں باپ یا دیگر رشتہ داروں کے چھوڑے ہوئے مال میں ان کے حصے مقرر فرمائے ہیں۔

اسلام وراثت کا ایک مکمل اور جامع نظام پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خاص طور سے نہایت وضاحت کے ساتھ اس کی تعلیم دی ہے اور ہر ہر وارث کے حصص جدا جدا مقرر فرمائے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ النساء کی آیات (۱۷۶،۱۲،۱۱) میں واضح طور پر میت کے ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، خاوند، بیوی اور بھائی، بہنوں کی وراثت کو بالتفصیل بیان کیا ہے اور احکام وراثت بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾ (۲)

ترجمہ: یہ حدیں اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ یہ علم (علم المیراث) اور اس کے مطابق عمل کرنا باعثِ ہدایت اور جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے۔

اس حوالے سے نسیم احمد قاسمی رقمطراز ہیں:

"پس جب یہ علم اور اس کے مطابق عمل کرنا حسبِ ارشاد باری تعالیٰ باعثِ ہدایت اور جنت میں

۱۔ احکام القرآن، ابو بکر جصاص، ص:۳/۳

۲۔ سورۃ النساء:۴/۱۳۔۱۴

داخل ہونے کا سبب ہے اور اس سے ناواقف رہنے میں ضلالت و گمراہی کا اندیشہ ہے اور اس کے خلاف عمل کرنے کا نتیجہ دوزخ ہے تو اس کے سیکھنے، سکھانے اور عمل کرنے میں جس قدر فضیلت ہوگی اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے" (۱)

اس سلسلے میں ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ:

"هَذِهِ الْفَرَائِضُ وَالْمَقَادِيرُ الَّتِي جَعَلَهَا اللَّهُ لِلْوَرَثَةِ بِحَسَبِ قُربهم مِنَ الْمَيِّتِ وَاحْتِيَاجِهِمْ إِلَيْهِ وَفَقْدِهِمْ لَهُ عِنْدَ عَدَمِهِ، هِيَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَلَا تُجَاوِزُوهَا؛ وَلِهَذَا قَالَ: {وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ} أَيْ: فِيهَا، فَلَمْ يَزِدْ بَعْضُ الْوَرَثَةِ وَلَمْ يَنْقُصْ بَعْضًا بِحِيلَةٍ وَوَسِيلَةٍ، بَلْ تَرَكَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ وَفَرِيضَتِهِ وَقِسْمَتِهِ {يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ} أَيْ، لِكَوْنِهِ غَيَّر مَا حَكَمَ اللَّهُ بِهِ وَضَادَّ اللَّهَ فِي حُكْمِهِ. وَهَذَا إِنَّمَا يَصْدُرُ عَنْ عَدَمِ الرِّضَا بِمَا قَسَمَ اللَّهُ وَحَكَمَ بِهِ، وَلِهَذَا يُجَازِيهِ بالإهانة في العذاب الأليم المقيم." (۲)

ترجمہ: یہ فرائض اور مقدار جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور میت کے وارثوں کو ان کی قرابت کی نزدیکی اور ان کی حاجت کے مطابق جتنا حصہ جسے دلوایا ہے۔ یہ سب اللہ کی حدود ہیں تم ان حدود کو نہ توڑو نہ اس سے آگے بڑھو۔ جو شخص اللہ کے ان احکام کو مان لے اور کوئی حیلہ، حوالہ کر کے کسی وارث کو کم و بیش دلوانے کی کوشش نہ کرے۔ اللہ کے حکم اور فریضہ اور اس کی تقسیم کو جوں کا توں بجالائے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے ہمیشہ بہنے والی نہروں کی جنت میں داخل کرے گا، یہ کامیاب، نصیب ور اور مقصد کو پہنچنے والا اور مراد کو پانے والا ہو گا اور جو اللہ کے حکم کو بدل دے، کسی وارث کے ورثے کو کم و بیش کر دے، رضائے الٰہی کو پیشِ نظر نہ رکھے بلکہ اس کے حکم کو رد کر دے اور اس کے خلاف عمل کرے اور اللہ کی تقسیم کو عدل نہ سمجھے تو ایسا شخص ہمیشہ رہنے والی رسوائی اور دردناک عذاب میں مبتلا رہے گا۔

مذکورہ آیت مبارکہ میں اللہ کی جانب سے احکام میراث پر عمل پیرا ہونے پر جنت کی بشارت اور عدم ادائیگی پر دردناک عذاب کی وعید اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام میں قانون میراث کو بہت اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس کی بدولت ہر حقدار کو اس کا حصہ ملتا ہے اور کسی کی حق تلفی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو سرکارِ دو جہاں حضرت محمد ﷺ نے نصف علم قرار دیا ہے۔

۱۔ اسلام اور وراثت، نسیم احمد قاسمی، ادارہ القرآن، دار العلوم الاسلامیہ کراچی ۲۰۰۳ء، ص:۲۰

۲۔ تفسیر القرآن العظیم، أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشي، دار طیبہ للنشر والتوزیع، الطبعہ الثانیہ، ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء، ص:۲/۲۳۲

اسلام کا قانون وراثت فطری تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے۔عائلی محبت کے رشتوں کو استوار کرتا ہے اور ان میں محبت وانس پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔دولت کے غیر منصفانہ ارتکاز کو روکتا ہے۔اس کے ذریعے حقوق کی ضبط وتحدید ہوتی ہے تاکہ ہر شخص اپنے حصے سے آشنا ہو اور کوئی وجہ پریشانی یا احساس محرومی نہ ابھرنے پائے۔اگر یہ حصے مقرر نہ ہوتے اور محض شخصی پسند اور ناپسند پر معاملہ رہتا تو خاندان میں افتراق وانتشار رہتا اس لیے اسلام نے ایسا انتظام کیا ہے کہ دولت خاندانوں میں تقسیم ہو جائے اور ایک ہاتھ میں جمع نہ رہے اور ارتکازِ دولت نہ ہو۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ﴾ (۱)

ترجمہ: تاکہ وہ (مال) تمہارے مالداروں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔

اسلام کی رو سے اموال افراد کے پاس ملکِ مجازی ہیں حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔اموال انسانوں کے پاس محدود مدت کے لیے امانت ہیں اس لیے اللہ نے انہیں، ان کی مرضی پر نہیں چھوڑا کہ (وہ جیتے جی اور) مرنے کے بعد اپنی خواہش کے مطابق صرف کریں بلکہ اس کے لیے صریح اور واضح نظام نامہ اور دستور العمل اللہ تعالیٰ نے بطور فرض قطعی تجویز کر دیا ہے جس میں فرد اور جماعت دونوں کا فائدہ ہے۔ (۲)

وراثت کی تقسیم کا مقصد یہ ہے کہ حقوق ان کے حقداروں کو پہنچائے جائیں اور ورثاء اپنے حصوں پر قادر ہو جائیں۔یہ تقسیم اللہ کے علم اور حکمت پر مبنی ہے۔اللہ کا علم پیش وعقب ہر چیز پر حاوی ہے اور غائب وحاضر سب پر محیط ہے۔کسی کا علم اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔اسی طرح اس کی ہر بات اور اس کے ہر کام میں نہایت گہری حکمت ہوتی ہے اور کسی کو بھی یہ مرتبہ نہیں ہے کہ اس کی حکمت کی تمام باریکیوں کو سمجھ سکے۔اس وجہ سے اللہ کی اس تقسیم پر نہ تو اپنے علم وفلسفے کے غرے میں کسی کو معترض ہونا چاہیے اور نہ ہی جوش میں کسی کو کوئی قدم اس کے خلاف اٹھانا چاہیے۔ (۳)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو تقسیم میراث کا ضابطہ دیا ہے وہ بلاشبہ انسانوں کے حق میں بہتر اور مفید ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ انسانوں سے زیادہ ان کی مصالح سے واقف ہے اور ان پر والدین سے بھی زیادہ شفیق ہے اور انسانوں کا اپنے بارے میں سمجھنا کہ وہ اپنی مصالح سے واقف ہیں اور بہتر تقسیم کر سکتے ہیں۔دعوی باطل اور جاہلیت ہے۔اس قانون میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہی نفس سے پیدا ہونے کے اصول کو مدنظر رکھا ہے۔عورت، مرد اور بچے، بڑے جس سے کسی کو محروم نہیں کیا گیا۔ہر فرد کا حصہ اس لحاظ سے مقرر کیا گیا کہ وہ خاندانی اور اجتماعی کفالت میں کس قدر حصہ ادا کرتا ہے۔اس نظام

۱۔ سورۃ الحشر، ۵۹/ ۷

۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، ناشر: پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان، ص: ۲۸/۱/۴

۳۔ تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص: ۲/ ۲۶۰

میں فطرتِ انسانی کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ انسان اپنی اولاد کو تمام اقرباء پر ترجیح دیتا ہے اور آنے والی نسل تحفظِ نوع کا ایک ذریعہ ہے لیکن اس کے ساتھ دیگر قرابتوں کو بھی محروم نہیں کیا گیا بلکہ ان کے مطابق ان کا حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ اسلام کا قانون میراث اس چیز کا ضامن ہے کہ جب کبھی کسی ایک جگہ دولت کا ارتکاز ہو جائے تو یہ قانون اس کے اجزاء اور حصص بنا کر معاشرے میں پھیلا دے اور ثروت کو اکٹھا ہونے سے روک دے جس طرح ان نظاموں میں دولت کا ارتکاز ہوتا رہتا ہے جن میں وراثتِ اکبر کا اصول جاری ہے۔ اسلام کا قانونِ میراث معاشرے کی اقتصادی زندگی کی وقتاً فوقتاً تنظیم کرتا رہتا ہے اور بغیر کسی اختیار اور اقتدار کی مداخلت کے از خود اعتدال قائم رکھتا ہے کیونکہ انسان اپنے بخل اور لالچ کی بناء پر اس بیرونی مداخلت کا متحمل نہیں ہوتا مگر چونکہ قانونِ اسلام کی یہ تقسیم در تقسیم اس کی فطرت، مزاج اور طبیعت سے ہم آہنگ ہے اس لیے انسان اس پر راضی ہو جاتا ہے۔ اللہ کے بنائے ہوئے قانون میں اور انسانوں کے وضع کردہ قانون میں یہی فرق ہے۔

مولانا محمد اشرف علی تھانوی احکام وراثت اور تقسیم وراثت کی حکمت اور وجوہات اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

"اسلام نے میت کی جائیداد میں حقداروں کے حصے اس لیے متعین و مقرر کیے ہیں کہ حقداروں کے حقوق محفوظ رہیں۔ اگر میت کے اقرباء اور ولیوں میں سے کل جائیداد کا ایک ہی شخص کو کلی اختیار دے دیا جائے اور دوسرے اقرباء کے حصے اس میں مقرر نہ ہوں تو اکثر ایسے افراد ہوتے ہیں کہ جائیداد کو اپنی ذاتی اغراض میں اڑا دیتے ہیں اور اپنے فوائد و اغراض و عیش کے سوا دوسروں کے حقوق کی پروا نہیں کرتے اور جائیداد میں ظالمانہ تصرف شروع کر دیتے ہیں حتٰی کہ سارے ترکے کو اپنے عیش و عشرت میں خورد و برد کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان ظالمانہ کاروائیوں کو روکنے اور ان کے انسداد کے لیے جائیداد میں ہر ایک حقدار کے حصے معین فرما دیئے تاکہ ایک ہی شخص دوسرے حقداروں کے حصوں کو اپنی اغراض کے لیے استعمال نہ کر سکے بلکہ حصوں کے مطابق جائیداد سب اہلِ حقوق لے کر اپنے اپنے حصے سے آزادی کے ساتھ متنفع ہوں"(۱)

احکام وراثت کی حکمت اور فصاحت و بلاغت کے بارے میں اصغر حسین دیوبندی فرماتے ہیں کہ یہ احکام میراث جو قرآن کے نصف صفحہ سے زیادہ نہیں ہیں۔ ایسی فصیح و بلیغ اور مفید و مختصر عبارت میں ادا کیے گئے ہیں اور فرائض و میراث کے مسائل و واقعات کے دفتر کے دفتر اس خوبی سے اس میں بھر دیئے ہیں کہ سمجھنے والے عش عش کرتے ہیں کہ الفاظ کا یہ اختصار و وضاحت اور معانی و مطالب کی حکمت تک رسائی طاقتِ انسانی سے باہر ہے۔ وہی ذات احکم الحاکمین ہے جس نے اس حسن انتظام سے مختلف حالات کی مناسبت سے وارثوں کے مختلف حصے مقرر فرمائے۔ اور پھر ان کو اس

۱۔ احکام اسلام عقل کی نظر میں، مولانا محمد علی اشرف تھانوی، مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، کراچی، ۲۰۰۹ء، ص:۳/۲۴۷

خوبی سے بیان فرمایا کہ وہ احکام جو بڑی بڑی عبارتوں میں بیان نہ ہوتے۔نہایت مختصر آیتوں میں ادا ہو گئے۔[۱]
مزید لکھتے ہیں کہ:

"باوجود یہ کہ ان احکام کی بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ظاہر ہیں اور کچھ نہ کچھ ہر شخص سمجھ سکتا ہے لیکن عقلِ انسانی پوری مصلحت شناسی سے قاصر ہے بعض احکام کی حکمتیں بعض لوگوں کے ذہن و خیال میں نہیں آتیں۔ کبھی عین منفعت کو مضرت اور کبھی مضرت کو منفعت سمجھنے لگتے ہیں اس لیے ان احکام کے ذکر سے چند مرتبہ متنبہ کر دیا گیا ہے کہ تم لوگ اپنے عزیز و اقرباء میں نفع بخش اور نقصان رساں کو نہیں جانتے اور کم و بیش حصوں کی حکمتیں اور مصلحتیں نہیں پہچانتے۔اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے خوب واقف اور سب سے زیادہ عالم ہے۔اسی کے فرمانے پر اعتماد رکھو اور سمجھ لو کہ دین و دنیا میں اس سے زیادہ نافع احکام اور مفید صورتیں تجویز نہیں ہو سکتیں"[۲]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُم لَاتَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾[۳]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا اور ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے۔اگر اس میت کی اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے۔اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔یہ حصے اس وصیت کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے، تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے۔یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں بے شک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے یہ بات واضح فرما دی ہے کہ میراث کی تقسیم میں جو حصے مقرر

۱۔ مفید الوارثین، ص:۳۲۔۳۳

۲۔ ایضاً، ص:۳۴

۳۔ سورۃ النساء:۴/۱۱

کیے گئے ہیں ان کی مصلحت اور حکمت اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور ہماری عقل و فہم کو اس کی گہرائی کا ادراک نہیں اور نہ ہی ہمارا شعور وہاں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے اور بے شک اللہ ہی علیم و حکیم ہے۔

یہودیت میں وراثت کی شرائط

یہودی قوانین وراثت کی روشنی میں وراثت کے حصول کے لیے وارث میں ان شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱. بیٹے کا پہلوٹھا ہونا اور پہلوٹھا ہونے کی وجہ سے وہ دگنے حصے کا وارث ہو گا۔

"اس (باپ) کو پہلوٹھے کا اعتراف کرنا چاہیے اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس میں سے اسے دو گنا حصہ دے کیونکہ وہ (پہلوٹھا بیٹا) اس کی طاقت کی ابتدا ہے۔ پہلوٹھے کا حق اسی کا ہے۔"[1]

۲. بیٹا نہ ہونے کی صورت میں بیٹی کو میراث ملے گی۔

"صلافحاد کی بیٹیاں ٹھیک کہتی ہیں تمہیں ان کے چچاؤں کے ساتھ ساتھ انہیں بھی اس زمین کا حصہ ضرور دینا چاہیے جو ان کے باپ کی میراث تھی۔ اس لیے اسرائیل کے لوگوں کے لیے اسے اصول بنا دو اگر کسی آدمی کے بیٹے نہ ہو اور وہ مر جائے تو ہر ایک چیز جو اس کی ہے اس کی بیٹی کی ہو گی۔"[2]

۳. میت کی اولاد (مذکر و مؤنث) نہ ہونے کی صورت میں میت کے بھائی اس کی تمام جائیداد کے وارث ہوں گے۔

۴. میت کے بھائیوں کی غیر موجودگی میں میت کے چچا اس کی تمام میراث کے وارث ہوں گے۔

۵. میت کے چچا نہ ہوں تو ایسی صورت میں میت کے خاندان کے مذکر افراد اس کی تمام جائیداد کے وارث ہوں گے۔

"As a result of the question raised by the daughters of Zelophehad,the following general rules of inheritance were laid down by Moses: "if a man die,and have no son,then ye shall cause his inheritance to pass unto his daughter.And if he have no daughter,then ye shall give his inheritance unto his brethren.And if he have no brethren,then ye shall give his inheritance unto his father's brethren.And if his father have no brethren, then ye shall give his inheritance unto his kinsman that is next to him of his family,and he shall possess it."[3]

۱۔ بائبل مقدس، استثنا، ۲۱: ۱۷

۲۔ ایضاً، گنتی، ۲۷: ۸، ۷

3 ۔ http://www.jewishencyclopedia.com/articles/8114-inheritance, Date:12-4-2020

ترجمہ: صلافحاد کی بیٹیوں کی طرف سے اٹھائے گئے سوال کے نتیجے میں موسیٰ نے وراثت کے مندرجہ ذیل عمومی اصول وضع کیے تھے: "اگر کوئی آدمی مر جائے اور اس کا کوئی بیٹا نہ ہو تو اس کی میراث اس کی بیٹی کو دے دو اور اگر اس کی کوئی بیٹی نہیں ہے تو اس کی میراث اس کے بھائیوں کو دے دو اور اگر اس کے بھائی بھی نہ ہوں تو اس کی میراث اس کے باپ کے بھائیوں کو دے دو اور اگر اس کے باپ کے بھائی بھی نہ ہوں تو اس کی میراث اس کے خاندان کے قریبی مر د رشتہ دار کو دے دو اور وہ اس کا مالک ہو گا۔"

مشنا[۱] میں وضاحت کی گئی ہے کہ بیٹا بیٹی پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس لیے بیٹے کی اولاد کو بھی بیٹی پر فوقیت حاصل ہو گی۔ بیٹی میت کے بھائیوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ اس لیے بیٹی کی اولاد کو بھی ان پر فوقیت دی جائے گی۔ میت کے بھائیوں کو میت کے باپ کے بھائیوں پر برتری حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی اولاد کو بھی میت کے باپ کے بھائیوں پر فوقیت دی جائے گی۔ لہٰذا یہ عام قاعدہ ہے کہ وہ تمام جو وراثت میں فوقیت رکھتے ہیں۔ ان کی اولاد کو بھی فوقیت دی جاتی ہے۔

"The son precedes the daughter, and all the son's offspring precede the daughter. The daughter precedes the brothers and the daughters' offspring precedes the brothers.Brothers precede the father's brothers and the brothers' offspring precedes the father's brothers. This is the general rule: whosoever has precedence in inheritance, his offspring also has precedence. The father has precedence over all his offsprings."[2]

ترجمہ: بیٹے اور اس کی اولاد کو بیٹی پر ترجیح دی جاتی ہے۔ بیٹی اور اس کی اولاد کو بھائی پر ترجیح دی جاتی ہے۔ بھائیوں اور ان کی اولاد کو باپ کے بھائیوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ ایک عام قانون ہے کہ جسے وراثت میں برتری حاصل ہوتی ہے، اس کی اولاد کو بھی ترجیح دی جاتی ہے۔

تالمود میں ان شرائط کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"The mishna teaches that this is the principle: Concerning anyone who precedes another with regard to inheritance, his descendants precede

---

۱۔ مشنا: تالمود کی بنیاد جس کو متن کہنا چاہیے مشنا کہلاتی ہے جس کا معنی تکرار اور اعادہ ہے۔ یہ علماء یہود کے ان اجتہادی مسائل کا مجموعہ ہے جو انہوں نے عہد قدیم کی روشنی میں منضبط کیے۔ (یہودیت، عیسائیت اور اسلام، ص:۹۷)

2 ۔ Mishnah Bava Batra, 8:2

the other as well, and a father precede all of his descendants"[1]

ترجمہ: مشنا یہ اصول سکھاتی ہے کہ جو کوئی وراثت کے حوالے سے دوسرے پر فوقیت رکھتا ہے۔اس کی اولاد بھی اسی طرح دوسرے پر فوقیت رکھتی ہے اور ایک باپ اپنی تمام اولاد پر فوقیت رکھتا ہے۔

یہودی قانون وراثت کی حکمتیں

وراثت سے متعلق تورات کے بنیادی قانون میں کہا گیا ہے کہ جب کوئی شخص انتقال کر جاتا ہے تو اس کے بیٹے اس کے ترکے کے وارث ہوتے ہیں۔ میراث برابر تقسیم نہیں ہوتی بلکہ پہلوٹھا بیٹا دگنے حصے کا حقدار ہوتا ہے۔ بیٹے کی موجودگی میں بیٹی کو وراثت نہیں ملتی البتہ اسے دیکھ بھال کے حقوق میسر ہوتے ہیں۔

"The basic Torah law on inheritance says that when an individual passes away, his or her sons inherit their wealth. Its not even divided equally.The first born son, the bachor,is entitled to a double portion.Under Torah law,daughters do not inherit although there are expectations about the support that would be provided by the brothers."[2]

ترجمہ: وراثت کے حوالے سے تورات کا بنیادی اصول یہ بتاتا ہے کہ جب کوئی شخص (مرد یا عورت) مر جائے تو اس کے بیٹے اس کی جائیداد کے وارث ہوتے ہیں۔ یہ میراث برابری کی بنیاد پر تقسیم نہیں ہوتی۔ پہلا بیٹا جو پہلوٹھا ہوتا ہے اسے دوگنا حصہ دیا جاتا ہے۔ تورات کے قانون کے مطابق بیٹیوں کو وراثت نہیں ملتی تاہم انھیں بھائیوں کی طرف سے سہارا دینے کی توقع کی جاتی ہے۔

تورات میں پہلوٹھے بیٹے کو بہت اہمیت دی گئی ہے کیونکہ بڑا بیٹا ہونے کی وجہ سے باپ کی انتقال کے بعد خاندان کے معاملات سنبھالنے کی ذمہ داری اس کی ہوتی ہے اس لیے یہودیت میں اسے خاندانی جائیداد کا ایک بڑا حصہ دینا فطری متصور کیا جاتا ہے۔ پہلوٹھا بیٹا ہی خاندان کا سربراہ ہوتا ہے اور خاندان کی عورتوں کی دیکھ بھال اس کی ذمہ داری ہوتی ہے کیونکہ انہیں عام طور پر کوئی موروثی حقوق حاصل نہیں ہوتے۔

"The law which establishes that "sons inherit and daughters receive

---

1۔ Talmud Bava Batra,116 a : 16

2۔ https://jewinthecity.com/2019/02/the-rabbinic-loophole-that-allows-women-to-inherit-even-though-the-torah-only-includes-men/#.Xo69fqhRWyM , Date: 9-04-2020

support" expresses the point of view that the burden of providing for the family falls on the sons,and therefore they need their father's property;the daughters are not obliged to participate in the responsibility of being providers."(1)

ترجمہ: یہ قانون "کہ بیٹے وارث ہوتے ہیں اور بیٹیوں کو دیکھ بھال کے اخراجات ملتے ہیں" اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ خاندان کی کفالت کی ذمہ داری بیٹوں پر آجاتی ہے اس لیے انھیں باپ کی جائیداد کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ بیٹیاں اس کفالت کی ذمہ داری کو ادا کرنے کی پابند نہیں ہوتیں۔

یہودیت میں جائیداد کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ خاندان کی ملکیت میں ہوتی ہے۔ خاندان کی کفالت باپ کے خاندان کے ذمے ہوتی ہے۔ اس لیے بیٹیوں کی شادی کے بعد والد کو ان کی فکر نہیں ہوتی کیونکہ ان کی دیکھ بھال خاوند کے خاندان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

"The financial family unit in Jewish law is determined by the family of the father.The children in the family unit look to their father for financial support. The father's property is the "family bank" . It will be drawn upon to support his children . It may also be used to support his sons,their wives and their children. The father does not need to worry about his daughters when they marry because the family bank of the husband's family unit will support them."(2)

ترجمہ: یہودی قانون میں خاندان کی کفالت کے اخراجات باپ کے خاندان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ خاندانی یونٹ میں بچے اپنے اخراجات کے لیے باپ پر انحصار کرتے ہیں۔ والد کی جائیداد "فیملی بینک" کی حیثیت رکھتی ہے جو اس کے بچوں کی دیکھ بھال کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ جسے اس کے بیٹوں، ان کی بیویوں اور ان کے بچوں کے اخراجات کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ بیٹیوں کی شادی کرنے کے بعد باپ کو ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ شوہر کے خاندانی یونٹ کا فیملی بینک ان کی مدد کرے گا۔

دراصل یہودیت میں ایک نسل کی برتری کا عنصر غالب ہے اس لیے اسرائیل کے قبائل کے استحکام کے لیے

1۔ https://www.biu.ac.il/JH/Parasha/eng/pinchas/shi.html#-ftn1,Date:31-03-2020

2۔ https://www.jewishpress.com/ Judaism/halacha-hashkafa/coping-alone-the-right-of-a-daughter-to-inherit/2017/06/15/, Date:31-3-2020

قوانین وراثت میں جائیداد کو نسل در نسل منتقل کر کے قبائل کو مستحکم رکھنے کی ضرورت کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیٹے کو وراثت دی جاتی ہے جبکہ بیٹی کی دیکھ بھال کے اخراجات مہیا کیے جاتے ہیں۔ بیٹی کی شادی دوسرے قبیلے میں ہونے کے خدشہ کی وجہ سے اسے حق میراث سے محروم رکھا جاتا ہے اور بیٹا نہ ہونے کی صورت میں اسے میراث اس شرط کے ساتھ دی جاتی ہے کہ وہ اپنے ہی قبیلے میں شادی کرے۔

> "No inheritance of the Israelites may pass over from one tribe to another, but the Israelite must remain bound each to the ancestral portion of his tribe. Every daughter among the Israelite tribes who inherits a share must marry someone from a clan of her father' s tribe, in order that every Israelite may keep his ancestral share.Thus no inheritance shall pass over from one tribe to another,but the Isrealite tribes shall remain bound each to its portion."(1)

ترجمہ: بنی اسرائیل کی میراث ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں منتقل نہیں ہو سکتی ہے۔ ہر اسرائیلی کو اپنے باپ دادا کے قبیلہ کی میراث کو اپنے قبضہ میں رکھنا ہو گا۔ بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ میں جو بیٹی میراث کی مالک ہو تو وہ اپنے باپ کے قبیلہ کے کسی خاندان میں شادی کرے تاکہ ہر اسرائیلی اپنے باپ دادا کی میراث پر قائم رہے۔ یوں کسی کی میراث ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں نہیں جانے پائے گی اسطرح بنی اسرائیل کے تمام قبائل اپنی میراث اپنے قبضہ میں رکھیں گے۔

الغرض یہودی قوانین وراثت میں جائیداد کو قبائل کی ملکیت میں رہنے کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور اس کے لیے ایسے قوانین وضع کیے گئے ہیں کہ جائیداد پشت در پشت اپنے ہی قبیلے میں منتقل ہوتی رہے اور کسی دوسرے قبیلے کی ملکیت میں منتقل نہ ہو سکے۔

اسلام و یہودیت میں قانون وراثت کی شرائط اور حکمتوں کا تقابل

اسلام و یہودیت میں قوانین میراث کی شرائط و حکمتوں کا موازنہ کرنے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اسلام کے قانون وراثت میں اللہ تعالیٰ نے تمام ورثاء کے حصص قرآن کریم میں مقرر کر دیئے ہیں۔ جس سے ورثاء کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے اور انہیں معاشی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ اسلامی قانون میراث میں نسب، اسباب اور اصول و فروع کو جمع کر دیا گیا ہے اور تقسیم میراث کے لیے قربت و رشتہ داری، ضرورت و احتیاج، مصلحت و مفاد اور عدل و انصاف کو پیشِ نظر

1۔ Number.36:7-9

رکھا گیا ہے۔ فطری طور پر انسان اور اس کے اقرباء کے مابین ایک قربت پائی جاتی ہے اور تکوینی طور پر اشتراک موجود ہوتا ہے۔ اس میں مرد وعورت اور چھوٹے بڑے کے کوئی تفریق نہیں۔ اس لیے اسلام نے سب ہی کو میراث کا حقدار ٹھہرایا ہے حتٰی کہ بطنِ مادر میں پرورش پانے والے بچے کو بھی فراموش نہیں کیا گیا ہے۔

اسلام نے ان تمام انسانی ترجیحات کو کالعدم قرار دیا ہے جن کی وجہ سے ورثاء میں سے کوئی محروم ہوتا ہو یا بلاوجہ انہیں ورثاء کے ساتھ شریک کرکے شرعی ورثاء کی حق تلفی ہوتی ہو۔ جیسا کہ متبنٰی، سوتیلے ماں باپ، ناجائز اولاد وغیر مسلم وغیرہ۔ اسلام کا قانون میراث متوازن ومعتدل ہے۔ یہ حکمت ومصلحت، حق وصداقت، عدل وانصاف اور توازن و زمینی حقائق سے ہم آہنگ ہے جس میں ہر ایک کے حق میراث کا خیال رکھا گیا ہے۔ چاہے وہ مرد ہے یا عورت، والدین ہیں یا اولاد، خاوند ہے یا بیوی۔ یہ قانون خواتین اور کمزوروں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے اور اس نے کسی حال میں بھی عورت کو میراث سے محروم نہیں کیا ہے۔ مورث سے اتصال ووابستگی میں خواتین بھی مردوں کی مثل ہیں لہٰذا جس طرح مرد ترکے کے وارث ہوتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی وارث بنتی ہیں۔ اسلامی قانون میراث کے ذریعے ارتکازِ دولت کا سدباب ہوتا ہے اور راَس المال اور سرمایہ چند ہاتھوں میں سمٹنے کی بجائے معاشرے کے افراد میں گردش کرتا ہے اور عوام الناس کو اس سے متنفع ہونے کا موقع ملتا ہے۔

اس کے برعکس یہودی قانون وراثت میں اس امر کو مدِ نظر رکھا گیا ہے کہ وراثت کسی بھی صورت میں ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے میں منتقل نہ ہو اور نسل در نسل اپنے ہی قبیلے میں منتقل ہوتی رہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے میراث صرف مردوں کو ہی دی جاتی ہے اور عموماً عورتوں کو وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے کیونکہ ان کی شادی کی صورت میں میراث دوسرے قبیلے میں منتقل ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ یہودی قانون میراث میں پہلوٹھے بیٹے کو دوگنا حصہ دینے کی شرط پائی جاتی ہے کیونکہ باپ کے انتقال کے بعد پہلوٹھا بیٹا ہی خاندان کا سربراہ ہوتا ہے اور خاندان کی کفالت اور دیگر تمام امور اس کی زیر نگرانی آجاتے ہیں۔ خاندان کی عورتوں کی کفالت بھی اسی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس لیے اہلِ یہود کے نزدیک پہلوٹھے بیٹے کو دوگنا حصہ دینا ہی انصاف کا تقاضا ہے۔

یہودی قانون میراث میں بیٹا نہ ہونے کی صورت میں بیٹی کو میراث دینے کا حکم ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ قبیلے میں شادی کرے تاکہ ایک قبیلے کی جائیداد دوسرے قبیلے میں منتقل نہ ہو۔ مورث کی مذکر ومؤنث اولاد نہ ہونے کی صورت میں جائیداد میت کے بھائیوں، اس کے باپ کے بھائیوں یا خاندان کے قریبی ذکور رشتہ داروں کو دی جاتی ہے۔ غرضیکہ یہودی قانون وراثت میں عدل وانصاف کا فقدان ہے۔ جائیداد کے قبیلے سے باہر منتقل ہونے کی ممانعت ہے۔ لہٰذا جائیداد سے چند افراد ہی نسل در نسل متنفع ہوتے رہتے ہیں۔ مرد کو عورت پر برتری دی گئی ہے اور اسے مرد کا محتاج اور محکوم رکھا گیا ہے۔

باب دوم

اسلام اور یہودیت میں خواتین کا حق وراثت، مشترکات و ممیزات

فصل اول: یہودیت میں خواتین کا حق وراثت

فصل دوم: اسلام میں خواتین کا حق وراثت

فصل سوم: خواتین کے حقِ وراثت میں مشترکات و ممیزات

فصل اول

یہودیت میں خواتین کا حق وراثت

تاریخِ عالم اس حقیقت کی گواہ ہے کہ قبل از اسلام عورت کو اس کے بنیادی حقوق سے محروم رکھا جاتا تھا اور عورت کے ساتھ ظلم وزیادتی عام طور پر روا سمجھی جاتی تھی، اس کے حقوق پامال کیے جاتے تھے، اسے بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کیا جاتا تھا اور اس کے مال کو مرد اپنا مال سمجھتے تھے۔ اسے ترکے اور میراث میں سے کچھ حصہ نہ ملتا تھا بلکہ وہ بھی سامان وحیوانات کی طرح وراثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی۔ غرضیکہ کسی بھی مذہب اور معاشرے میں خواتین کو کسی بھی حیثیت سے کوئی مقام ومرتبہ حاصل نہ تھا۔ یہودیت وہ قدیم دین ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا مگر آج اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں کیونکہ اس کے ماننے والوں نے اس میں تحریفات کر دی ہیں۔ جبکہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے جو نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اسلام کی تعلیمات جامع اور فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو بھی مثالی حقوق دیئے ہیں۔ جن میں سے ایک حقِ وراثت بھی ہے۔ یہودیت اور اسلام میں خواتین کو جو حق وراثت حاصل ہے اس کا ایک تقابلی جائزہ درج ذیل ہے۔

یہودیت کا تعارف

مذاہب کی دنیا میں یہودیت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہودیت کی اساس انتہائی قدیم مذہبی عقائد پر ہے۔ موجودہ مذاہب میں سب سے پرانا مذہب یہی ہے اور یہودی مذہب عرصہ دراز سے ایک ایسی طاقت ہے جو انسانی فکر اور کردار پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہودیت کی صحیح ترین تعریف یہ ہے۔

> "یہودیت وہ مذہب ہے جس میں ایک خدا پر ایمان کے ساتھ ساتھ ایک نسل کی برتری وعظمت کا عقیدہ بھی داخل دین ہے۔"[۱]

یہودی مذہب بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھا۔ توریت میں ہے کہ:

> "موسیٰ نے ہم کو ایک شریعت دی جو بنی اسرائیل کی میراث ہو۔"[۲]

لغوی تشریح

کلمہ یہود "ھاد" سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی رجوع کرنا ہیں اور یہود[۳] سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت

۱۔ یہودیت، عیسائیت اور اسلام، ص:۴۷

۲۔ دین رحمت، شاہ معین الدین احمد ندوی، مکتبہ قاسم العلوم ملک اینڈ کمپنی، لاہور، پاکستان، ص:۲

۳۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ "یہود" حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا اور اس کی اولاد کو بنی یہودا کہا جاتا تھا پھر اس کی

موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل ہونے کی وجہ سے انہیں بنی اسرائیل بھی کہا جاتا ہے کیونکہ عبرانی زبان میں ان کا نام اسرائیل ہی تھا۔

لسان العرب میں ابن منظور نے یہود کی لغوی تشریح کے حوالے سے لکھا ہے:

"**الهَوْدُ: التَّوْبَةُ، هادَ يَهُودُ هوْداً وتَهَوَّد: تابَ وَرَجَعَ إِلى الْحَقِّ، فَهُوَ هائدٌ ويَهُودُ: اسْمٌ لِلْقَبِيلَةِ**"(۱)

ترجمہ: هود بمعنی توبہ ہے، یہ هاد یهود هودا اور تهود سے مصدر ہے جس کا معنی ہے، تائب ہوا اور حق کی طرف لوٹا اور یہود ایک قبیلے کا نام ہے۔

معجم الوسیط میں یہود کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے:

" **(هاد) هودا تَابَ وَرجع إِلَى الْحق** "(۲)

ترجمہ: ھاد سے ھودا ہے یعنی تائب ہوا اور حق کی طرف لوٹا۔

"**(الْيَهُود) قوم من أصل سامي قيل إِنَّهُم سموا كَذَلِك باسم يهوذا أحد أَبنَاء يَعْقُوب**"(۳)

ترجمہ: یہود اصل میں سامی قوم ہیں اور کہا جاتا ہے کہ انہیں یہ نام یہود حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے یہودا کے نام پر دیا گیا۔

عہد نامہ عتیق کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام عیسو اور چھوٹے بیٹے کا نام یعقوب تھا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہی دوسرا نام اسرائیل (اللہ کا بندہ) تھا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل ہی بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے سب سے بڑے کا نام یہودا تھا اور سب سے چھوٹے کا نام بن یامین تھا۔ ملک فلسطین کے ایک حصے کا نام یہودیہ پڑ گیا۔ یہودا کا خاندان خوب پھلا پھولا۔ لفظ یہود و بنی اسرائیل ایک ہی نسل کے لیے استعمال ہونے لگے۔ بعد ازاں تمام اسرائیلی یہودی کہلانے لگے اور ان کا مذہب یہودیت مشہور ہو گیا۔(۴)

کثرتِ نسل کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی جملہ اولاد کو یہودی کہنا مشہور ہو گیا۔ علامہ بیضاویؒ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام یہودا تھا، گویا ان کے نام پر سارے یہودیوں کا نام رکھا گیا۔ (شرح تفسیر بیضاوی، مترجم: ابو عمر الدکتور محمد رضوان رضا قادری، ناشر: اکبر بک سیلز لاہور، ص:۶۰۹)

۱۔ لسان العرب، ابن منظور، ص:۳/۴۳۹

۲۔ المعجم الوسیط، ص:۲/۹۹۸

۳۔ ایضاً

۴۔ یہودیت، عیسائیت اور اسلام، شیخ احمد دیدات، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، سرسید احمد روڈ دریا گنج، نئی دہلی، ۲۰۱۲، ص:۴۵

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

"ھادو کا معنی ہے کہ وہ یہودی ہوئے، یہودا کی طرف نسبت ہے جو یعقوب کا سب سے بڑا بیٹا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا یہ نام بچھڑے کی عبادت سے رجوع کرنے کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔"[۱]

منشی محبوب عالم رقمطراز ہیں:

" یہود ایک قوم ہے جو بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہے۔ان کی اصل شامیوں سے ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیادت میں سن عیسوی سے پہلے بیسویں صدی میں ارضِ کنعان میں اترے۔حضرت اسماعیل، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام انہی میں سے ہوئے ہیں۔"[۲]

یہودیت میں خواتین کا مقام

یہودیت میں بھی دیگر مذاہب کی طرح خواتین کو کسی بھی حیثیت سے کوئی بھی مقام و مرتبہ حاصل نہیں۔ عورتیں مردوں کا اثاثہ تصور کی جاتی ہیں۔یہود عورت کو گناہ اور غلطیوں کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں۔ان کے نزدیک عورت انسان نہیں بلکہ خدمت کے لیے انسان نما حیوان ہے۔یہود کی مستند "جیوش انسائیکلوپیڈیا" میں ہے کہ:

"معصیتِ اول چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوئی، لہٰذا اس کو شوہر کا محکوم رکھا گیا اور شوہر اس کا حاکم، شوہر اس کا مالک ہوتا ہے اور وہ اس کی مملوکہ"[۳]

یہود کی مستند کتاب تالمود[۴] کی معاشرتی تعلیمات کے مطابق عورت ہونا ایک جرم ہے۔لہٰذا تالمود میں مرد کو تین باتوں پر خدا کا شکر گزار رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔وہ تین باتیں یہ ہیں:

"He has made me an Israelites, that he has not made me a Woman that He has not made me a boor"[5]

۱۔ الجامع لاحکام القرآن، محمد بن احمد القرطبی، دار احیاء التراث، بیروت، لبنان، ص:۱/۷۱

۲۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، منشی محبوب عالم، الفیصل ناشران کتب، لاہور، ص:۸۳۷

۳۔ مسلم پرسنل لاء اور اسلام کا عائلی نظام، شمس تبریز خان، مجلس تحقیقات و نشریاتِ اسلام، لکھنؤ، بھارت، ۱۹۸۸ء، ص:۱۸۸۔۱۸۹

۴۔ تالمود: یہودی قوانین کی کتاب ہے جو الہامی زبانی روایات کا مجموعہ ہے۔جو یہود کے ہاں انبیاء اور اکابر سے سینہ بہ سینہ علماء، کاتبوں، احبار اور پھر ربیوں تک پہنچا۔اسے یہود کے ہاں بہت اہمیت حاصل ہے اور یہودی سوسائٹی پر سب سے زیادہ اثرات اسی کتاب کے ہیں اور تالمود دو کتابوں مشنا اور گمارا پر مشتمل ہے اور اسے عہد نامہ قدیم کے تشریحی لٹریچر کی حیثیت حاصل ہے۔ (یہودیت، عیسائیت اور اسلام، ص:۹۵)

5 - Every man's Talmud, Dr. Abrahem Cohen, J. M. Dent & Sons Ltd, London, 1949, Pg:159

ترجمہ: اس نے مجھے ایک اسرائیلی بنایا، اس نے مجھے ایک عورت نہیں بنایا، اس نے مجھے جاہل و گنوار نہیں بنایا۔

اس مذکورہ عبارت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تالمود کی تعلیمات کے مطابق عورت کی حیثیت معاشرتی مساوات کی بنیاد پر ہے ہی نہیں۔ ایک دوسرے بیان میں اس کا معاشرتی مقام اس قدر فروتر ہے کہ پیدل چلتے ہوئے مرد کو حکم یہ ہے کہ اس کو عورت کے پیچھے بالکل نہیں چلنا چاہیے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے۔ خانگی زندگی میں عورت کے معاشی حقوق اس حد تک نظر انداز کیے گئے ہیں کہ مرد کو اس بات کی بھی اجازت نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو صرف دیکھنے کے لیے بھی اپنی کمائی ہوئی رقم دے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ مرد چاہے کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو آخرت میں جہنم میں جائے گا۔

"A man should never walk behind a woman along the road ... whoever crosses a stream behind a woman will have no portion in the World to come ... He who pay money to woman, counting it from his hand into hers for the sake of gazing at her, even he posses torah and good deeds like Moses our teachers, he will not esacape the punishment of Gehinnom"(1)

ترجمہ: ایک مرد کو سڑک کے ساتھ کبھی عورت کے پیچھے نہیں چلنا چاہیے۔ جو کوئی ایک عورت کے پیچھے ندی پار کرتا ہے اس کا دنیا میں کوئی حصہ نہیں۔ جو عورت کو اپنی کمائی ہوئی رقم صرف دیکھنے کے لیے اس کے ہاتھ میں دیتا ہے تو چاہے وہ تورات کا پڑھنے والا ہو اور ہمارے رہبروں کی طرح نیک کام کرنے والا ہو، وہ جہنم کی سزا سے نہیں بچ سکے گا۔

یہودی معاشرے میں عورت کو برا سمجھا جاتا ہے۔ یہود اسے سر تا پا گناہ کا منبع قرار دیتے ہیں۔ تالمود میں عورت کے متعلق بہت سخت باتیں کہی گئی ہیں مثلاً ایک جگہ آیا ہے کہ:

"عورت غلاظت سے بھری ہوئی بوری ہے"(۲)

یہودیوں کی ایک ابتدائی نصابی کتاب کے باب ۳ قانون ۸ میں لکھا ہے کہ:

"مرد کو دو عورتوں، دو کتوں اور دو سوروں کے درمیان نہیں چلنا چاہیے"(۳)

تالمود کے بیان کردہ عدالتی نظام میں عورت کے حوالے سے درج ذیل بیان ملتا ہے۔

"A woman could not act as judge or give evidence"(4)

1۔ Every man's Talmud, Dr. Abrahem Cohen, Pg: 48

۲۔ یہودی مذہب مہد سے لحد تک، رضی الدین سید، شرکۃ الامتیاز، اردو بازار لاہور، پاکستان، ۲۰۱۴ء، ص:۳۰۲

۳۔ ایضاً، ص:۳۰۲

4۔ Every man's Talmud, Pg: 305

ترجمہ: ایک عورت نہ ہی جج بن سکتی ہے اور نہ ہی گواہی دے سکتی ہے۔

مندرجہ بالا روایات اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ یہود کے ہاں عورت ایک حقیر اور گنہگار مخلوق سمجھی جاتی ہے حتیٰ کہ عورت ہونا یہود کے نزدیک ایک جرم ہے۔ وہ مرد کی محکوم و غلام ہے اور تمام مصائب کی جڑ اور غلطیوں کا سرچشمہ ہے۔ یہودیت نے عورت کو مرد کے مقابلے میں کمتر دکھا کر اسے سماجی زندگی میں بد اعتمادی کے دائرے میں قید کر دیا ہے اور اسے ازلی گنہگار ٹھہرایا ہے۔ اس لیے عورت کو یہودی فکر و عمل میں کوئی مقام اور حیثیت حاصل نہیں۔

یہودیت میں خواتین کا حق وراثت

یہودیت میں میراث کے وارث صرف میت کے بیٹے، باپ، چچا اور بھائی ہی ہو سکتے ہیں۔ باپ کے فوت ہونے کی صورت میں صرف بیٹے ہی وارث ہوتے ہیں اور سب سے بڑے بیٹے کا حصہ دوسرے بیٹوں کی نسبت دوگنا ہوتا ہے لیکن اگر وہ سب برابر برابر تقسیم پر راضی ہو جائیں تو یہ تقسیم بھی درست تصور کی جاتی ہے۔

اگر بیٹا ہو تو بیٹی کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا۔ بیٹا نہ ہونے کی صورت میں بیٹی کو میراث میں حصہ دیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ شادی اپنے قبیلے کے کسی فرد سے کرے۔ یہودیت میں بیوی کو بالکل حصہ نہیں ملتا اس کی باقی معاشی ضروریات پوری کی جاتی ہیں لیکن قانونی طور پر جائیداد میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا نیز ماں نہ بیٹوں کی جائیداد میں سے حصہ لے سکتی، نہ بھائیوں کی جائیداد میں سے اور نہ ہی اپنے شوہر کی جائیداد میں سے۔

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی لکھتے ہیں:

" یہود جو اپنی پوری تاریخ میں اخلاقی انحطاط کے ساتھ ساتھ حرص و طمع کے لیے مشہور چلے آ رہے ہیں ظاہر ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ انصاف کیسے کر سکتے تھے، جبکہ عورت سے کوئی مالی نفع حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس پر خرچ ہی کیا جاتا ہے۔ اس لیے ان کے ہاں بیٹیوں کا درجہ بیٹوں سے کم بلکہ نوکر چاکر سے بھی بدتر تھا۔ بھائیوں کی موجودگی میں اسے میراث کا حق نہ تھا حتیٰ کہ باپ اسے فروخت بھی کر سکتا تھا "[۱]

چوہدری غلام رسول لکھتے ہیں:

"یہودیت میں عورت وراثت میں حصہ دار نہیں ٹھہرائی گئی ہے یہاں تک کہ اس کی اپنی کمائی بھی اس کی شادی سے پہلے اس کے والدین کی ہوتی ہے اور شادی کے بعد اس کی کمائی سے حاصل شدہ آمدنی اس کے شوہر کی ہوتی ہے۔ یہودیت میں عورت کی کوئی حیثیت نظر نہیں آتی یہاں تک کہ باپ کی بیویاں بھی بیٹے کی وراثت میں شمار ہوتی ہیں "[۲]

۱۔ محسن انسانیت اور انسانی حقوق، ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، دار الاشاعت، کراچی، پاکستان، ۱۹۹۹ء، ص: ۳۴۰

۲۔ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، چوہدری غلام رسول ایم۔ اے، علمی کتب خانہ، لاہور، ص: ۳۹۳

گویا یہودیت میں عورت کی اپنی کمائی بھی شادی سے پہلے والدین اور شادی کے بعد اس کے خاوند کی ہوتی ہے۔ اس مذہب میں عورت اتنی حقیر اور گری ہوئی دکھائی دیتی ہے کہ باپ کی بیویاں بیٹے کی وراثت میں آجاتی ہیں۔

"In early Biblical times, a woman was herself regarded simply as a piece of property. From birth until the end of her life, she was dependent on, and continually under,someone else's ownership: her father, her guardian, or her husband."(1)

ترجمہ: بائیبل کے ابتدائی زمانے میں، عورت صرف جائیداد کا ایک حصہ سمجھی جاتی تھی۔ اپنی پیدائش سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک وہ جس پر انحصار کرتی تھی چاہے وہ اس کا باپ، اس کا سرپرست یا اس کا شوہر ہو، وہ اسی کی ملکیت ہوتی تھی۔

یہودی مذہب کی رو سے ایک مرد کو ایک عورت پر اسی طرح کامل حقوق ملکیت حاصل ہوتے ہیں جس طرح گھر کی کسی عام چیز پر، اس کے لیے جائیداد یا گھر کی کسی دوسری چیز پر ملکیت کے حق کا سوال پیدا نہیں ہوتا اگرچہ بعض حالتوں کی استثناء موجود ہے۔ یہودی قانون میں مرد وارث کی موجودگی عورت کو حقِ وراثت سے یکسر محروم کر دیتی ہے البتہ چند صورتوں میں بیٹی میراث کی حقدار نظر آتی ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

بیٹی کی وراثت

قدیم قانون یہود میں تو بیٹی مطلقاً وراثت کی حقدار نہ تھی۔ بعد ازاں صلافحاد کی بیٹیوں کے مطالبے پر بیٹوں کی غیر موجودگی میں بیٹیوں کو وراثت کا حقدار قرار دے دیا گیا۔ بائیبل مقدس میں ہے کہ:

"ہمارا باپ بیابان میں مرا پر وہ ان لوگوں میں شامل نہ تھا جنھوں نے قورح کے فریق سے مل کر خداوند کے خلاف سر اٹھایا تھا بلکہ وہ اپنے گناہ میں مرا اور اس کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ سو بیٹا نہ ہونے کے سبب سے ہمارے باپ کا نام اس کے گھرانے سے کیوں مٹنے پائے؟ اس لیے ہم کو بھی ہمارے باپ کے بھائیوں کے ساتھ حصہ دو۔ موسیٰ ان کے معاملے کو خداوند کے حضور لے گیا۔ خداوند نے موسیٰ سے کہا، صلافحاد کی بیٹیاں ٹھیک کہتی ہیں۔ تو ان کو ان کے باپ کے بھائیوں کے ساتھ ضرور ہی وراثت کا حصہ دینا یعنی ان کو ان کے باپ کی میراث ملے۔ اور بنی اسرائیل سے کہہ کہ اگر کوئی شخص مر جائے

---

1 ۔ Judaism And The New Women, Rabbi Sally Priesand, Behrman House, Inc, New York, 1975, Pg:6

اوراس کا کوئی بیٹا نہ ہو تو اس کی میراث اس کی بیٹی کو دینا۔"[1]

مذکورہ بالا فقرات میں صلافحاد کی بیٹیوں نے اپنا حصہ طلب کرتے وقت یہ کہا کہ "سو بیٹا نہ ہونے کے سبب سے ہمارے باپ کا نام اس کے گھرانے سے کیوں مٹنے پائے؟" ان کا یہ فقرہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ بیٹے کی موجودگی میں بیٹیوں کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ صلافحاد کی بیٹیوں کی طرف سے وراثت میں حصے کے مطالبہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معاملہ بارگاہ خداوندی میں پیش کیا تو حکم آیا کہ بیٹا نہ ہونے کی صورت میں میراث بیٹی کو دی جائے گی۔

"The Mosaic Law gave the inheritance to the daughter or daughters when there were no sons. "[2]

ترجمہ: شریعتِ موسوی نے بیٹے کی غیر موجودگی میں بیٹی یا بیٹیوں کو حق وراثت دیا۔

البتہ میراث کے حصول کے سلسلے میں یہ پابندی لگا دی گئی کہ وہ اپنے باپ کے قبیلے میں شادی کرے تاکہ میراث قبیلے سے باہر نہ جانے پائے۔ کتاب مقدس میں درج ہے کہ:

"اور بنی یُوسف کے گھرانوں میں سے بنی جلعاد بن مکیر بن منسی کے آبائی خاندانوں کے سردار موسیٰ اور ان امیروں کے پاس جا کر جو بنی اسرائیل کے آبائی خاندانوں کے سردار تھے، کہنے لگے۔ خداوند نے ہمارے مالک کو حکم دیا تھا کہ قرعہ ڈال کر یہ ملک میراث کے طور پر بنی اسرائیل کو دینا اور ہمارے مالک کو خداوند کی طرف سے حکم ملا تھا کہ ہمارے بھائی صلافحاد کی میراث اس کی بیٹیوں کو دی جائے۔ لیکن اگر وہ بنی اسرائیل کے اور قبیلوں کے آدمیوں سے بیاہی جائیں تو ان کی میراث ہمارے باپ دادا کی میراث سے نکل کر اس قبیلے کی میراث میں شامل کی جائے گی جس میں وہ بیاہی جائیں گی۔ یوں وہ ہمارے قرعہ کی میراث سے الگ ہو جائیں گی۔ اور جب بنی اسرائیل کا سال جوبلی آئے گا تو ان کی میراث اسی قبیلے کی میراث سے ملحق کی جائے گی جس میں وہ بیاہی جائیں گی۔ یوں ہمارے باپ کے قبیلہ کی میراث سے ان کا حصہ نکل جائے گا۔ تب موسیٰ نے خداوند کے کلام کے مطابق بنی اسرائیل کو حکم دیا اور کہا کہ بنی یوسف کے قبیلہ کے لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔ سو صلافحاد کی بیٹیوں کے حق میں خداوند کا حکم یہ ہے کہ وہ جن کو پسند کریں ان ہی سے بیاہ کریں لیکن اپنے باپ کے قبیلہ ہی کے خاندانوں میں بیاہی جائیں۔ یوں بنی اسرائیل کی میراث ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں نہیں جانے پائے گی کیونکہ ہر اسرائیلی کو اپنے باپ دادا کے قبیلہ کی میراث کو اپنے قبضہ میں رکھنا ہو گا۔ اور

۱۔ بائبل مقدس، عہد نامہ قدیم، گنتی ۲۷: ۳۔۸

2 - The Jewish Encyclopedia, KTAV, Publishing House, ING, New York, Pg:4/556

اگر بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ میں کوئی لڑکی ہو جو میراث کی مالک ہو تو وہ اپنے باپ کے قبیلہ کے کسی خاندان میں بیاہ کرے تاکہ ہر اسرائیلی اپنے باپ دادا کی میراث پر قائم رہے۔یوں کسی کی میراث ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں نہیں جانے پائے گی کیونکہ بنی اسرائیل کے قبیلوں کو لازم ہے کہ اپنی اپنی میراث اپنے قبضہ میں رکھیں۔اور صلافحاد کی بیٹیوں نے جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا ویسا ہی کیا۔کیونکہ محلاہ اور ترضاہ اور حجلاہ اور ملکاہ اور نوعاہ جو صلافحاد کی بیٹیاں تھیں وہ اپنے چچیرے بھائیوں کے ساتھ بیاہی گئیں۔یعنی یوسف کے بیٹے منسی کی نسل کے خاندانوں میں بیاہی گئیں اور ان کی میراث ان کے آبائی خاندان کے قبیلہ میں قائم رہی"[۱]

مندرجہ بالا روایات سے واضح ہوتا ہے کہ صلافحاد کی بیٹیوں کے واقعہ سے قبل بیٹیوں کو وراثت نہیں دی جاتی تھی۔صلافحاد کی بیٹیوں کا مطالبہ بیٹیوں کو بیٹے کی غیر موجودگی میں میراث کا حقدار ٹھہرانے کا سبب بنا۔

"Direct Biblical references to inheritance by daughters indicate that a daughter may inherit from her father's estate, but only if the father is not survived by any sons."[2]

ترجمہ: بیٹیوں کی وراثت کے متعلق بائیبل کے براہ راست حوالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک بیٹی اپنے والد کی جائیداد کی وارث ہو سکتی ہے لیکن صرف اس صورت میں کہ جب باپ کا کوئی بیٹا نہ ہو۔

عبرانیوں کا ایک بنیادی اصول یہ تھا کہ جائیداد کسی ایک شخص کی ملکیت نہ ہو بلکہ خاندان کی ملکیت میں ہو۔اسی طرح موسوی شریعت میں حکم تھا کہ وارث صرف قانونی بیوی کے بیٹے ہی ہو سکتے ہیں۔پہلوٹھے بیٹے کو پہلوٹھے بیٹے کا حق ملتا تھا یعنی وہ اپنے باپ کی جائیداد میں دو حصوں کا حقدار تھا اور اس کا فرض تھا کہ وہ خاندان کی خواتین کی دیکھ بھال اور پرورش کرے۔

"اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں اور ایک محبوبہ اور دوسری غیر محبوبہ ہو اور محبوبہ اور غیر محبوبہ دونوں سے لڑکے ہوں اور پہلوٹھا بیٹا غیر محبوبہ سے ہو۔تو جب وہ اپنے بیٹوں کو اپنے مال کا وارث کرے تو وہ محبوبہ کے بیٹے کو غیر محبوبہ کے بیٹے پر جو فی الحقیقت پہلوٹھا ہے فوقیت دے کر پہلوٹھا نہ ٹھہرائے۔بلکہ وہ غیر محبوبہ کے بیٹے کو اپنے سب مال کا دونا حصہ دے کر اسے پہلوٹھا مانے کیونکہ وہ اس کی قوت کی

۱۔ بائیبل مقدس، عہد نامہ قدیم، گنتی ۳۶: ۱۔۱۲

2 - The Inheritance Rights of women under Jewish and Islamic Law, Mary F.Radford, 23 B.C. Int'l & comp, P:173

ابتداء ہے اور پہلوٹھے کا حق اسی کا ہے "[۱]

یہودیوں کے ہاں جب باپ وفات پا جاتا تو اس کی وراثت اس کی نرینہ اولاد میں اس طرح تقسیم ہوتی کہ بڑے لڑکے کو چھوٹے لڑکوں کی بہ نسبت دوگنا حصہ دیا جاتا جبکہ چھوٹے بیٹے کو (پہلوٹھے کی بہ نسبت) حصہ اکہرا ملتا۔ اگر متوفی کا بیٹا نہ ہوتا تو جائیداد بیٹیوں کو ملتی تھی لیکن اس کے ساتھ یہ شرط تھی کہ وہ شادی اپنے خاندان میں کریں گی تاکہ جائیداد خاندان سے باہر نہ جائے۔

"موسوی شریعت میں حکم تھا کہ وارث صرف قانونی بیوی کے بیٹے ہی ہو سکتے ہیں پہلوٹھے بیٹے کو پہلوٹھے کا حق ملتا تھا یعنی وہ اپنے والد کی جائیداد میں دو حصوں کا حقدار تھا اور اس کا فرض تھا کہ وہ خاندان کی مستورات کی دیکھ بھال اور پرورش کرے۔ باقی بیٹوں کو ایک ایک حصہ ملتا تھا۔ اگر کسی کا بیٹا نہ ہو تو جائیداد بیٹیوں کو ملتی تھی لیکن شرط یہ تھی کہ وہ صرف اپنے قبیلہ میں شادی کریں۔"[۲]

یہودیت میں عورت کے لیے میراث کا حصول تبھی ممکن تھا جب ایک تو اس لڑکی کا بھائی نہ ہو اور دوسرا خاندان میں شادی کی شرط پوری کرے۔

کتاب مقدس میں لکھا ہے:

"اور اگر کوئی بیٹی باپ کی زمین حاصل کرتی ہے تو اسے اپنے خاندانی گروہ میں سے ہی کسی کے ساتھ شادی کرنا چاہیے۔ اس طرح ہر آدمی وہی زمین اپنے پاس رکھے گا جو اس کے آباءواجداد کی تھی۔ اس طرح اسرائیل کے لوگوں کی میراث ایک خاندانی گروہ سے دوسرے خاندانی گروہ میں نہیں جائے گی۔ اس طرح سے ایک اسرائیلی وہ زمین رکھے گا جو اس کے اپنے آباءواجداد کی تھی۔"[۳]

یہودی قانون وراثت میں میت کے بیٹوں کے علاوہ خاندان کے دوسرے مردوں کو حصہ اس صورت میں ملتا تھا جبکہ اس کی کوئی بیٹی نہ ہوتی۔

> "Women were not to inherit from their fathers except in the absence of a son. Before this ruling from the Lord,if a man had no offspring, the inheritance went to his brothers,to his father's brothers, or to his next kinsman"[4]

۱۔ بائبل مقدس، عہد نامہ قدیم، استثناء، ۲۱: ۱۵۔۱۷

۲۔ قاموس الکتاب، ص:۹۸۵

۳۔ بائبل مقدس، عہد نامہ قدیم، گنتی، ۳۶: ۸۔۹

4۔ https://www.studylight.org/dictionaries/hbd/i/inheritance.html, Date:29-02-2020

ترجمہ: بیٹے کی غیر موجودگی کے سوا عورتوں کو اپنے والد سے میراث نہیں ملتی۔ خداوند کی طرف سے یہ حکم آنے سے پہلے، اگر کسی کی کوئی اولاد نہ ہوتی تو اس کی میراث اس کے بھائیوں کو، اس کے باپ کے بھائیوں کو یا اس کے رشتہ داروں کو مل جاتی تھی۔

کتاب مقدس میں درج ہے:

"اگر اس کی کوئی بیٹی بھی نہ ہو تو اس کے بھائیوں کو اس کی میراث دینا۔ اگر اس کے بھائی بھی نہ ہوں تو تم اس کی میراث اس کے باپ کے بھائیوں کو دینا۔ اگر اس کے باپ کا بھی کوئی بھائی نہ ہو تو جو شخص اس کے گھرانے میں اس کا سب سے قریبی رشتہ دار ہو اسے اس کی میراث دینا۔ وہ اس کا وارث ہو گا اور یہ حکم بنی اسرائیل کے لیے جیسا خداوند نے موسیٰ کو فرمایا واجبی فرض ہو گا۔"[۱]

مشنا میں اس حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ:

This is the order of inheritance: "If a man dies without leaving a son, you shall transfer his property to his daughter" (Numbers 27:8) the son precedes the daughter, and all the son's offspring precede the daughter. The daughter precedes the brothers and the daughters' offspring precedes the brothers.Brothers precede the father's brothers and the brothers' offspring precedes the father's brothers. This is the general rule: whosoever has precedence in inheritance, his offspring also has precedence. The father has precedence over all his offsprings.[2]

ترجمہ: یہ وراثت کا حکم ہے کہ اگر کوئی آدمی مرے اور اس کا کوئی بیٹا نہ ہو تو اس کی جائیداد بیٹی کو منتقل کر دی جائے گی۔ (گنتی، ۸:۲۷) بیٹے اور اس کی اولاد کو بیٹی پر ترجیح دی جاتی ہے۔ بیٹی اور اس کی اولاد کو بھائی پر ترجیح دی جاتی ہے۔ بھائیوں اور ان کی اولاد کو باپ کے بھائیوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ ایک عام قانون ہے کہ جسے وراثت میں برتری حاصل ہوتی ہے، اس کی اولاد کو بھی ترجیح دی جاتی ہے۔ باپ کو اس کی تمام اولاد پر ترجیح دی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا حکم کے مطابق اگر بیٹا موجود نہ ہو مگر اس کی اولاد ہو تو میراث بیٹے کی اولاد کو منتقل ہو گی۔ لیکن اگر بیٹے کی اولاد بھی نہ ہو تو بیٹی اور اس کی اولاد میراث کی حقدار ہو گی۔

۱۔ بائبل مقدس، عہد نامہ قدیم، گنتی، ۲۷: ۹-۱۱

2۔ Mishnah Bava Batra, 8:2

"Where there are neither sons nor sons' children the daughters and their descendants become the rightful heirs"(1)

ترجمہ: بیٹوں اور ان کے بچوں کی غیر موجودگی میں بیٹیاں اور ان کی اولاد شرعی وارث بن جاتی ہے۔

اگر متوفٰی کی اولاد مذکر و مؤنث دونوں قسم کے ہوں تو ترکے کا حقدار صرف مذکر اولاد کو ہی قرار دیا جاتا ہے لیکن بیٹیوں کے بالغ ہونے یا ان کے شادی شدہ ہونے تک ان کی دیکھ بھال اور نان و نفقہ کے اخراجات کو وضع کر لیا جاتا ہے یعنی ایسی صورت میں بیٹی صرف نان ونفقہ کی مستحق ہوتی ہے وہ بھی بلوغت کی حد تک اور شادی کرنے کی صورت میں وہ باپ کی جائیداد میں سے شادی کے اخراجات کی ہی حقدار ہوتی ہے۔

"Under Jewish law, the daughter of a deceased male is entitled to support from her father's estate until the earlier of her marriage or her attainment of the age of majority."(2)

ترجمہ: یہودی قانون کے تحت میت کی بیٹی اپنی شادی یا بلوغت کی عمر تک اپنے باپ کی جائیداد میں سے دیکھ بھال کی حقدار ہے۔

البتہ بیٹی کی شادی کے وقت باپ کو اسے کچھ حصہ جائیداد سے بھی دینا ہوتا ہے ۔

"The Rabbis ordained that a man must give some of his property to his daughter when about to the married."(3)

ترجمہ: ربیّوں نے مقرر کر دیا کہ آدمی کے لیے اپنی بیٹی کو شادی کے وقت اپنی جائیداد میں سے کچھ حصہ دینا ضروری ہے جبکہ باپ کی وفات کی صورت میں بہنوں کی شادی کے اخراجات برداشت کرنا بھائیوں کی ذمہ داری ہے۔

"The sons who inherit their father's estate are also obligated to give their sisters a dowry from the estate."(4)

ترجمہ: اپنے باپ کی جائیداد کی وراثت پانے والے بیٹے اس جائیداد میں سے اپنی بہنوں کو جہیز دینے کے پابند ہوتے ہیں۔

---

1 ۔ https://www.jewishencyclopedia.com/articles/8114-inheritance,Date:12-04-2020

2 ۔ The Principles of Jewish Law,Menachem Elon,Keter Publishing,1975, Pg:379

3 ۔ The Jewish Encyclopedia, Vol:4, Pg: 556

4 ۔ The Inheritance Rights of women under Jewish and Islamic Law, P: 173

تالمود کے مطابق عورت بیٹی کی حیثیت سے باپ کی جائیداد میں کسی متعین حصے کی حقدار نہیں ہے۔ بیٹے کو باپ کی جائیداد میں سے دوگنا ملے گا لیکن ماں کی جائیداد سے نہیں جبکہ لڑکی کے حصے کا تعین نہیں کیا گیا۔ اس کے لیے Maintained کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دیکھ بھال کے اخراجات والد کی جائیداد میں سے کیے جائیں گے مگر اس کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے۔

"The son and daughter are alike concerning inheritance, save that the [firstborn] son takes a double portion of the father's property but he does not take a double portion of the mother's property. And the daughters receive maintenance from the father's property but not from the mother's property"(1)

ترجمہ: جائیداد کے معاملے میں بیٹا اور بیٹی یکساں ہیں ماسوا اس کے کہ پہلوٹھا بیٹا باپ کی جائیداد میں سے دگنا حصہ لیتا ہے مگر ماں کی جائیداد سے دگنا حصہ نہیں لیتا اور بیٹیاں باپ کی جائیداد میں سے دیکھ بھال کے اخراجات (نان ونفقہ) وصول کرتی ہیں مگر ماں کی جائیداد میں سے نہیں۔

ایک دوسرے مقام پر تالمود میں بیان کیا گیا ہے کہ بیٹا حقیقی وارث ہے جبکہ وہاں بھی بیٹی کے لیے یہی لفظ Maintained استعمال کیا گیا ہے لیکن یہ Maintinence لڑکوں کے ذریعے ہوگی یعنی اس کے معاش کی مناسب دیکھ بھال بیٹے پر عائد کی گئی ہے۔

"Sons inherit and the daughters are maintained by them"(2)

ترجمہ: بیٹے وارث ہیں اور ان کے ذریعے بیٹیوں کی دیکھ بھال ہوگی۔

مذکورہ بالا روایات سے پتا چلتا ہے کہ یہودیت میں عورت کے حق وراثت کا دائرہ کار صرف بیٹی تک محدود ہے اور اس کے لیے میراث میں کسی متعین حصے کی نشاندہی نہیں کی گئی اور مشروط بنیادوں پر اسے حق میراث دیا گیا ہے۔

ماں کی وراثت

یہودی قانون وراثت کے مطابق ماں بچوں کی وارث نہیں ہے لہذا اس کو اپنے بیٹے یا بیٹی کی جائیداد کا حقدار قرار نہیں دیا جاتا۔

"In no case, however, either under Mosaic or under rabbinic law, did

---

1 ۔ Mishnah, Bava Batra, 8:4

2 ۔ Every man's Talmud, 345

an heritance go to the mother. "[1]

ترجمہ: تاہم کسی بھی صورت میں موسوی یا یہودی قانون میں ماں کو وراثت نہیں دی جاتی۔

تالمود میں درج ہے:

"The mishna states explicitly that a mother does not inherit her son's property."[2]

ترجمہ: مشنا واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ ایک ماں اپنے بیٹے کی جائیداد کی وارث نہیں ہوتی ہے۔

اگر کسی عورت کا بیٹا یا بیٹی فوت ہو جائے تو ان کی ماں اپنی اولاد کی جائیداد کی وارث نہیں ہو گی۔

"A man inherits his mother but if he should die first, the mother does not inherit from him. "[3]

ترجمہ: آدمی اپنی ماں کا وارث ہوتا ہے، لیکن اگر وہ پہلے مر جائے تو ماں اس کی وارث نہیں ہوتی۔

مذکورہ بالا صورتحال میں جائیداد کا وارث میت کا بیٹا ہو گا۔اولاد کی عدم موجودگی میں میت کا باپ وارث ہو گا اس کی عدم موجودگی میں میت کا حقیقی بھائی اس کا وارث ہو گا لیکن میت کی ماں مطلق وارث نہیں ہے لیکن اگر والدہ وفات پا جاتی ہے تو اس کی جائیداد اس کے بیٹے کو مل جاتی ہے اور اگر بیٹا نہ ہو تو بیٹی کو میراث کا مالک بنا دیا جاتا ہے۔

"A son or a daughter (who has no brothers) inherits the estate of the mother,but a mother does not inherit the estate of her children."[4]

ترجمہ: ایک بیٹا یا بیٹی (جس کے بھائی نہ ہوں) ماں کی تمام جائیداد کے وارث ہوتے ہیں لیکن ایک ماں اپنے بچوں کی جائیداد کی وارث نہیں ہوتی ہے۔

غرضیکہ یہودی قانون وراثت کسی صورت میں بھی ماں کو میراث کا حقدار نہیں ٹھہراتا۔

بیوی کی وراثت

یہودی قانون وراثت میں اگر شوہر پہلے فوت ہو جاتا تو بیوی اپنے متوفی خاوند کی جائیداد میں سے وارث نہیں بن

---

1 ۔ The Jewish encyclopedia, Vol : xii, Pg:556

2 ۔ The Talmud, Bava Batra.115a:1

3 ۔ Mishnah Bava Batra 8:1

4 ۔ https://www.jewishpress.com/judaism/halacha-hashkafa/coping-alone-the-right-of-a-daughter-to-inherit/2017/06/15/Date:31-03-2020

سکتی تھی البتہ اتنا ضرور تھا کہ اگر خاوند نے اس کے لیے کوئی وصیت نہ کی ہوئی ہو تو خاوند کے ترکہ سے اس کے لیے نان ونفقہ کے اخراجات وضع کر لیے جاتے تھے یا شادی کے وقت کچھ تحریر ہوتی تو اس کی وجہ سے بیوی کو شوہر کی وفات یا طلاق کی صورت میں جائیداد میں سے حصہ مل جاتا تھا۔

"At his death, or in the case of divorce, the women received the value of that property as estimated on her wedding-day."(1)

ترجمہ: اس (خاوند) کی وفات یا طلاق کی صورت میں عورت کو جائیداد میں سے اتنی قیمت (حصہ) ملتی تھی جو اس کی شادی کے وقت طے پائی ہوتی تھی۔

اس کے برعکس اگر بیوی پہلے مر جائے تو اس کی تمام جائیداد کا شوہر مالک بن جاتا ہے حتی کہ جہیز میں لائی ہوئی اشیاء بھی اس کی ملکیت میں چلی جاتی ہیں۔

"Under Jewish law, the traditional rule was that if the wife died before her husband died, the husband was entitled to receive the wife's entire estate. This included any amount that she had brought into the estate as dowry."(2)

ترجمہ: یہودی قانون میں ایک روایتی اصول یہ تھا کہ اگر شوہر کے مرنے سے پہلے بیوی مر جاتی تو شوہر بیوی کی ساری املاک کا حقدار قرار پاتا تھا۔ اس میں ہر وہ مال بھی شامل ہوتا تھا جو وہ جہیز کی صورت میں اپنی ملکیت میں لے کر آئی ہوتی تھی۔

تالمود میں بیان ہوا ہے:

"The Torah teaches that a husband inherits from his wife."(3)

ترجمہ: توریت تعلیم دیتی ہے کہ شوہر اپنی بیوی کا وارث ہوتا ہے۔

یہودی قانون وراثت کے مطابق خاوند اپنی بیوی کی میراث پاتا ہے مگر بیوی شوہر کی وارث نہیں ہوتی ہے۔

"According to Jewish law, the husband inherited his wife's entire estate upon her death, and acquired full and complete title to all of the property"(4)

1۔ The Jewish encyclopedia, Vol: 4, Pg:646

2۔ The Inheritance Rights of women under Jewish and Islamic Law, P:170

3۔ Talmud Bava Batra,109 b:2

4۔ A Comparative Analysis of Women's Property Rights in Jewish Law and Anglo-

ترجمہ: یہودی قانون کے مطابق خاوند اپنی مرحومہ بیوی کی تمام جائیداد کا وارث بن جاتا اور تمام جائیداد اس کی ملکیت میں چلی جاتی۔

"The wife powers of inheritance, on the other hand, were much more limited.She was not considered a legal heir of her husband, but instead was deemed to be a creditor"(1)

ترجمہ: البتہ بیوی کا حق میراث بہت محدود تھا۔ وہ اپنے شوہر کی قانونی وارث نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ اس کے برعکس اسے ایک قرض خواہ سمجھا جاتا تھا۔

غرضیکہ یہودی قانون وراثت میں ماں کی طرح بیوی کو بھی یکسر فراموش کر دیا گیا اور اس کے لیے میراث میں سے کوئی حصہ مقرر کرنا تو کجا، اسے حق وراثت دینے کے لائق ہی نہیں سمجھا گیا۔

"A husband inherits the estate of his wife,but the wife does not inherit the estate of her husband."(2)

ترجمہ: شوہر اپنی بیوی کی جائیداد کا وارث ہوتا ہے لیکن بیوی اپنے شوہر کی جائیداد کی وارث نہیں ہوتی ہے۔

بیوہ کی وراثت

خواتین کی میراث کے سلسلے میں ایک بیوہ اپنے متوفی خاوند کی وراثت کی حقدار نہیں تھی۔ البتہ وہ خاوند کی جائیداد کی نگران بن سکتی تھی جب تک اس کے بیٹے جوان نہیں ہو جاتے تھے۔

" A widow did not inherit, she could, however, be the guardian of her deceased husband's property until their sons come to full age"(3)

ترجمہ: بیوہ کو وراثت نہیں ملتی تھی تاہم وہ اپنے مرحوم شوہر کی جائیداد کی نگران بن سکتی تھی جب تک اس کے بیٹے جوان نہ ہو جاتے۔

American Law, Alina Semo Kofsky,Journal of Law and Religion 6/2(1988), P:332

1۔ Jewish Woman in Jewish Law, Moshe Meiselman, Ktav Publishing House, Inc.& Yeshiva University Press,New York,1978, P:89

2۔ https://www.jewishpress.com/judaism/halacha-hashkafa/coping-alone-the-right-of-a-daughter-to-inherit/2017/06/15/Date: 31-03-2020

3۔ The New Catholic Encyclopedia, New York, Mc GRAW-Hill, Book Company, 1966. Vol: xii, Pg:516

کتاب مقدس میں مذکور ہے:

"سات سال ختم ہونے کے بعد عورت سر زمین فلسطین سے واپس ہوئی۔ عورت بادشاہ کے پاس گئی اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ اس کا مکان اور زمین واپس لینے میں وہ اس کی مدد کرے۔ بادشاہ جیجازی سے بات کر رہا تھا جو خدا کے آدمی (الیشع) کا خادم تھا بادشاہ نے جیجازی سے کہا کہ، "برائے کرم تمام عظیم چیزیں جو الیشع نے کیں وہ مجھے کہو" جیجازی بادشاہ سے کہہ رہا تھا کہ الیشع نے ایک مردہ آدمی کو زندگی دی اور اس وقت اس عورت نے جس کے بیٹے کو نئی زندگی دی گئی تھی، آئی اور اپنا گھر اور زمین واپس لینے میں بادشاہ کی مدد مانگی۔ جیجازی نے کہا، "میرے خداوند آقا و بادشاہ یہی ہے وہ عورت اور یہ اس کا بیٹا جسے الیشع نے پھر سے زندہ کیا تھا" بادشاہ نے عورت سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتی ہے عورت نے اس سے اپنی درخواست پیش کی۔ تب بادشاہ نے ایک افسر چنا اور عورت کی مدد کے لیے بادشاہ نے حکم دیا، "عورت کی جو ملکیت ہے سب اس کو دے دو اور جس دن سے اس نے ملک چھوڑا اس دن سے لیکر آج کی تاریخ تک اسے اس کی زمین کی ساری فصل بھی دے دو" (۱)

اگر ایک بیوہ کے خاوند کا کوئی مرد (بیٹا) نہ ہوتا تھا تو اس کے خاوند کی جائیداد اس کے (دیوروں) یعنی میت کے بھائیوں کو مل جاتی تھی اور وہ اپنے باپ کے گھر واپس چلی جاتی تھی۔

"If she had no male descendent, the property of her deceased husband passed to his brothers or nearest male relatives, and she returned to her father's house.(2) "

ترجمہ: اگر اس کی اولادِ نرینہ نہ ہوتی تو اس کے مرحوم خاوند کی جائیداد اس (مرحوم) کے بھائیوں یا قریبی مرد رشتہ داروں کو مل جاتی تھی اور وہ (عورت) اپنے باپ کے گھر واپس چلی جاتی تھی۔

یا پھر وہ اپنے خاوند کے خاندان کے ساتھ ہی منسلک رہتی تھی۔ Levirate marriage کی صورت میں یعنی اگر شوہر اولاد نرینہ کے بغیر مر جائے تو مرحوم کا بھائی اس کی بیوہ سے شادی کرے۔ (۳)

بائیبل مقدس میں اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

۱۔ بائیبل مقدس، عہد نامہ قدیم، دوم سلاطین، ۸: ۳۔۶

2۔ The New Catholic Encyclopedia, New York, Mc GRAW.Hill, Book Company, 1966, Vol:xii, Pg:516

3۔ English.Urdu Dictionary of Christian Terminology, Liberius Pieterse, Christian Study Centre, Rawalpindi, 2001, Pg:59

"اگر کئی بھائی مل کر ساتھ رہتے ہوں اور ایک ان میں سے بے اولاد مر جائے تو اس مرحوم کی بیوی کسی اجنبی سے بیاہ نہ کرے بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس کے پاس جا کر اسے اپنی بیوی بنالے اور شوہر کے بھائی کا جو حق ہے وہ اس کے ساتھ ادا کرے۔"(۱)

یہود کی شریعت کے مطابق میت کا بھائی اپنے بھائی کی بیوہ سے شادی کرے یا ذلت و رسوائی برداشت کرنے پر تیار ہو جائے۔ اس حوالے سے یہود کے یہاں ایک گڑھا ہوا مسئلہ "البیاما والجاموس" کے نام سے مشہور ہے جس کو وہ تورات کی طرف منسوب کرتے ہیں۔(۲)

وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک جگہ دو بھائی مقیم ہوں اور ان میں سے ایک انتقال کر جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو میت کی بیوی غیر کے ہاتھ میں نہیں دی جائے گی بلکہ اس کا دیور خود اس سے شادی کرے گا اور اس سے جو پہلا بچہ ہو گا وہ بے اولاد مرنے والے بھائی کی جانب منسوب کیا جائے گا اور اگر اس سے دیور نے شادی کرنے سے انکار کر دیا تو وہ عورت اپنے قوم کے سرداروں کے پاس شکایت لے کر جائے گی اور یہ کہے گی کہ میرے دیور نے اپنے بھائی کا نام بنی اسرائیل میں باقی رکھنے سے انکار کر دیا اور میرا نکاح نہیں لوٹایا، پھر قوم کے سردار اس کو حاضر کریں گے اور اس کو روک کر یہ کہیں گے کہ تم اس بات کا اقرار کرو کہ میں نے اس سے نکاح نہیں کرنا چاہا، پھر عورت اس کے پاؤں سے جوتا نکالے گی، اس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اس کے چہرے پر تھوکے گی اور یہ کہے گی کہ جو شخص اپنے بھائی کا گھر نہیں آباد کرے گا، اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا جائے گا، اس کے بعد وہ شخص مخلوع النعل (جس کا جوتا نکالا گیا ہو) کے لقب سے پکارا جائے گا اور اس کے بیٹے بھی اسی برے لقب سے پکارے جائیں گے۔(۳)

غرضیکہ یہودیت میں ایسی تمام خواتین کے لیے جن کے شوہر بے اولاد فوت ہو جائیں لازمی قرار دے رکھا تھا کہ:

اگر چند بھائی اکٹھے رہتے ہوں اور ان میں سے کوئی بے اولاد فوت ہو جائے تو اس کی بیوہ کا نکاح کسی دوسرے آدمی سے نہ کیا جائے بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس سے خلوت کرے۔ اسے بیوی بنائے اور بھاوج کا حق ادا کرے تو جو پہلا بچہ پیدا ہو گا وہ متوفی بھائی کے نام منسوب ہو گا۔ تب مرحوم بھائی کا نام اسرائیل سے مٹایا نہیں جائے گا۔(۴)

۱۔ بائیبل مقدس، عہد نامہ قدیم، استثناء، ۲۵ : ۵۔۶

۲۔ یہود و نصاریٰ تاریخ کے آئینے میں، امام ابن القیم الجوزیہ، مترجم: زبیر احمد سلفی، نعمانی کتب خانہ، لاہور، ص: ۲۹۸

۳۔ ایضاً، ص: ۲۹۸

۴۔ بائیبل مقدس، عہد نامہ قدیم، استثناء، ۲۵: ۵۔۶

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہودی مذہب میت کی دوسری رشتہ دار خواتین کو بھی میراث کا حقدار نہیں سمجھتا۔

"Jewish law does not provide specific succession rights for most female relatives of the decedent" (1)

ترجمہ: یہودی قانون میت کی قریبی رشتہ دار خواتین کو حق وراثت مہیا نہیں کرتا۔

الغرض بائیبل مقدس کی تعلیمات کے مطابق خواتین میں سے صرف بیٹی کو وراثت ملتی ہے مگر وہ بھی صرف اس صورت میں کہ متوفی کا بیٹا نہ ہو اور بیٹی اپنے ہی قبیلے کے کسی خاندان میں شادی کرے۔ لیکن اگر بیٹا ہو تو بیٹی کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا۔ خاوند اپنی متوفی بیوی کی ساری جائیداد کا وارث ہوتا ہے مگر بیوی کسی صورت میں بھی اپنی متوفی خاوند کی وارث نہیں بن سکتی البتہ اس کی باقی معاشی ضروریات پوری کی جاتی ہیں لیکن قانونی طور پر اسے جائیداد میں سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ اس طرح بیٹا اپنی متوفی ماں کا وارث ہوتا ہے جبکہ ماں اپنے متوفی بیٹے کی وارث نہیں ہوتی۔ اسی طرح خاندان کی دیگر قریبی رشتہ دار خواتین کا بھی میراث میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ گویا یہودیت میں عورت بغیر اپنی مستقل شخصیت اور ارادے کے زندگی گزارتی ہے۔ اپنے کسی کام کو اپنی مرضی سے سرانجام نہیں دے سکتی بلکہ وہ مرد کے تابع اور اس کی محتاج ہے۔

1۔ The Inheritance Rights of women under Jewish and Islamic Law, Pg:178

فصل دوم

اسلام میں خواتین کا حق وراثت

اسلام تا ابد ساری دنیا کے لیے جملہ اخلاقی، روحانی، دنیاوی اور مادی ضروریات کا جامع ضابطہ حیات ہے۔ اسلام سے پہلے تمام مذہب قومی تھے یعنی ایک قوم کے ساتھ مخصوص تھے کسی دوسرے کو اس میں شامل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ ظہور اسلام کے وقت چار بڑے مذاہب پائے جاتے تھے۔ یہودیت، عیسائیت، ہندوازم اور بدھ مت۔ لیکن یہ اپنے ماننے والوں کے ہاتھوں بری طرح مسخ ہو چکے تھے اور بنی نوع انسان کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت کھو چکے تھے۔ لہذا اللہ عزوجل نے اپنے محبوب نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو آخری صحیفہ ہدایت (قرآن پاک) دے کر آخری دین (اسلام) کے ساتھ دنیا میں مبعوث فرمایا۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جو زندگی کے ہر معاملے میں اپنے ماننے والوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس میں جو وسعت اور جامعیت پائی جاتی ہے اس سے تمام گذشتہ مذاہب خالی ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا کا آخری اور مکمل مذہب قرار دیا اور اس پر اپنی نعمت تمام کرنے کا اعلان فرمایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (۱)

ترجمہ: آج ہم نے تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔

اسلام ایک عالمی دین ہے اور بنی نوع بشر کے لیے مکمل دستور حیات ہے جو ہر دور میں ہر طبقے کے لوگوں کی کسی بھی قسم کی ذات، رنگ و نسل کا امتیاز کیے بنا حق کی طرف نا صرف رہنمائی کرتا ہے بلکہ ان کے لیے قابل عمل بھی ہے۔ اسلام انسانی زندگی کی چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑے سے بڑے معاملے کو زیر بحث لاتا ہے۔ اسلام دنیا کا آخری مذہب ہے اور اس کا مقصد انسانیت کی دائمی رہنمائی ہے جو اس کی دنیاوی واخروی فلاح کا ذریعہ ہے اس لیے اسلام تمام مذاہب سے زیادہ عالمگیر بھی ہے اور جامع و مکمل بھی، اس کے دائرۂ کار سے انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی پہلو باہر نہیں۔ اس میں دین و دنیا اور جسم وروح کی تفریق نہیں بلکہ دنیا میں احکام الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نام اسلام ہے۔ جہاں اسلام زندگی کے دوسرے امور کے متعلق رہنمائی فراہم کرتا ہے وہیں وراثت سے متعلق احکام کی بھی وضاحت کرتا ہے جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ سورۃ المائدہ:۵/۳

اسلام میں احکام وراثت

اسلام زندگی کے ہر معاملے میں عدل وانصاف کرنے کا حکم دیتا ہے چنانچہ وراثت کی تقسیم کے معاملے میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو عدل وانصاف مہیا کیا اور ہر وارث کو اس کا حق عطا فرمانے کے لیے احکام میراث قرآن پاک میں واضح فرما دیئے اور اب کسی بھی شخص کو ان احکام میں کمی بیشی کی اجازت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں علم المیراث کے تمام اصول وقواعد کو اختصار کے ساتھ مگر جامع انداز میں بیان کر دیا ہے اور ہر وارث کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے چاہے وہ مرد ہے یا عورت، بچہ ہے یا بوڑھا، طاقتور ہے یا کمزور۔

قوانین میراث کو بیان کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا﴾ (۱)

ترجمہ: ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکے میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی۔ (جو ماں باپ اور خویش واقارب چھوڑ کر مریں) خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں) حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔

اس آیت کریمہ میں ایک تو یہ اہم اور بنیادی تعلیم دی گئی ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کا بھی میراث میں حق ہے اور ایک اصولی حکم دیا گیا ہے کہ ماں باپ اور رشتے داروں کی چھوڑی ہوئی جائیداد میں، چاہے وہ کسی نوعیت کی ہو، جس طرح مردوں کا حق ہے اسی طرح عورتوں اور بچوں کا بھی حق ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ:

اس آیت میں واضح طور پر پانچ قانونی حکم دیئے گئے ہیں:

۱. ایک یہ کہ میراث صرف مردوں ہی کا حصہ نہیں ہے بلکہ عورتیں بھی اس کی حق دار ہیں۔

۲. دوسرے یہ کہ میراث بہر حال تقسیم ہونی چاہیے خواہ وہ کتنی ہی کم ہو، حتیٰ کہ اگر مرنے والے نے ایک گز کپڑا چھوڑا ہے اور دس وارث ہیں تو اسے بھی دس حصوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔ یہ اور بات ہے کہ ایک وارث دوسرے وارثوں سے ان کا حصہ خرید لے۔

۳. تیسرے اس آیت سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ وارثت کا قانون ہر قسم کے اموال واملاک پر جاری ہو گا۔ خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ، زرعی ہوں یا صنعتی یا کسی اور صنف مال میں شمار ہوتے ہوں۔

۴. چوتھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میراث کا حق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مورث کوئی مال چھوڑ کر مرا ہو۔

۱۔ سورۃ النساء: ۴/۷

۵. پانچویں اس سے یہ قاعدہ بھی نکلتا ہے کہ قریب تر رشتہ دار کی موجودگی میں بعید تر رشتہ دار میراث نہ پائے گا۔[۱]

خواتین کا حق وراثت

اسلام سے قبل عورت کی جو حالت تھی وہ محتاجِ وضاحت نہیں۔ اہلِ علم اس سے بخوبی واقف ہیں کہ اگر پوری تاریخ انسانی کو کھنگالا جائے، تاریخ کے اوراق پلٹائے جائیں، انسانی تہذیب و تمدن کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اسلام کی آمد سے پہلے پوری دنیا میں عورت کا وجود باعثِ ذلت، شرم و عار سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے عورت کو وہ مقام دیا جس کا دوسرے مذاہب میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام ہی ہے جس نے عورت کو جانوروں جیسی توہین آمیز اور تذلیل و تحقیر کی زندگی سے نجات دلائی اور قعرِ مذلت سے نکالا اور عزت و احترام کے مقام پر فائز کیا اور اس کے لیے ایسے حقوق و رعایات کا سامان فراہم کیا کہ جس کی مثال تاریخ کے اوراق بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

وہی دیرینہ بیماری، وہی نامحکمی دل کی

علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی [۲]

قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں مردوں کے حقوق کا ذکر کیا ہے وہاں خواتین کو بھی فراموش نہیں کیا اور انہیں بھی معاشرے کا ایک اہم فرد گردانتے ہوئے حقوق کا مستحق قرار دیا ہے۔ اسلام نے اپنی عمدہ اور بہترین تعلیمات میں خواتین کو بھی حقِ وراثت عطا کیا ہے جبکہ دوسرے مذاہب نے عورتوں کو ان کے حقِ میراث سے محروم رکھا ہے۔ جو جائیداد ترکے میں بچتی اسے مرد تقسیم کر لیتے اور عورت بچاری مظلوم دیکھتی ہی رہ جاتی۔ ایسے میں اسلام نے اس مظلوم کی دادرسی کی اور اسے بھی مردوں کی طرح ترکے کا وارث قرار دیا تاکہ عورت بھی اپنے حوائج میں مرد کی طرح پورے سکون سے زندگی گزار سکے۔

اسلام سے قبل دوسرے مذاہب کی طرح عرب میں بھی عورتوں کو میراث میں سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ میت کا مال صرف وہی مرد لیتے تھے جو میدان جنگ میں لڑنے کے قابل ہوتے تھے۔ عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کو میراث نہیں ملتی تھی۔ مفلس و بیکس بیوہ اور یتیم بچے اور بچیاں روتے چلاتے رہ جاتے اور جوان قوی مالدار چچا اور بھائی آکر سب مال پر قبضہ کر لیتے۔

آیات میراث کا شانِ نزول

اسلامی تاریخ اور کتبِ تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ معظمہ میں رہے میراث ان میں طریقہ جاہلیت کے مطابق تقسیم ہوتی رہی۔ مدینہ میں بھی کچھ دیر اسی پر عمل رہا۔ ابھی لوگوں کے درمیان طریقہ

۱۔ تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ص: ۱/ ۳۲۴

۲۔ بالِ جبریل، علامہ محمد اقبال، ص: ۲۶

جاہلیت کے مطابق ہی میراث تقسیم ہو رہی تھی کہ اس اثناء میں ایک تکلیف دہ واقعہ پیش آگیا جس کی مندرجہ ذیل تفصیل مفسرین نے بیان کی ہے:

"وَنَزَلَتِ الآية في أوس ابن ثَابِتِ الْأَنْصَارِيِّ، تُوُفِّيَ وَتَرَكَ امْرَأَةً يُقَالُ لَهَا: أم كجة وَثَلَاثَ بَنَاتٍ لَهُ مِنْهَا، فَقَامَ رَجُلَانِ هُمَا ابْنَا عَمِّ الْمَيِّتِ وَوَصِيَّاهُ يُقَالُ لَهُمَا: سُوَيْدٌ وَعَرْفَجَةُ، فَأَخَذَا مَالَهُ وَلَمْ يُعْطِيَا امْرَأَتَهُ وَبَنَاتِهِ شَيْئًا، وَكَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ لَا يُوَرِّثُونَ النِّسَاءَ وَلَا الصَّغِيرَ وَإِنْ كَانَ ذَكَرًا، وَيَقُولُونَ: لَا يعطى إلا من قاتل على ظهور الحيل، وَطَاعَنَ بِالرُّمْحِ، وَضَارَبَ بِالسَّيْفِ، وَحَازَ الْغَنِيمَةَ. فَذَكَرَتْ أم كجة ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَاهُمَا، فَقَالَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَلَدُهَا لَا يَرْكَبُ فَرَسًا، وَلَا يَحْمِلُ كَلًّا وَلَا يَنْكَأُ عَدُوًّا. فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: (انْصَرِفَا حَتَّى أَنْظُرَ مَا يُحْدِثُ اللَّهُ لِي فِيهِنَّ). فَأَنْزَلَ اللَّهُ هَذِهِ الْآيَةَ"[1]

ترجمہ: یہ آیت ایک صحابی اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ ان کا انتقال ہوا انھوں نے پسماندگان میں ایک بیوی ام کجہ اور تین لڑکیاں چھوڑیں، سوید اور عرفجہ جو میت کے چچا کے بیٹے اور وصی تھے کل مال پر قابض ہو گئے نہ بیوی کو کچھ حصہ دیا اور نہ بیٹیوں کو، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں وہ لوگ نہ عورتوں کو میراث دیتے تھے اور نہ چھوٹی اولاد کو خواہ اولاد میں کوئی لڑکا ہی ہو تا صرف بالغ مردوں کو ہی میراث کا حصہ دیتے تھے اور کہ ہم صرف اسی کو دیں گے جو دشمن سے لڑے اور مال غنیمت لوٹے۔ ام کجہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اوس نے تین بیٹیاں پیچھے چھوڑیں اور میں اس کی بیوی ہوں اور میرے پاس اتنا بھی نہیں کہ میں لڑکیوں کو کھلا سکوں، لڑکیوں کے باپ نے اچھا خاصا مال چھوڑا ہے مگر وہ مال سوید اور عرفجہ کے قبضے میں ہے، انہوں نے نہ مجھے کچھ دیا نہ ہی میری بچیوں کو، بچیاں میرے پاس ہیں نہ ان کے کھانے کو کچھ ہے اور نہ پینے کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوید اور عرفجہ کو طلب فرمایا وہ بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس عورت کی اولاد اس قابل نہیں کہ گھوڑے پر سوار ہو سکے، نہ دشمن سے لڑ سکتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید افسوس ہوا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم صادر نہ فرمایا کیونکہ ابھی تک وراثت کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی زوجہ کو تسلی دے کر واپس لوٹا دیا کہ صبر کرو یہاں تک کہ اللہ کی جانب سے حکم آجائے تب درج ذیل آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا﴾[2]

ترجمہ: ماں باپ اور خویش و اقارب کے ترکے میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی۔ (جو ماں باپ اور

۱۔ الجامع لأحکام القرآن، (تفسیر القرطبی)، امام القرطبی، أبو عبد اللہ محمد بن أحمد بن أبی بکر، دار الکتب المصریہ، القاہرۃ، الطبعہ الثانیہ ۱۳۸۴ھ، ۱۹۶۴ء، ص: ۴۶/۵

۲۔ سورۃ النساء، ۴/۷

خویش و اقارب چھوڑ کر مریں) خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں) حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔

اس قصہ کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ایک دوسرا واقعہ پیش آ گیا کہ:

" اسْتُشْهِدَ سَعْدُ بْنُ الرَّبِيعِ وَتَرَكَ ابْنَتَيْنِ وَامْرَأَةً وَأَخًا، فَأَخَذَ/ الْأَخُ الْمَالَ كُلَّهُ، فَأَتَتِ الْمَرْأَةُ وَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدٍ، وَإِنَّ سَعْدًا قُتِلَ وَإِنَّ عَمَّهُمَا أَخَذَ مَالَهُمَا،فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «ارْجِعِي فَلَعَلَّ اللَّهَ سَيَقْضِي فِيهِ» ثُمَّ إِنَّهَا عَادَتْ بَعْدَ مُدَّةٍ وَبَكَتْ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الآية، فَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّهُمَا وَقَالَ: «أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ، وَأُمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ،فَهَذَا أَوَّلُ مِيرَاثٍ قُسِمَ فِي الْإِسْلَامِ. "[۱]

سعد بن ربیع جنگ احد میں شہید ہوئے تو ان کے بھائی نے حسب دستور قدیم کل مال پر قبضہ کر لیا، زوجہ اور دو بیٹیاں محروم رہ گئیں۔ تو ان کی زوجہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ دونوں سعد کی بیٹیاں ہیں اور سعد مار دیئے گئے اور ان دونوں کے چچا نے ان کا مال لے لیا تو اس مرتبہ بھی آپ ﷺ نے سعد بن ربیع کی زوجہ کو یہ ارشاد فرما کر رخصت کر دیا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرما دیں گے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی، پس نبی ﷺ نے ان کے چچا کو بلایا اور فرمایا سعد کی بیٹیوں کو دو تہائی دو اور ان کی والدہ کو آٹھواں حصہ دو اور جو باقی بچ جائے وہ تمہارا ہے، یہ پہلی میراث تھی جو اسلام میں تقسیم ہوئی۔

دراصل یہ تو واضح ہو چکا تھا کہ میراث میں عورتوں کا حصہ بھی ہے صرف حصہ اور مقدار معین ہونے کا انتظار تھا اس واقعہ کے بعد میراث کا درج ذیل قطعی فیصلہ اور شرعی حکم نازل ہو گیا جس کے مطابق سعد بن ربیع کی میراث تقسیم کی گئی۔

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ

۱۔ مفاتیح الغیب، (التفسیر الکبیر)، فخر الدین الرازی، أبو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۲۰ھ، ص: ۹/ ۵۰۹

أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴾ (۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے، اگر اس میت کی اولاد ہو، اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے، ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے اس وصیت (کی تکمیل) کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد، تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے، تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے، یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ بے شک اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو آدھا تمہارا ہے اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے مال میں سے تمہارے لیے چوتھائی حصہ ہے، اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد، اور جو (ترکہ) تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لیے چوتھائی ہے، اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انھیں تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے اور قرض کی ادائیگی کے بعد، اور جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں، اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور ادائیگی قرض کے بعد جبکہ اوروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو، یہ مقرر کیا ہوا اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ جاننے والا، بردبار ہے

والدین اور باہم وارث ہونے والے نزدیک ترین رشتہ داروں کے ترکہ میں جس طرح مردوں کا حصہ ہے اسی طرح عورتوں کا بھی۔ خواتین کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے مستقلاً ان کے لیے والدین اور اقارب کے ترکے کا ذکر کیا گیا ہے۔

"قَدْ انْتَظَمَتْ هَذِهِ الْجُمْلَةُ عُمُومًا وَمُجْمَلًا فَأَمَّا الْعُمُومُ فَقَوْلُهُ لِلرِّجَالِ وَلِلنِّسَاءِ وقَوْله تَعَالَى مِمَّا تَرَكَ الْوالِدانِ وَالْأَقْرَبُونَ فلذلك عموم في إيجاب الميراث للرجال وللنساء مِنْ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ " (۲)

مذکورہ آیات مبارکات میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ میراث میں مرد و عورت دونوں وارث ہوں گے اور ہم نے وارثوں کے حصے قطعی اور واجب کر دیئے ہیں۔ کسی کے لیے ان کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔ لفظ مفروضاً سے ظاہر ہوتا ہے کہ وارث اگر اپنے حصے سے اعراض بھی کر لے یا اظہار بیزاری کر دے تب بھی اس کا حصہ ساقط نہیں ہوتا۔

۱۔ سورۃ النساء: ۴/ ۱۱-۱۲

۲۔ أحکام القرآن، أحمد بن علی أبو بکر الرازی الجصاص، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ص: ۲/ ۳۶۶

یہ وہ اہم حق ہے جو اسلام نے تقریباً چودہ سو سال پہلے خواتین کو دیا اور انہیں مردوں کی طرح میراث میں حصہ دار قرار دیا اور ان گوناگوں مظالم کا خاتمہ کیا جو عرب اور دیگر قوموں میں رائج تھے۔ اسلام سے پہلے خواتین کا حق یا تو تسلیم ہی نہیں کیا گیا اور اگر کیا بھی گیا تو مردوں سے اس کا وصول کرنا اور اس کا محفوظ رکھنا کسی کی قدرت میں نہ تھا۔ اسلام نے پہلے تو خواتین کو حقوق دلائے اور پھر ان حقوق کے تحفظ کا مکمل انتظام بھی کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے لڑکیوں کو حصہ دلانے کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ لڑکیوں کے حصے کو اصل قرار دے کر اس کے اعتبار سے لڑکوں کا حصہ بتایا اور ارشاد فرمایا:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ (۱)

ترجمہ: اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ بزرگ وبرتر نے للانثیین مثل حظ الذکر (دو لڑکیوں کو ایک لڑکے کے حصے کے مثل) فرمانے کی بجائے للذکر مثل حظ الانثیین (لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصے کے مثل) کے الفاظ سے تعبیر فرمایا تاکہ میراث میں خواتین کے حصے کی اہمیت کو واضح فرمادے۔ مردوں کے حصوں کے ساتھ ساتھ خواتین کے حصوں کی بھی وضاحت فرمادی ہے تاکہ کوئی ان کے حصوں پر شب خون نہ مار سکے اور انھیں ان کے حق میراث سے محروم نہ کرسکے۔

اسلام نے خواتین کو ہر حیثیت سے میراث میں وارث قرار دیا ہے خواہ وہ بیٹی ہے یا بہن، بیوی ہے یا ماں، دادی ہے یا نانی۔ جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ بیٹی کی وراثت

بیٹی کی وراثت کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ (۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں میراث میں بیٹی کی وراثت کی درج ذیل تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ اگر ایک ہی بیٹی ہو اور اس کے ہمراہ میت کا کوئی بیٹا نہ ہو تو بیٹی کو میت کا نصف ترکہ (۱/۲) ملے گا۔

۱۔ سورۃ النساء:۴/۱۱

۲۔ سورۃ النساء:۴/۱۱

۲. اگر بیٹیاں ایک سے زیادہ ہوں یعنی دو یا دو سے زیادہ ہوں تو دو تہائی (۲/۳) ملے گا جبکہ میت کا بیٹا نہ ہو۔

۳. میت کے بیٹے کی موجودگی کی صورت میں بیٹی بطور عصبہ وارث ہوگی اور بیٹے کو دو حصے ملیں گے جبکہ بیٹی کو ایک حصہ ملے گا۔

۲۔ماں کی وراثت

اگر کسی عورت کا بیٹا یا بیٹی فوت ہو جائے تو وہ (ماں) ان کی جائیداد کی وارث ہوتی ہے اور اس کے متعلق اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ﴾ [1]

ترجمہ: اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے، اگر اس میت کی اولاد ہو، اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے، ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔

آیت مذکورہ کی روشنی میں میراث میں ماں کی وراثت کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

۱. اگر میت کی کوئی اولاد (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی) نہ ہو اور میت کے بہن بھائی بھی نہ ہوں تو ایسی صورت میں ماں جائیداد کے ایک تہائی (۱/۳) حصے کی وارث ہوگی۔

۲. جب ماں کے ہمراہ میت کی کوئی اولاد موجود ہو یا میت کے بہن بھائی موجود ہوں تو ماں کو چھٹا (۱/۶) حصہ ملے گا۔

۳۔بیوی کی وراثت

میراث میں بیوی کی وراثت کے حوالے سے درج ذیل حکم نازل ہوا ہے۔

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ [2]

ترجمہ: اور جو (ترکہ) تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لیے چوتھائی ہے، اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انھیں تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا۔

اس آیت مبارکہ کے مطابق بیوی کے حق وراثت کی دو حالتیں ہیں جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱. اگر خاوند کی کوئی اولاد (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی) نہ ہو تو بیوی اپنے متوفی خاوند کی جائیداد میں سے چوتھے

۱۔ سورۃ النساء: ۴/۱۱

۲۔ سورۃ النساء: ۴/۱۲

(۱/۴) حصے کی وارث ہو گی۔

۲. اگر متوفی کی کوئی اولاد موجود ہو تو بیوی کو متوفیٰ خاوند کے ترکے میں سے آٹھواں (۱/۸) حصہ ملے گا خواہ وہ اولاد اس بیوی سے ہو یا کسی دوسری بیوی سے۔

۳. اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو وہ سب الربع (۱/۴) یا الثمن (۱/۸) حصوں میں برابر برابر کی شریک ہوں گی۔

یعنی اگر میت بے اولاد ہے تو بیوہ کو کل جائیداد کا چوتھا حصہ ملے گا اور اگر متوفی کی ایک سے زائد بیویاں ہیں تو اس کے ترکے کا چوتھا حصہ ساری بیویوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔ اگر میت صاحبِ اولاد ہو تو ایسی صورت میں بیوہ کو کل جائیداد کا آٹھواں حصہ ملے گا جبکہ ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں ترکے کا آٹھواں حصہ تمام بیویوں میں برابر برابر تقسیم کیا جائے گا۔

بیوہ کو مرنے والے کی جائیداد میں حصہ ملنے کے لیے صرف ایک ہی شرط ہے کہ شوہر کی وفات کے وقت وہ اس کے نکاح میں ہو۔ اگر وہ خاوند سے الگ رہ رہی تھی تو بھی شوہر کی جائیداد میں وہ حصے کی حقدار ہے۔ اسی طرح اگر وہ شوہر کے مرنے کے بعد دوسری شادی کر لیتی ہے تب بھی وہ اپنے پہلے شوہر کی جائیداد میں اپنے حصے کی حقدار ہے۔ اس کا حصہ کوئی اس سے واپس نہیں لے سکتا۔ وہ وراثت میں ملنے والی اپنے حصے کی جائیداد کو فروخت کر سکتی ہے یا حسبِ منشا استعمال کر سکتی ہے۔

۴۔ بہن کی وراثت

قرآن کریم میں بہن کی وراثت کے متعلق مندرجہ ذیل احکام دیئے گئے ہیں:

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَها نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُها إِنْ لَمْ يَكُنْ لَها وَلَدٌ فَإِنْ كانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كانُوا إِخْوَةً رِجالاً وَنِساءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (۱)

ترجمہ: آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ (خود) تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اس کے لیے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہو گا اگر اس کے اولاد نہ ہو، پس اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں کل چھوڑے ہوئے کا دو تہائی ملے گا اور اگر کئی شخص اس ناطے کے ہیں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کے لیے حصہ ہے مثل دو عورتوں کے، اللہ تمہارے لیے

۱۔ سورۃ النساء: ۴/۱۷۶

بیان فرمارہاہے کہ ایسانہ ہو کہ تم بہک جاؤاور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

اس آیت مبارکہ میں لفظ "اخت" سے مراد عینی اور علاتی بہن ہے کیونکہ بسااوقات وہ بطور عصبہ وارث بنتی ہے اور اس سے اخیافی بہن مراد نہیں کیونکہ وہ بطور عصبہ وارث نہیں بنتی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((اشْتَكَيْتُ وَعِنْدِى سَبْعُ أَخَوَاتٍ فَدَخَلَ عَلَىَّ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَنَفَخَ فِى وَجْهِى فَأَفَقْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلاَ أُوصِى لأَخَوَاتِى بِالثُّلُثِ قَالَ « أَحْسِنْ ». قُلْتُ الشَّطْرَ قَالَ « أَحْسِنْ ». ثُمَّ خَرَجَ وَتَرَكَنِى فَقَالَ « يَا جَابِرُ لاَ أُرَاكَ مَيِّتًا مِنْ وَجَعِكَ هَذَا وَإِنَّ اللَّهَ قَدْ أَنْزَلَ فَبَيَّنَ الَّذِى لأَخَوَاتِكَ فَجَعَلَ لَهُنَّ الثُّلُثَيْنِ ». قَالَ فَكَانَ جَابِرٌ يَقُولُ أُنْزِلَتْ هَذِهِ الآيَةُ فِىَّ (يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِى الْكَلاَلَةِ)) [1]

ترجمہ: میں بیمار ہوا اور میرے پاس سات بہنیں تھیں، رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے اور میرے چہرے پر پھونک ماری تو مجھے ہوش آگیا، میں نے کہا: اللہ کے رسول! کیا میں اپنی بہنوں کے لیے ثلث مال کی وصیت نہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نیکی کرو، میں نے کہا آدھے مال کی وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نیکی کرو، پھر آپ مجھے چھوڑ کر چلے گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا: جابر! میرا خیال ہے کہ تم اس بیماری سے نہیں مروگے، اور اللہ نے اپنا کلام اتارا ہے اور تمہاری بہنوں کا حصہ بیان کر دیا ہے، ان کے لیے دو ثلث مقرر فرمایا ہے۔ جابر کہا کرتے تھے کہ یہ آیت (یَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِى الْكَلاَلَةِ) میرے ہی متعلق نازل ہوئی ہے۔

عینی بہن کی وراثت

عینی بہن میت کی وہ بہن ہوتی ہے کہ اس کے اور میت کے ماں اور باپ ایک ہی ہوں۔ عینی بہن کی میراث میں وراثت کی صورتیں حسب ذیل ہیں۔

۱. عینی بہن کو اپنے متوفی بھائی کی جائیداد کا نصف (۱/۲) ملے گا جبکہ وہ اکیلی ہو اور میت کی کوئی اولاد (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی) نہ ہو اور نہ ہی باپ، دادا اور کوئی عینی بھائی موجود ہو۔

۲. بہن کو جائیداد کا دو تہائی (۲/۳) ملے گا جب وہ ایک سے زیادہ ہوں اور ان کے ہمراہ میت کی کوئی اولاد، باپ، دادا یا عینی بھائی موجود نہ ہو۔

۳. عینی بہن خواہ ایک ہو یا ایک سے زائد ہوں، اپنے عینی بھائی کی موجودگی میں العصبہ بالغیر بن کر وارث ہو گی ﴿للذکر مثل حظ الانثیین﴾ کی رو سے بہن ایک حصہ لے گی جبکہ بھائی دو حصے لے گا بشرطیکہ میت کی کوئی

۱۔ سنن أبي داود، کتاب الفرائض ،باب مَنْ كَانَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أَخَوَاتٌ، حدیث:۲۸۸۹، ص:۳/۷۹

مذکر اولاد، باپ یا دادا موجود نہ ہو۔

علاتی بہن کی وراثت

علاتی بہن سے مراد میت کی وہ بہن ہے جس کا باپ اور میت کا باپ ایک ہو جبکہ دونوں کی مائیں الگ الگ ہوں اور اس کے حق وراثت کی حالتیں یہ ہیں۔

۱. علاتی بہن کو اپنے متوفٰی بھائی کی جائیداد کا نصف (۲/۱) ملے گا جبکہ وہ اکیلی ہو اور میت کا بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، باپ، دادا، عینی بھائی، عینی بہن اور علاتی بھائی موجود نہ ہوں۔

۲. علاتی بہن اگر ایک سے زائد ہو تو اسے جائیداد کا دو تہائی (۳/۲) حصہ ملے گا۔

۳. میت کی عینی بہن کی موجودگی میں علاتی بہن (چاہے ایک ہو یا ایک سے زیادہ) کو ترکے کا چھٹا (۶/۱) حصہ ملے گا جبکہ میت کی اولاد، باپ، دادا، عینی بھائی اور علاتی بھائی موجود نہ ہوں۔

۴. علاتی بہن خواہ ایک ہو یا زیادہ میت کی بیٹی کی موجودگی میں بطور عصبہ مع الغیر وارث بنتی ہے جبکہ میت کے مذکورہ بالا رشتے دار موجود نہ ہوں۔

۵. علاتی بہن، علاتی بھائی کی موجودگی میں بطور العصبہ بالغیر وارث بنتی ہے جب میت کا بیٹا، پوتا، باپ اور عینی بھائی موجود نہ ہو۔ ایسی صورت میں ﴿للذکر مثل حظ اللانثیین﴾ کی رو سے علاتی بھائی، علاتی بہن سے دوگنا لے گا

اخیافی بہن کی وراثت

اخیافی بہن میت کی وہ بہن ہوتی ہے کہ اس کی اور میت کی ماں تو ایک ہو لیکن باپ جدا جدا ہوں۔ اخیافی بہن اور بھائی کے حق وراثت سے متعلق احکام درج ذیل آیت مبارکہ میں بیان ہوئے ہیں:

﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ﴾ (۱)

ترجمہ: وہ مرد یا عورت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں۔

آیت مبارکہ کی روشنی میں اخیافی بہن اور بھائی کی میراث میں وراثت کی حالتیں حسب ذیل ہیں۔

۱. اخیافی بہن اور بھائی کو جائیداد کا چھٹا (۶/۱) حصہ ملے گا جبکہ وہ اکیلی یا اکیلا ہو اور میت کی کوئی اولاد، باپ اور دادا موجود نہ ہوں۔

۱۔ سورۃ النساء: ۴/۱۲

۲. اخیافی بہن اور بھائی کو جائیداد کا ایک تہائی (۱/۳) حصہ ملے گا اگر وہ ایک سے زائد ہوں خواہ وہ سب بہنیں ہوں یا سب بھائی ہوں یا بہن بھائی دونوں ہوں۔

۵۔ دادی اور نانی کی وراثت

دادی سے مراد باپ کی ماں ہے جبکہ نانی سے مراد ماں کی ماں ہے۔ اسلام انہیں بھی میراث میں حصے دار قرار دیتا ہے جبکہ میت کی ماں موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں دادی اور نانی کو جائیداد کا چھٹا (۱/۶) حصہ ملتا ہے خواہ دادی یا نانی اکیلی ہو، یا وہ دونوں اکٹھی مسئلہ میں موجود ہوں، اگر وہ دونوں ایک ہی درجے میں ہوں تو (۱/۶) ان کے درمیان برابر برابر تقسیم کیا جائے گا۔

دادی و نانی کے میراث میں حصے کی بابت دلیل ہمیں درج ذیل احادیث سے ملتی ہے۔ حضرت قبیصہ بن ذویب سے روایت ہے کہ ایک شخص کی دادی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر اپنی میراث طلب کی۔

۱۔ ((جَاءَتِ الْجَدَّةُ إِلَى أَبِى بَكْرٍ الصِّدِّيقِ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا فَقَالَ مَا لَكِ فِى كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى شَىْءٌ وَمَا عَلِمْتُ لَكِ فِى سُنَّةِ نَبِىِّ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم شَيْئًا فَارْجِعِى حَتَّى أَسْأَلَ النَّاسَ. فَسَأَلَ النَّاسَ فَقَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ حَضَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم أَعْطَاهَا السُّدُسَ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ هَلْ مَعَكَ غَيْرُكَ فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَأَنْفَذَهُ لَهَا أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ جَاءَتِ الْجَدَّةُ الأُخْرَى إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضى الله عنه تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا فَقَالَ مَا لَكِ فِى كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى شَىْءٌ وَمَا كَانَ الْقَضَاءُ الَّذِى قُضِىَ بِهِ إِلاَّ لِغَيْرِكِ وَمَا أَنَا بِزَائِدٍ فِى الْفَرَائِضِ وَلَكِنْ هُوَ ذَلِكَ السُّدُسُ فَإِنِ اجْتَمَعْتُمَا فِيهِ فَهُوَ بَيْنَكُمَا وَأَيَّتُكُمَا خَلَتْ بِهِ فَهُوَ لَهَا.)) [1]

ترجمہ: میت کی نانی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس میراث میں اپنا حصہ دریافت کرنے آئی تو انھوں نے کہا: اللہ کی کتاب (قرآن پاک) میں تمہارا کچھ حصہ نہیں ہے، اور مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بھی تمہارے لیے کچھ نہیں معلوم، تم جاؤ میں لوگوں سے دریافت کرکے بتاؤں گا، پھر انھوں نے لوگوں سے پوچھا تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا، آپ نے اسے چھٹا حصہ دلایا ہے۔ اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے (جو اس معاملے کو جانتا ہو) تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی وہی بات کہی جو مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہی تھی، تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے اسی کو نافذ کر دیا، پھر عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں دادی ان کے پاس اپنی میراث مانگنے آئی، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ کی کتاب (قرآن پاک) میں تمہارے حصے کا ذکر

۱۔ سنن أبي داؤد، کتاب الفرائض، باب فِي الْجَدَّةِ، حدیث: ۲۸۹۶، ص: ۸۱/۳

نہیں ہے اور پہلے (رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور ابو بکر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے زمانے میں) جو حکم ہو چکا ہے وہ نانی کے معاملے میں ہوا ہے، میں اپنی طرف سے فرائض میں کچھ بڑھا نہیں سکتا، لیکن وہی چھٹا حصہ تم بھی لو، اگر نانی بھی ہو تو تم دونوں (سدس) کو بانٹ لو اور جو تم دونوں میں اکیلی ہو (یعنی صرف نانی یا دادی) تو اس کے لیے وہی چھٹا حصہ ہے۔

محمد بن عبد العزیز، ابی رزمہ، عبید اللہ بن برید، حضرت بریدہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ:

٢۔ ((أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم جَعَلَ لِلْجَدَّةِ السُّدُسَ إِذَا لَمْ تَكُنْ دُونَهَا أُمٌّ.)) [١]

ترجمہ: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نانی کا چھٹا حصہ مقرر فرمایا ہے اگر ماں موجود نہ ہو (یعنی اگر میت کی ماں زندہ ہو گی تو وہ نانی کو حصے سے محروم کر دے گی)

مذکورہ احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دادی اور نانی کی میراث چھٹا (١/٦) حصہ ہے چاہے وہ ایک ہو یا زیادہ، اور اگر زیادہ ہوں تو چھٹا حصہ ان کے درمیان برابر برابر تقسیم کیا جائے گا۔

٦۔ پوتی کی وراثت

پوتی سے مراد میت کے بیٹے کی بیٹی ہے۔ اور پوتی کے میراث میں حق وراثت کی دلیل درج ذیل آیت مبارکہ ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ [٢]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے۔

سب مفسرین اس پر متفق ہیں کہ مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں "اولاد" سے مراد متوفی کی صلبی اولاد ہے اور صلبی اولاد کی عدم موجودگی میں پوتا بیٹے کے درجے میں آجاتا ہے اور پوتی بیٹی کے درجے میں آجاتی ہے۔

((وَقَالَ زَيْدٌ: «وَلَدُ الأَبْنَاءِ بِمَنْزِلَةِ الوَلَدِ، إِذَا لَمْ يَكُنْ دُونَهُمْ وَلَدٌ ذَكَرٌ، ذَكَرُهُمْ كَذَكَرِهِمْ، وَأُنْثَاهُمْ كَأُنْثَاهُمْ، يَرِثُونَ كَمَا يَرِثُونَ، وَيَحْجُبُونَ كَمَا يَحْجُبُونَ، وَلاَ يَرِثُ وَلَدُ الِابْنِ مَعَ الِابْنِ»)) [٣]

ترجمہ: حضرت زید رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کہتے ہیں کہ بیٹوں کے بیٹے اس وقت بیٹوں جیسے ہوتے ہیں جب ان کے سامنے ان کے مرد

١۔ سنن أبي داود، كتاب الفرائض ،باب فِي الْجَدَّةِ، حدیث: ٢٨٩٦، ص:٣/٨١

٢۔ سورۃ النساء: ٤/١١

٣۔ صحیح بخاری، كتاب الفرائض ،باب ميراث ابن الابن إذا لم يكن ابن، ص: ٦/٢٤٧٧

کا بیٹا ان کے مر د جیسا نہ ہو اور ان میں سے مؤنث (عورت) مؤنث جیسی نہ ہو، یہ ایسے وارث بنتے ہیں جیسے وہ وارث بنتے ہیں اور پردے میں ایسے چلے جاتے ہیں جیسے وہ چلے جاتے ہیں اور مذکر کے موجود ہوتے ہوئے بیٹے کا لڑکا وارث نہیں بنتا۔

مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ میں بھی اس حوالے سے حکم ملتا ہے۔ حضرت ہذیل بن شرجیل اودی سے روایت ہے کہ:

((جَاءَ رَجُلٌ إِلَى أَبِى مُوسَى الأَشْعَرِيِّ وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ فَسَأَلَهُمَا عَنِ ابْنَةٍ وَابْنَةِ ابْنٍ وَأُخْتٍ لأَبٍ وَأُمٍّ فَقَالاَ لاِبْنَتِهِ النِّصْفُ وَلِلأُخْتِ مِنَ الأَبِ وَالأُمِّ النِّصْفُ وَلَمْ يُوَرِّثَا ابْنَةَ الاِبْنِ شَيْئًا وَأْتِ ابْنَ مَسْعُودٍ فَإِنَّهُ سَيُتَابِعُنَا فَأَتَاهُ الرَّجُلُ فَسَأَلَهُ وَأَخْبَرَهُ بِقَوْلِهِمَا فَقَالَ لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ وَلَكِنِّى سَأَقْضِى فِيهَا بِقَضَاءِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لاِبْنَتِهِ النِّصْفُ وَلاِبْنَةِ الاِبْنِ سَهْمٌ تَكْمِلَةُ الثُّلُثَيْنِ وَمَا بَقِىَ فَلِلأُخْتِ مِنَ الأَبِ وَالأُمِّ.)) [1]

ترجمہ: ایک شخص ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور سلیمان بن ربیعہ کے پاس آیا اور دونوں سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک بیٹی ہو اور ایک پوتی اور ایک سگی بہن (یعنی ایک شخص ان کو وارث چھوڑ کر مرے) تو اس کی میراث کیسے بٹے گی؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ بیٹی کو آدھا اور سگی بہن کو آدھا ملے گا اور انہوں نے پوتی کو کسی چیز کا وارث نہیں کیا (اور ان دونوں نے پوچھنے والے سے کہا) تم عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی جا کر پوچھو تو وہ بھی اس مسئلے میں ہماری موافقت کریں گے، تو وہ شخص ان کے پاس آیا اور ان سے پوچھا اور انہیں ان دونوں کی بات بتائی تو انہوں نے کہا: تب تو میں بھٹکا ہوا ہوں گا اور راہ یاب لوگوں میں سے نہ ہوں گا، لیکن میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، اور وہ یہ کہ بیٹی کا آدھا ہو گا اور پوتی کا چھٹا حصہ ہو گا دو تہائی پورا کرنے کے لیے (یعنی جب ایک بیٹی نے آدھا پایا تو چھٹا حصہ پوتی کو دے کر دو تہائی پورا کر دیں گے) اور جو باقی رہے گا وہ سگی بہن کا ہو گا۔

مندرجہ بالا آیت اور احادیث کی روشنی میں میراث میں پوتی کے حق وراثت کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

۱. پوتی اگر اکیلی ہو اور میت کا بیٹا، بیٹی یا پوتا موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں پوتی کو جائیداد کا (۲/۱) حصہ ملے گا۔

۲. اگر میت کا بیٹا، بیٹی اور پوتا نہ ہو اور پوتیاں ایک سے زائد ہوں تو انہیں جائیداد کا دو تہائی (۳/۲) ملے گا۔

۳. پوتی کو جائیداد کا چھٹا (۶/۱) ملے گا خواہ پوتیاں ایک سے زائد ہی ہوں اگر ان کے ہمراہ میت کی ایک بیٹی موجود ہو یعنی بیٹیوں کے حصے (۳/۲) کو پورا کرنے کے لیے، (جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں تکملۃ الثلثین [2] کی

۱۔ سنن ابی داوٗد، کتاب الفرائض ،باب مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الصُّلْبِ حدیث: ۲۸۹۲،ص:۳/۸۰

۲ ۔ تکملۃ الثلثین: بیٹی کو آدھا حصہ اور پوتی کو چھٹا حصہ دے کے دو تہائی پورا کرنا۔

صورت بیان کی گئی ہے۔) جبکہ میت کا بیٹا اور پوتا بھی موجود نہ ہو۔

میت کے پوتے کی موجودگی میں پوتی عصبہ بن کر وارث ہوگی، پوتے کو دو حصے ملیں گے اور پوتی کو ایک حصہ ﴿للذکر مثل حظ اللانثیین﴾ کے قاعدے کے تحت ملے گا۔ جبکہ میت کا بیٹا موجود نہ ہو۔ یعنی پوتی اور پوتا میت کے بیٹے کی موجودگی کی صورت میں وراثت سے محروم ہو جائیں گے۔

یہودیت واسلام میں خواتین کے حقِ میراث کا تقابل

یہودیت واسلام میں خواتین کے حقِ وراثت کے باہمی تقابل سے درج ذیل نکات اخذ ہوتے ہیں۔

۱. اسلام بیٹے کی موجودگی میں بیٹی کو حق میراث دیتا ہے جبکہ یہودی مذہب اس صورت میں بیٹی کو محروم کر دیتا ہے

۲. اگر صرف بیٹی ہو اور بیٹا نہ ہو تو ایسی صورت میں اسلام بیٹی کو نصف حصے کا مالک قرار دیتا ہے جبکہ یہودیت میں ایسی صورتحال میں بیٹی وارث بنتی ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ خاندان میں نکاح کرے۔

۳. اسلام تمام بیٹیوں کو یکساں حصہ دیتا ہے چاہے وہ بالغ ہوں یا نہ ہوں جبکہ یہودیت میں صرف نان ونفقہ کا حق دیا جاتا ہے جب تک ان کی شادی نہ ہو جائے۔

۴. اسلام بیوی کو اس کے خاوند کے ترکے میں سے حصہ دیتا ہے جبکہ یہودیت میں بیوی کو شوہر کی میراث میں سے کچھ نہیں ملتا۔

۵. اسلام خاوند کی ملکیت سے بیوہ کے لیے حصہ مقرر کرتا ہے جبکہ یہودیت میں اگر متوفی کا بیٹا نہیں تو ایسی صورت میں میت کا بھائی اس کا وارث بنے گا۔ بیوہ صرف نگران بن سکتی ہے جب تک اس کے بیٹے جوان نہ ہو جائیں۔

۶. اسلام ماں کو بھی حقِ وراثت عطا کرتا ہے جبکہ یہودیت میں ماں کسی صورت میں بھی وارث نہیں بنتی۔

۷. اسلام میت کی ماں کی عدم موجودگی میں دادی اور نانی کو بھی میراث میں حصہ دیتا ہے جبکہ یہودیت میں ان کے لیے کسی صورت میں کوئی حصہ مقرر نہیں ہے۔

۸. اسلام نے قانون میراث میں خواتین کے لیے بحیثیت بیٹی، بیوی، ماں اور بہن کے ان کے حصے متعین کر دیئے ہیں۔ خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ انہیں انکا متعین حصہ ضرور ملے گا جبکہ یہودیت میں عورت کا حصہ متعین نہیں ہے۔

۹. اسلام حق میراث کے حصول کے لیے عورت پر خاندان میں شادی کرنے کی پابندی عائد نہیں کرتا جبکہ یہودیت میں بیٹے کی عدم موجودگی میں عورت کو میراث اس شرط پر ملتی ہے کہ وہ خاندان میں شادی کرے۔

۱۰. اسلام ارتکاز دولت کو پسند نہیں کرتا اور معاشرے میں دولت کی گردش کا تقاضا کرتا ہے جبکہ یہودیت میں جائیداد خاندان سے باہر جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ لامحالہ عورت کو وراثت کے حصول کے لیے خاندان

میں ہی شادی کرنی پڑتی ہے۔

الغرض اسلام نے ہر حیثیت سے خواتین کو میراث میں حق وراثت سے نوازا ہے اور حقوق کا تعین کرتے ہوئے اسے فراموش نہیں کیا بلکہ اپنے قانون وراثت میں اسے بنیادی اکائی کی حیثیت دی ہے اور اسی کے حصے کو پیمانہ قرار دیا ہے۔ اسلام نے عورت کو جو عزت و مقام اور مرتبہ دیا ہے اس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب اور قانون میں نہیں ملتی۔ واحد اسلامی قانون وراثت ہے جس میں خواتین حق وراثت کی مستحق نظر آتی ہیں اور ان کے اس حق کو خالق کائنات نے خود اپنی آخری الہامی کتاب میں بیان فرما کر اس کی اہمیت کو واضح فرما دیا ہے کہ مردوں کی طرح خواتین بھی میراث کی حقدار ہیں اور کسی کو بھی ان کے حقوق پر شبخون مارنے کی اجازت نہیں اور دیگر مذاہب و قوانین کے تصورات کو باطل قرار دے کر یکسر رد کر دیا ہے۔

فصل سوم

خواتین کے حق وراثت میں مشترکات و ممیزات

اسلام کے قانونِ میراث کا یہودی قانونِ وراثت سے تقابل کرنے سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ اسلام سے بہتر احکام و قوانین نہ کسی مذہب میں پائے جاتے ہیں اور نہ ہی عقل انسانی تشکیل دے سکتی ہے کیونکہ دینِ اسلام میں ہر انسان کی دنیوی واخروی فلاح کو مد نظر رکھا گیا ہے اور دنیوی زندگی کے معاملات کے ساتھ ساتھ اخروی زندگی کے معاملات و مسائل کے بارے میں بھی بھرپور رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔ دین اسلام میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے میراث کے متعلق عادلانہ و منصفانہ تعلیمات دے کر مرحومین کے پسماندگان کے لیے مامون و محفوظ دنیوی زندگی کا اہتمام فرمادیا اور مردوں کی طرح خواتین کو بھی میراث میں حق وراثت عطا فرمایا اور جاہلانہ سوچ ورسوم کا خاتمہ کر دیا۔ اسلام سے قبل دنیا کے کسی بھی مذہب میں عورت کے حق میراث کو تسلیم نہیں کیا گیا۔

محمد صلاح الدین لکھتے ہیں کہ:

"قدیم دنیا میں مختلف توہماتی خیالات کے تحت عورت کو حقیر سمجھ لیا گیا تھا۔ اس کے نتیجے میں عورت کو جن حقوق سے محروم کیا گیا ان میں سے ایک جائیداد کا حصہ تھا۔ خاندان کی جائیداد میں عورت کا حصہ ختم کر دیا گیا یہ اسلام ہے جس نے تاریخ میں پہلی بار باقاعدہ طور پر عورتوں کا وراثتی حصہ مقرر کیا" (۱)

پروفیسر محمد یوسف خان تحریر کرتے ہیں کہ:

"اسلام نے "تکریم و احترام انسانیت" کا لازوال درس دیا، ہر ایک کو اس کا جائز اور مناسب حق دیا، عورت جو قبل از اسلام پاؤں کی جوتی سمجھی جاتی تھی اسے سر کا تاج بنایا، اسے وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا، اسلام نے اسے وراثت میں حصہ دار قرار دیا" (۲)

لیکن عہد حاضر میں مسلم معاشروں میں بھی علم میراث عملاً بالکل ناپید ہو گیا ہے اور میراث کو اس کے قانون کے مطابق شرعی ورثاء میں تقسیم نہیں کیا جاتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسلام کا قانون وراثت ایک تصور اور خواب بن کر رہ گیا ہے، جس کا معاشرے میں کوئی وجود ہی نہیں تو یہ بے جا نہ ہو گا۔

علم میراث سے بے خبری اور حد درجہ غفلت کا شکار خواتین ہی ہوئیں اور نتیجتاً لوگوں نے بہنوں کو میراث کا حصہ دینا ہی بند کر دیا ہے۔ بہنوں کی آنکھوں کے سامنے اطمینان و تسلی کے ساتھ بیٹھ کر باپ کا ترکہ آپس میں تقسیم کرتے

۱۔ بنیادی حقوق، محمد صلاح الدین، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص:۳۲

۲۔ تقابل ادیان، مولانا پروفیسر محمد یوسف خان، ص:۲۲۹

ہیں اور بہنوں کا حصہ بھی آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں بہنیں عمر بھر کے لیے اپنے حصے سے محروم ہو جاتی ہیں اور صرف بہنیں ہی نہیں بلکہ بیوائیں اور یتیم بچے اور بچیاں بھی اس ظلم کا نشانہ بنتے ہیں کہ ان کا حصہ طاقتور مرد ورثاء ہڑپ کر جاتے ہیں۔ یہ بعینہٖ زمانہ جاہلیت کی وہ شکل ہے جس میں مرد اپنی طاقت کے بل بوتے پر میراث کو اپنا حق گردانتے تھے جبکہ عورتوں اور بچوں کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يُوَرِّثُونَ الْبَنَاتِ وَلَا الصِّغَارَ حَتَّى يُدْرِكُوا" (۱)

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت میں نہ تو عورتوں کو میراث دیتے تھے اور نہ بالغ ہونے سے پہلے لڑکوں کو۔

بالکل اسی طرح آج ہمارے معاشرے میں بھی خواتین کو مکمل طور پر ان کے حقِ وراثت سے محروم کر دیا گیا ہے خواتین کے حق وراثت کے حوالے سے یہودیت و اسلام میں جو مشترکات و ممیزات ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

یہودی نظام وراثت میں عورت کی حیثیت

یہودیت کا شمار دنیا کے ان مذاہب میں ہوتا ہے جنہوں نے صرف چند عقائد و نظریات پیش کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی بنیاد پر عملی زندگی سے بھی بحث کی ہے، اس لیے اس مذہب سے توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ خواتین کے بارے میں حقیقت پسندانہ خیالات و افکار کا اظہار کرے اور انھیں ان کے حقوق عطا کرے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے اور دنیا کے دیگر مذاہب و قوانین کی طرح یہودیت میں بھی عورت کی حیثیت دگرگوں ہی نظر آتی ہے۔ یہودیت میں عورت وصیت، شہادت اور وراثت جیسے حقوق سے محروم رہتی ہے اور وراثت میں اسے کوئی حصہ نہیں ملتا۔

عبد القیوم ندوی لکھتے ہیں کہ:

"یہود کے قانونِ شریعت کے مطابق عورت کو مرد کے مساوی حقوق دینا تو ایک طرف رہا بلکہ مرد کو کھلی چھٹی دی کہ وہ اپنی بیوی پر ہر لحاظ سے بے جابرتری کا دعویدار ہو، عورت مہر کے علاوہ کسی چیز کی حقدار نہیں۔ معصیتِ اول چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوئی تھی اس لیے اسے شوہر کا محکوم رکھا گیا اور شوہر اس کا حاکم ہے، شوہر اس کا آقا اور مالک ہے اور وہ اس کی مملوکہ ہے" (۲)

پروفیسر محمد یوسف خان نے لکھا ہے کہ:

"تورات کی عبرانی زبان میں "بیوی" کو "بصولہ" کا نام دیا گیا ہے جس کا معنی "جائیداد منقولہ" ہے۔

۱۔ فتح القدیر، امام شوکانی، ص: ۱/ ۴۹۴

۲۔ اسلام اور عورت، مولانا عبد القیوم ندوی، البدر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۳، ص: ۲۵

"اس اعتبار سے شوہر اپنی بیوی کا مالک ہے اور شوہر کے انتقال کے بعد اس کی دوسری جائیداد کی طرح وراثت میں اس کی بیوی کو بھی تقسیم کر دیا جائے گا" (۱)

عبدالوہاب ظہوری یہودیت میں قانون وراثت پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"یہود کے قانون وراثت میں بیٹی کا درجہ پوتوں کے بعد آتا ہے، اگر کسی میت کا لڑکا نہ ہو تو وراثت پوتے کے لیے ہے۔ اور اگر پوتا بھی نہ ہو تو اس صورت میں وراثت لڑکی کی ہے" (۲)

یعنی یہودی قانون میں مرد وارث کی موجودگی میں عورت وراثت سے محروم ہو جاتی ہے۔ میت کا بیٹا یا بیٹے ہی وراثت کے سب سے پہلے حقدار ہوتے ہیں اور ان کی موجودگی میں عورت کو حق وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ قدیم قانون یہود میں تو بیٹی مطلقاً وراثت کی حقدار نہ تھی مگر بعد میں بیٹوں کی غیر موجودگی میں بیٹیوں کو وراثت کا حقدار قرار دے دیا گیا۔

"صلافحاد کی بیٹیاں ٹھیک کہتی ہیں تو ان کو ان کے باپ کے بھائیوں کے ساتھ ضرور ہی میراث کا حصہ دینا یعنی ان کو ان کے باپ کی میراث ملے گی اور بنی اسرائیل سے کہہ کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کا کوئی بیٹا نہ ہو تو اس کی میراث اس کی بیٹی کو دینا" (۳)

بصورتِ دیگر وہ صرف نان نفقے کی مستحق ہوتی ہے اور وہ بھی بلوغت تک پہنچنے کی حد تک اور شادی کرنے کی صورت میں وہ باپ کی جائیداد میں سے صرف شادی کے اخراجات کی ہی حقدار ہوتی ہے۔

یہودیت دراصل ایک نسلی دین ہے جس کی بنیاد نسل اور قوم ہے۔ اسی لیے یہود میراث کے کسی دوسرے خاندان میں جانے کے قائل نہیں لہذا بائیبل مقدس کی تعلیمات کے مطابق میراث میں سے حصہ پانے والی لڑکی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسی خاندان میں شادی کرے تاکہ میراث کسی دوسرے خاندان میں نہ جائے۔

"اور اگر بنی اسرائیل کے کسی قبیلے میں کوئی لڑکی ہو جو میراث کی مالک ہو تو وہ اپنے باپ کے قبیلہ کے کسی خاندان میں بیاہ کرے تاکہ ہر اسرائیلی اپنے باپ دادا کی میراث پر قائم رہے" (۴)

بائیبل مقدس کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہودیت میں میراث کے متعلق احکام موجود ہیں اور جہاں خاندان کے مردوں کو میراث کا حقدار ٹھہرایا گیا ہے وہاں خواتین میں سے بیٹی بھی وراثت میں حقدار نظر آتی

۱۔ تقابل ادیان، مولانا پروفیسر محمد یوسف خان، ص:۱۹۵

۲۔ اسلام کا نظامِ حیات، عبدالوہاب ظہوری، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۲، ص:۱۷۴

۳۔ بائیبل مقدس، عہد نامہ قدیم، گنتی، ۲۷:۷۔۸

۴۔ ایضاً، گنتی، ۳۶:۸

ہیں۔اگرچہ اس کی صورتیں مختلف ہیں اگر لڑکی کو بیٹے کی عدم موجودگی میں جائیداد اس صورت میں مل رہی ہے کہ خاندان میں شادی کرے تو دوسری طرف بیٹی کی حیثیت سے وہ بیٹے کے بعد میراث میں باقی خاندان کے مرد حصہ داروں پر مقدم اور برتر دکھائی دیتی ہے، اگر بیٹے کو بیٹی پر میراث میں برتری دی گئی ہے تو اس کی وجہ اس پر مستورات کی معاشی ذمہ داریاں ہیں اور اس کے ساتھ ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ میراث خاندان کے باہر دوسرے قبیلے میں نہ جائے یہی وجہ ہے کہ ایک بیوہ کو دیور سے اور بیٹی کو خاندان میں ہی شادی کے لیے کہا گیا ہے۔

بہر کیف تقسیم میراث کی صورتیں کچھ بھی ہوں دین موسوی میں عورت کے لیے بھی حق وراثت کی تعلیمات پائی جاتی تھیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحبِ شریعت رسول تھے اور تمام انبیاء کا اصل دین، دینِ اسلام ہی تھا لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل کے کاہنوں، ربیوں اور احبار نے اپنے اپنے خیالات اور رجحانات، شرکیہ عقائد، باطل رسوم اور خود ساختہ مذہبی ضوابط سے اصل تعلیمات کو مسخ کر دیا۔ تورات میں عورتوں کا حصہ مقرر تو بے شک کیا گیا تھا مگر تقسیم کی تکلیف کو رفع کرنے کے لیے ساتھ ہی اپنے خاندان میں شادی کی سفارش کر کے عملاً اس حصہ کو تقریباً ختم ہی کر دیا گیا تھا۔ بنی اسرائیل فرقوں اور گمراہیوں میں پڑ گئے اور اللہ تعالیٰ کے جس حکم کو اپنے خیالات اور نفسانی خواہشات کے خلاف سمجھتے تو اسے ضائع یا حذف کر دیا کرتے تھے اور قرآن مجید بھی ان کے اس قبیح فعل کی گواہی دیتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ﴾ [1]

ترجمہ: پس تباہی وہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھ سے کتاب کو لکھتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے تھوڑی قیمت حاصل کریں پس تباہی وبربادی ہے ان لوگوں کے لیے جو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور ہلاکت ہے ان کے لیے جو وہ کماتے ہیں۔

مذکورہ آیت مبارکہ میں بتایا جارہا ہے کہ یہودی علماء کی یہی بد اعمالیاں تھیں کہ جب ان سے لوگ کوئی مسئلہ دریافت کرتے تو ان کے علماء لوگوں سے روپیہ پیسہ لے کر اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تبدیل کر دیتے اور اپنے ہاتھوں سے لکھ کر کہتے کہ یہ اللہ کا حکم تورات میں ہے تو اس طرح اپنے مفادات کے حصول کے لیے احکاماتِ الٰہی کو تبدیل کرتے اور ان میں تحریف کیا کرتے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہودیت میں عورت کو تو انسان سمجھنے میں بھی پس وپیش سے کام لیا گیا ہے اور اسے مرد کی خدمت کے لیے انسان نما حیوان قرار دیا گیا ہے۔ چوہدری غلام رسول رقمطراز ہیں:

۱۔ سورۃ البقرۃ:۲/۷۹

"یہودیت میں عورت وراثت میں حصہ دار نہیں ٹھہرائی گئی ہے یہاں تک کہ اس کی اپنی کمائی بھی اس کی شادی سے پہلے اس کے والدین کی ہوتی ہے اور شادی کے بعد اس کی کمائی سے حاصل شدہ آمدنی اس کے شوہر کی ہوتی ہے۔یہودیت میں عورت کی کوئی حیثیت نظر نہیں آتی یہاں تک کہ باپ کی بیویاں بھی بیٹے کی وراثت میں شمار ہوتی ہیں"[1]

اسی حوالے سے مولانا ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے کہ:

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کتابوں کی تعلیم کے مطابق لڑکی باپ کی میراث سے خارج ہو جاتی ہے، اگر اس کی اولاد ذکور موجود ہو۔یہ اس ہبہ کی قبیل سے ہے جسے باپ اپنی زندگی میں اختیار کرتا ہے تاکہ مرنے کے بعد واجباتِ شرعیہ کی طرح میراث واجب نہ ہو۔میراث کے بارے میں حکم صریح یہ ہے کہ جب تک اولاد ذکور رہے گی لڑکی اس سے محروم رہے گی، اور جس لڑکی کو میراث ملے گی اسے کسی دوسرے قبیلہ میں شادی کی اجازت نہ ہوگی یہ حکم کتب توراۃ میں متعدد جگہوں پر ہے"[2]

ایس ایف خیر اللہ نے تحریر کیا ہے:

"موسوی شریعت میں حکم تھا کہ وارث صرف قانونی بیوی کے بیٹے ہوتے ہیں، پہلوٹھے بیٹے کو پہلوٹھے کا حق ملتا تھا یعنی وہ اپنے والد کی جائیداد میں دو حصوں کا حق دار تھا اور اس کا فرض تھا کہ وہ خاندان کی مستورات کی دیکھ بھال اور پرورش کرے۔باقی بیٹوں کو ایک ایک حصہ ملتا تھا۔اگر کسی کے بیٹا نہ ہو تو جائیداد بیٹیوں کو ملتی تھی لیکن شرط یہ تھی کہ وہ صرف اپنے قبیلہ میں شادی کریں"[3]

الغرض جب ہم یہودی مذہب کا تحقیقی مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت منصۂ شہود پر آتی ہے کہ یہودی معاشرے میں یہودی عورت کی کوئی انفرادی حیثیت نہیں اور نہ ہی وہ معاشرے میں کسی مقام کی مستحق سمجھی جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہودی عورت کو خاندانی معاملات اور وراثت جیسے اہم مسئلہ میں بھی نظرانداز کر دیا گیا ہے اسے شوہر کی جائیداد میں سے بھی کوئی حصہ نہیں دیا گیا ہے۔باپ کی وراثت اور شوہر کی جائیداد کے علاوہ اسے اپنی کمائی سے بھی ہاتھ دھونے پڑے ہیں۔یہودیت میں باپ کی ساری کمائی کا مالک اور وارث صرف اور صرف بیٹا ہے اس لیے یہودیت میں اولاد نرینہ کی موجودگی میں عورت کے حق وراثت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ا۔ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، چوہدری غلام رسول ایم۔اے، علمی کتب خانہ، لاہور، ص:۳۹۳

۲۔ اسلام میں عورت کا درجہ اور اس کے حقوق و فرائض، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، مرتبہ: مولانا عزیز اللہ ندوی، جامعہ المؤمنات الاسلامیۃ، دوبگا ہردوئی روڈ، لکھنؤ، ص:۳۲

۳۔ قاموس الکتاب، ص:۹۸۵

اسلامی نظام وراثت میں عورت کی حیثیت

اس کے برعکس دین اسلام حقوقِ نسواں کا محافظ ہے۔اسلامی قوانین کے مطابق مرد وعورت برابر ہیں۔شریعت اسلامیہ عورت ومرد دونوں کی زندگی اور وراثت کی حفاظت کرتی ہے۔اس لیے اسلام دوسرے مذاہب سے ممتاز ہے کہ اس میں عدل وانصاف پایاجاتاہے اور یہ ایک ایسا مذہب ہے جس میں پورے نظام حیات کے لیے احکام دیئے گئے ہیں۔یہ صرف عبادات و اخلاقیات تک محدود نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کی ہر قدم پر رہنمائی کرتا ہے یہاں تک کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے ترکے کی تقسیم کے اصول وضوابط بھی مقرر و متعین کرتا ہے۔اور ان دلائل باطلہ (کہ عورت گنہگار وحقیر ہے اور معصیتِ اول کی ذمہ دار ہے جس کی وجہ سے عذابِ الٰہی کی سزاوار ہے وغیرہ) کارد کرتا ہے جنہیں بنیاد بناکر یہودی مذہب میں خواتین کو حق وراثت سے محروم کیا جاتاہے اور وراثت کو اولادِ نرینہ اور اس میں سے بھی بڑی اولاد کا حق سمجھا جاتاہے۔اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو مردوں کی طرح خواتین کو بھی میراث میں حصہ دار قرار دیتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اعلان کرتاہے کہ:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا﴾ (۱)

ترجمہ:ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکے میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی۔(جوماں باپ اور خویش و اقارب چھوڑ کر مریں)خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ(اس میں)حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی صراحت سے ذکر کیا گیا کہ وہ بھی وراثت کی حقدار ہیں۔ مردوں کے حق کو جس تفصیل سے بیان کیا گیاہے اسی تفصیل و توضیح کے ساتھ خواتین کے حق کو بھی بیان فرمایا گیا ہے جس کا مقصد دونوں کے حقوق کی اہمیت اور مستقل ہونے کی وضاحت کرنااور رسوم باطلہ کارد کرنا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"كَانَ الْمُشْرِكُونَ يَجْعَلُونَ الْمَالَ لِلرِّجَالِ الْكِبَارِ، وَلَا يُوَرِّثُونَ النِّسَاءَ وَلَا الْأَطْفَالَ شَيْئًا، فَأَنْزَلَ اللَّهُ: {لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ [وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا] أَيِ: الْجَمِيعُ فِيهِ سَوَاءٌ فِي حُكْمِ اللَّهِ تَعَالَى، يَسْتَوُونَ فِي أَصْلِ الْوِرَاثَةِ وَإِنْ تَفَاوَتُوا بِحَسَبِ مَا فَرَضَ اللَّهُ لِكُلٍّ مِنْهُمْ، بِمَا يُدْلِي بِهِ إِلَى الْمَيِّتِ مِنْ قَرَابَةٍ، أَوْ زَوْجِيَّةٍ، أَوْ وَلَاءٍ. فَإِنَّهُ لُحْمَةٌ كَلُحمة النَّسَبِ." (۲)

۱۔ سورۃ النساء:۴/۷

۲۔ تفسیر القرآن العظیم،(تفسیر ابن کثیر)،ابن کثیر،ابوالفداء اسماعیل بن عمر،ص:۲/ ۱۹۲

ترجمہ: مشرکین کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنی بڑی اولاد کو اپنا وارث بنا لیتے تھے لیکن عورتوں اور بچوں کو نہ دیتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اصل وراثت میں تمام حق دار برابر ہیں اگرچہ ان تمام کے حصے الگ الگ مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ ورثاء میں سے کوئی مرنے والے کے ساتھ قرابت داری رکھتا ہے اور کسی کا زوجیت کے لحاظ سے تعلق ہے اور کسی کا اس لحاظ سے ہے کہ میت نے اسے آزاد کیا ہے کیونکہ یہ تعلق بھی نسبی تعلق کی طرح ہے۔

لہٰذا اسلامی قانون وراثت کی رو سے لڑکی کبھی محروم نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اسلامی قانون وراثت کی بنیادی اکائی ہی لڑکی ہے تو غلط نہ ہو گا کہ جس کے حصے کو بنیاد بنا کر میراث کے حصوں کا تعین کیا گیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ (۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

اسلام عورت کو بحیثیت ماں، بہن، بیٹی، بیوی، پوتی، نانی و دادی وراثت کا مستحق قرار دیتا ہے اور میراث کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ان کے حقداروں کے سپرد کرنے کی تلقین کرتا ہے اور ان حقوق کی حفاظت کے لیے ان کی درست ادائیگی پر اجر و ثواب کا وعدہ کرتا ہے اور ان میں کوتاہی کرنے اور حقداروں کا حق سلب کرنے پر رسوا کن دائمی عذاب کی وعید سناتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾ (۲)

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

الغرض اللہ تبارک وتعالیٰ نے ناصرف قرآن حمید میں احکام میراث کو بیان فرمایا بلکہ ان کو عملی جامہ پہنانے پر اخروی انعام واکرام سے نوازنے کا بھی اعلان فرمایا جو دائمی وابدی ہوں گے اور یہ ترہیب بھی دی کہ دوسروں کا حق غصب کرنے والے جہنم میں ڈالے جائیں گے جو ان کا ابدی ٹھکانہ ہو گا تاکہ خواتین کو اسلام نے جو حقوق وراثت دیئے ہیں ان کی حفاظت کی جاسکے۔

تفسیر ابن کثیر میں صاحبِ تفسیر اس آیت مبارکہ کی تفسیر درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

۱۔ سورۃ النساء: ۴/ ۱۱

۲۔ سورۃ النساء: ۴/ ۱۳

"أَيْ هَذِهِ الْفَرَائِضُ وَالْمَقَادِيرُ الَّتِي جَعَلَهَا اللَّهُ لِلْوَرَثَةِ بِحَسَبِ قُرْبِهِمْ مِنَ الْمَيِّتِ وَاحْتِيَاجِهِمْ إِلَيْهِ وَفَقْدِهِمْ لَهُ عِنْدَ عَدَمِهِ، هِيَ حُدُودُ اللَّهِ، فَلَا تَعْتَدُوهَا وَلَا تُجَاوِزُوهَا، وَلِهَذَا قَالَ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَيْ فِيهَا فَلَمْ يَزِدْ بَعْضُ الْوَرَثَةِ وَلَمْ يَنْقُصْ بعضها بِحِيلَةٍ وَوَسِيلَةٍ، بَلْ تَرَكَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ وَفَرِيضَتِهِ وَقِسْمَتِهِ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهارُ خالِدِينَ فِيها وَذلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خالِداً فِيها وَلَهُ عَذابٌ مُهِينٌ " (۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ورثاء کے لیے جو حصے مقرر کیے ہیں اور ان میں سے بعض کو میت کے زیادہ قریب ہونے اور ان کی ضرورت کے مطابق حصہ عطا فرمایا ہے۔ یہ سب اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔ تم ان حدود کو نہ توڑو اور نہ ہی ان سے آگے بڑھو اور نہ ان سے تجاوز کرو۔ اس لیے اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ان احکام میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصے سے نہ تو کسی وارث کو زیادہ حصہ دے اور نہ ہی کسی حیلے بہانے سے کسی وارث کا حصہ کم کرے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی جنت میں داخل کرے گا جس میں نہریں رواں ہوں گی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہاں رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ کے لیے نارِ جہنم میں داخل کر دے گا اور یہاں اس کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا کیونکہ اس نے اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہیں ہوا۔ اسی لیے اسے اس دائمی عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

اسلام میں میراث کا حکم نازل ہی اس لیے ہوا کہ میراث میں خواتین کے حقوق بحال کیے جائیں اور مظلوم وارثوں کو حق تلفی سے بچایا جائے۔ قرآن کریم میں میراث کی مفصل آیت کا شانِ نزول بھی محض ایک بے کس و مجبور عورت کی فریاد ہی تھی۔ جیسا کہ آئمہ مفسرین لکھتے ہیں:

"اسْتُشْهِدَ سَعْدُ بْنُ الرَّبِيعِ وَتَرَكَ ابْنَتَيْنِ وَامْرَأَةً وَأَخًا، فَأَخَذَ/ الْأَخُ الْمَالَ كُلَّهُ، فَأَتَتِ الْمَرْأَةُ وَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدٍ، وَإِنَّ سَعْدًا قُتِلَ وَإِنَّ عَمَّهُمَا أَخَذَ مَالَهُمَا،فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «ارْجِعِي فَلَعَلَّ اللَّهَ سَيَقْضِي فِيهِ» ثُمَّ إِنَّهَا عَادَتْ بَعْدَ مُدَّةٍ وَبَكَتْ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الآية، فَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّهُمَا وَقَالَ: «أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ، وَأُمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ." (۲)

ترجمہ: سعد بن ربیع جنگ احد میں شہید ہوئے تو ان کے بھائی نے حسب دستور قدیم کل مال پر قبضہ کر لیا، زوجہ اور دو بیٹیاں محروم رہ گئیں۔ تو ان کی زوجہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ دونوں سعد کی

۱۔ تفسیر القرآن العظیم، (تفسیر ابن کثیر)، ابن کثیر، ص:۲/ ۲۰۳

۲۔ مفاتیح الغیب، (التفسیر الکبیر)، امام الرازی، ابوعبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن، ص:۹/ ۵۰۹

بیٹیاں ہیں اور سعد مار دیئے گئے اور ان دونوں کے چچا نے ان کا مال لے لیا تو اس مرتبہ بھی آپ ﷺ نے سعد بن ربیع کی زوجہ کو یہ ارشاد فرما کر رخصت کر دیا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرما دیں گے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی، پس نبی ﷺ نے ان کے چچا کو بلایا اور فرمایا سعد کی بیٹیوں کو دو تہائی دو اور ان کی والدہ کو آٹھواں حصہ دو اور جو باقی بچ جائے وہ تمہارا ہے۔

آیت میراث کے نزول کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اتنا اثر ہوا کہ بے سہارا اور بے کس عورتوں کو میراث دلانے کے لیے ایسے ایثار سے کام لینے لگے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

امام شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ:

بعض صحابہ نے میراث دلانے میں اتنا ایثار کیا کہ جس بیماری میں انہیں بچنے کی امید نہ ہوتی ایسی عورتوں سے نکاح کر لیتے جن کا دنیا میں کوئی سہارا نہ ہوتا۔ اس ایثار کا مقصد یہ تھا کہ موت کے بعد ہماری جائیداد سے ان کو میراث مل جائے۔ [۱]

اس حوالے سے انھوں نے ایک صحابی کے ایثار کا ایک شاندار واقعہ تحریر کیا ہے کہ:

"حضرت نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حفص بن مغیرہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی حضرت عبد اللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے کسی وجہ سے اسے طلاق دے دی۔ اس کے بعد اس عورت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ عورت اولاد کے قابل نہیں ہے تو انہوں نے طلاق دے دی۔ اس کے بعد یہ عورت اسی حالت میں ایام گزارتی رہی، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا تو ان ایام میں حضرت عبد اللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے۔ یہ وہی صحابی ہیں جنہوں نے اس عورت کو ابتدا میں طلاق دی تھی، انہوں نے اس کی بے کسی پر ترس کرتے ہوئے اپنی بیماری کی حالت میں اس سے دوبارہ نکاح کر لیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر میں اس بیماری میں ختم ہو گیا تو میرے بعد میری جائیداد میں سے اسے حصہ مل سکے تاکہ یہ بے چاری اپنے بقیہ ایام سکون سے گزار سکے" [۲]

میراث کی ادائیگی کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل قابل ستائش اور قابل تقلید ہے جو بے کس و ناتواں عورتوں سے حالتِ مرض میں صرف اس لیے نکاح کر لیتے تھے کہ ان کی وفات کے بعد انہیں ان کی میراث میں سے حصہ مل سکے تاکہ وہ بقیہ زندگی آسودگی سے بسر کر سکیں۔ اگر میراث کے عمل میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور دور حاضر کا تقابل کیا جائے تو زمین و آسماں کا بعد نظر آتا ہے۔ آج تو حالتِ زار یہ ہے کہ عورت کو اس کے حق وراثت سے محروم رکھنے کے لیے اکثر مسلمان حضرات حالتِ مرض میں اپنی بیویوں کو طلاق دے دیتے ہیں۔

۱۔ میراث میں عدل، علامہ شاہ محمد ابوالخیر صاحب اسدی، مکتبہ اعلیٰ تھلہ سادات بیرون دہلی گیٹ، ملتان، ص:۴

۲۔ کشف الغمہ، ص:۲/۱۱۸

الغرض اسلام نے خواتین کو ہر سطح اور ہر مقام پر تحفظ فراہم کیا ہے اور ان کے حقوق کی حفاظت کی ہے۔اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ معاشرے میں اسلامی قانون میراث پر عمل درآمد کے لیے ہر ممکن کوشش کریں تاکہ مسلم خواتین کو ان کا شرعی حق حکم الٰہی کے مطابق مل سکے۔

یہودیت واسلام میں خواتین کے وراثتی حق کی مشترکات و ممیزات کا تقابل

یہودیت واسلام میں خواتین کے وراثتی حق کی مشترکات و ممیزات کے تقابل سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

۱. یہودیت اور اسلام چونکہ دونوں ہی الہامی مذاہب ہیں اس لیے دونوں میں خواتین کی میراث کے احکام پائے جاتے ہیں۔تاہم یہ الگ بات ہے کہ اسلام میں عورت کے لیے بحیثیت ماں ،بہن،بیٹی،بیوی کے وراثت میں حصص متعین ہیں جبکہ یہودیت میں صرف بیٹی کی میراث کا حکم پایا جاتا ہے وہ بھی اس صورت میں جب میت کا بیٹا نہ ہو۔

۲. یہودیت میں بڑے بیٹے کو جائیداد کا وارث بنا کر خاندان کی عورتوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اس کے سپرد کی جاتی ہے جبکہ اسلام عورت کی تمام معاشی ذمہ داریاں مرد پر عائد کرتا ہے لیکن اس کے باوجود عورت کو میراث کا حقدار بھی ٹھہراتا ہے۔

۳. یہودیت میں مرد وعورت کے حقوق مساوی نہیں ہیں جبکہ اسلام مرد کی طرح عورت کو بھی یکساں حقوق عطا کرتا ہے

۴. یہودیت میں صرف بیٹا وراثت کا حقدار ہوتا ہے جبکہ اسلام میں بیٹی کو بھی حق میراث دیا گیا ہے۔

۵. یہودیت میں عورت صرف حق مہر کی مستحق ہے جبکہ اسلام عورت کو حق مہر کے ساتھ ساتھ حق وراثت بھی دیتا ہے۔

٦. یہودیت میں عورت خاوند کی محکوم و مملوکہ ہے جبکہ اسلام عورت کو شوہر کے گھر کی ملکہ اور خاوند کے لیے باعث تسکین وراحت قرار دیتا ہے۔

۷. یہودیت میں وراثت خاندان سے باہر منتقل نہیں ہو سکتی لہٰذا لڑکی کو حق میراث پانے کے لیے خاندان میں ہی شادی کرنی پڑتی ہے بصورتِ دیگر اسے وراثت نہیں مل سکتی جبکہ اسلام میں دولت کو گردش میں رکھنے کا حکم ہے۔لڑکی چاہے خاندان میں شادی کرے یا نہ کرے۔اسے اس کا حق میراث ہر صورت میں ملتا ہے۔

۸. یہودیت میں وراثت کے اولین حقدار میت کے بیٹے ہوتے ہیں اور بیٹا نہ ہونے کی صورت میں بیٹی کو وراثت ملتی ہے جبکہ اسلام میں بیٹا اور بیٹی دونوں ہی وارث ہوتے ہیں اور بیٹے کی موجودگی بیٹی کو اس کے شرعی حصے سے محروم نہیں کرتی۔

۹. یہودیت میں عورت کو حق ملکیت حاصل نہیں ہے حتی کہ وہ اپنی کمائی کی بھی مالک نہیں اس کے برعکس اسلام عورت

کو حق ملکیت عطا کرتا ہے اور وہ اپنے مال پر پوری خود مختاری کے ساتھ تصرف کا حق رکھتی ہے۔

۱۰. یہودیت میں باپ کی بیویاں بھی بطور ترکہ تقسیم کر دی جاتی ہیں جبکہ اسلام بیوہ کو بھی حق وراثت سے نوازتا ہے۔

صد افسوس کہ مرور زمانہ کے ساتھ اور دوسری تہذیبوں کے رسم رواج کے زیر اثر مسلمانوں نے بھی یہودیوں کی سی روش اختیار کر لی۔ انھوں نے یہود کی طرح نا صرف اللہ تعالیٰ کے قوانین کو تبدیل کیا بلکہ اس کی مقرر کردہ حدود کو بھی توڑا۔ کہیں یہود کی طرح خواتین کو حق میراث سے مستقل طور پر محروم کر دیا تو کہیں صرف بڑے بیٹے کو میراث کا حقدار قرار دے دیا اور باقی سب کو ان کے حق سے محروم کر دیا، کہیں قانون میراث کو صراحتاً تبدیل کر کے مشترکہ خاندانی جائیداد کا نظام رائج کر لیا تاکہ جائیداد خاندان سے باہر نہ جا سکے اور بعینہ یہود کی مانند میراث کے حصول کے لیے خاندان میں شادی کی شرط عائد کر دی اور بیوہ کے لیے اس کے شرعی حقوق (حقِ وراثت اور حقِ نکاح) کے حصول کی راہ میں مختلف حیلوں اور بہانوں سے رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔

آج کے مسلمان نے اپنی کم علمی، کم فہمی، لالچ و حرص اور خوفِ خداوندی کے فقدان کی بدولت اسلام کے قانونِ وراثت کی ممیزات کو جو اس کا خاصہ ہیں اور دنیا کے کسی دوسرے مذہب میں نہیں پائی جاتیں۔ ان میں اپنی من مانی کر کے انہی قوانین کو اپنا لیا ہے جو یہود کے ہاں ملتے ہیں۔ غرضیکہ آج کا مسلمان اللہ رب العزت کی صریح نافرمانی کا مرتکب ہو رہا ہے جو نا صرف بڑا خسارا ہے بلکہ دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کا سبب بھی ہے۔ کیونکہ وہ انہی سماجی برائیوں کا شکار ہو چکا ہے جو یہود کی ذلت و تباہی کا سبب بنیں۔

باب سوم

خواتین کے حق وراثت سے محرومی کے اسباب اور اثرات

فصل اول: حق وراثت سے محرومی پر وعیدیں

فصل دوم: حق وراثت سے محرومی کے اسباب

فصل سوم: حق وراثت سے محرومی پر معاشرتی اثرات ونتائج

فصل اول

حق وراثت میں محرومی پر وعیدیں

دین اسلام انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اس نے جہاں دیگر معاملاتِ زندگی میں سے افراط و تفریط کا خاتمہ کیا وہیں "تقسیم میراث "کا بہترین طریقہ عطا فرمایا۔ محروموں کو ان کا جائز حق عطا کیا اور جابروں کو دائرہ حدود کے اندر رہنے کی تلقین کی۔ خواتین اور یتیم بچوں کے حوالے سے خصوصی احکام بیان فرما کر خواتین اور بچوں کو ان کے حق وراثت سے محروم رکھنے کی قبیح رسم کا خاتمہ کیا جو دنیا کے تقریباً تمام مذاہب اور معاشروں میں رائج تھی۔ قرآن حمید میں اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت میں سے ہر ایک کو اس کے والدین اور دیگر رشتہ داروں کے مال وراثت میں حصہ دار قرار دیا اور مال وراثت کی تقسیم میں ہر قسم کی خیانت سے بچنے کا تاکیدی حکم دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے احکام میراث کو قرآن مجید میں صراحتاً بیان فرما کر جہاں ان کی ورثاء میں منصفانہ تقسیم کرنے پر اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے پر اور دوسروں کو ان کے حق سے محروم کرنے پر سخت وعید بھی سنائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾[1]

ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

مقام افسوس ہے کہ اتنی شدید وعید کے باوجود عصر حاضر میں خواتین اور یتیم بچے ہمیں اپنے حق وراثت سے محروم نظر آتے ہیں۔

مولانا مودودی نے اس آیت کی درج ذیل تفسیر لکھی ہے:

"یہ ایک بڑی خوفناک آیت ہے جس میں ان لوگوں کو ہمیشگی کے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے قانون وراثت کو تبدیل کریں، یا ان دوسری حدوں کو توڑیں جو خدا نے اپنی کتاب میں واضح طور پر مقرر کر دی ہیں۔ لیکن سخت افسوس ہے کہ اس قدر سخت وعید کے ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں نے بالکل یہودیوں کی سی جسارت کے ساتھ خدا کے قانون کو بدلا اور اس کی حدوں کو توڑا۔ اس قانونِ وراثت کے معاملہ میں جو نافرمانیاں کی گئی ہیں وہ خدا کے خلاف کھلی بغاوت کی حد تک پہنچتی ہیں۔ کہیں عورت کو میراث سے مستقل طور پر محروم کیا گیا۔ کہیں صرف بڑے بیٹے کو میراث کا مستحق ٹھہرایا گیا۔ کہیں سرے سے تقسیم میراث ہی کے طریقے کو چھوڑ کر "مشترک

۱۔ سورۃ النساء:۴/۱۴

خاندانی جائیداد" کا طریقہ اختیار کر لیا گیا۔ کہیں عورتوں اور مردوں کا حصہ برابر کر دیا گیا اور اب ان پرانی بغاوتوں کے ساتھ تازہ ترین بغاوت یہ ہے کہ بعض مسلمان ریاستیں اہل مغرب کی تقلید میں "وفات ٹیکس" (Death Duty) اپنے ہاں رائج کر رہی ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ میت کے وارثوں میں ایک وارث حکومت بھی ہے جس کا حصہ رکھنا (نعوذ باللہ) اللہ بھول گیا تھا" [١]

مذکورہ بالا آیت میں درج ذیل تین نکات کو مختصر مگر جامع انداز میں اللہ عزوجل نے بیان فرمادیا ہے اور اس قدر شدید وعید اس جرم کی سنگینی کی غمازی کرتی ہے۔

١. جو شخص وراثت میں کسی دوسرے کی حق تلفی کرے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود کو توڑے گا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہے۔
٢. اس نافرمانی اور ظلم کی وجہ سے وہ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل کیا جائے گا۔
٣. جو شخص وراثت کے ان احکام کو تسلیم نہیں کرتا اور اسی لیے ان کو عملی جامہ نہیں پہناتا تو وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من قَطَعَ مِيرَاثِ وَارِثِهِ، قَطَعَ اللَّهُ مِيرَاثَهُ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[٢]

ترجمہ: جو شخص اپنے وارث کی میراث کاٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت سے اس کی میراث کو کاٹ دے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أُحَرِّجُ مَالَ الضَّعِيفَيْنِ: الْيَتِيمِ وَالْمَرْأَةِ"))[٣]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں دو ضعیفوں عورت اور یتیم کا مال کھانے سے بچنے کی وصیت کرتا ہوں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یتیموں کے مال کی حفاظت کرنے، بوقت ضرورت انہیں ان کا مال دینے اور ان کے مال میں خیانت کرنے سے منع فرمایا ہے اور ان کا مال کھانے والوں کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈالے جانے کی وعید سنائی ہے۔ ارشاد

١۔ تفہیم القرآن، حاشیہ: ٢٥ الف، ص: ٣٣٠۔٣٣١

٢۔ مشکاۃ المصابیح، محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی، المکتب الاسلامی، بیروت، الطبعہ الثالثہ، ١٤٠٥ھ، ١٩٨٥ء، حدیث: ٣٠٧٨، ص: ٢/ ١٩٧

٣۔ صحیح ابن حبان، محمد بن حبان بن أحمد بن حبان، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، الطبعہ الأولی، ١٤٠٨ھ، ١٩٨٨ء، باب ذِكْرُ الزَّجْرِ عَنْ أَكْلِ مَالِ الْيَتِيمِ، حدیث: ٥٥٦٥، ص: ١٢/ ٣٧٦

فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾ (١)

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں بے شک وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ یتیموں کے مال کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اکثر و بیشتر میت اپنے پیچھے چھوٹے بچے چھوڑ جاتے ہیں جو کمزور و ناتواں ہوتے ہیں۔ ان کی کم عمری اور کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑے بیٹے یا دیگر رشتہ دار سارے مال پر قبضہ کر لیتے ہیں لہذا ایسا کرنے پر سخت وعید وارد ہوئی ہے اور یتیموں پر یہ ظلم کرنا اپنے پیٹوں کو آگ سے بھرنے کے مترادف ہے۔

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((أَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَالَ: يبْعَث يَوْم الْقِيَامَة قوم من قُبُورهم تأجج أَفْوَاههم نَارا فَقيل: يَا رَسُول الله من هم قَالَ: ألم تَرَ إِن الله يَقُول {إِن الَّذين يَأْكُلُون أَمْوَال الْيَتَامَى ظلما إِنَّمَا يَأْكُلُون فِي بطونهم نَارا}))(٢)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن ایک قوم اپنی قبروں سے اس طرح اٹھائی جائے گی کہ ان کے مونہوں سے آگ نکل رہی ہو گی۔" عرض کی گئی: یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ ارشاد فرمایا: "کیا تم نے اللہ کے اس فرمان کو نہیں دیکھا، إِن الَّذين يَأْكُلُون أَمْوَال الْيَتَامَى ظلما إِنَّمَا يَأْكُلُون فِي بطونهم نارا" (بے شک وہ لوگ جو ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قَالَ حَدثنَا النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم عَن لَيْلَة أسرِي بِهِ قَالَ: نظرت فَإِذا أَنا بِقوم لَهُم مشافر كمشافر الْإِبِل وَقد وكّل بهم من يَأْخُذ بمشافرهم ثمَّ يَجْعَل فِي أَفْوَاههم صخرا من نَار فتقذف فِي فِي أحدهم حَتَّى تخرج من أسافلهم وَلَهُم خوار وصراخ فَقلت: يَا جِبْرِيل من هَؤُلَاءِ قَالَ: هَؤُلَاءِالَّذين يَأْكُلُون أَمْوَال الْيَتَامَى ظلما))(٣)

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں نے معراج کی رات ایسی قوم دیکھی جن کے ہونٹ اونٹوں کے

١۔ سورۃ النساء: ٤/ ١٠

٢۔ صحیح ابن حبان، محمد بن حبان، باب ذِكْرُ الْإِخْبَارِ عَنْ وَصْفِ مَا يُعَذَّبُ بِهِ... ، حدیث: ٥٥٦٦، ص: ١٢/ ٣٧٧

٣۔ الدر المنثور، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: ٩١١ھ)، دار الفكر، بیروت، ص: ٢/ ٤٤٣

ہونٹوں کی طرح تھے اور ان پر ایسے لوگ مقرر تھے جو ان کے ہونٹوں کو پکڑتے پھر ان کے مونہوں میں آگ کے پتھر ڈالتے جو ان کے پیچھے سے نکل جاتے۔ میں نے پوچھا: اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کی: "یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم: أَربع حق على الله أَن لَا يدخلهم الْجنَّة وَلَا يذيقهم نعيماً: مدمن الْخمر وآكل رَبًّا وآكل مَال الْيَتِيم بِغَيْر حق والعاق لوَالِديهِ))[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چار شخص ایسے ہیں جنہیں جنت میں داخل نہ کرنا اور اس کی نعمتیں نہ چکھانا اللہ تعالیٰ پر حق ہے، (۱) شراب کا عادی (۲) سود کھانے والا (۳) ناحق یتیم کا مال کھانے والا (۴) والدین کا نافرمان۔

یتیموں کا مال ناحق کھانا گناہ کبیرہ میں شمار ہوتا ہے اور یہ حرام ہے لیکن صد افسوس آج لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ یتیم بچے عام طور پر اپنے تایا، چچا وغیرہ کے ظلم وستم کا نشانہ بنتے ہیں اور وہ ان کی کم سنی اور کمزوری کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ:

﴿ وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ﴾[2]

ترجمہ: اور یتیموں کا مال ان کو دے دو اور نہ بدلو (اپنی) ردی چیز کو (ان کی) عمدہ چیز سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں سے ملا کر واقعی یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

اس آیت طیبہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح طور پر یتامیٰ کو ان کا مال دینے کا حکم دیا ہے اور مختلف حیلوں اور بہانوں سے ان کے مال پر قبضہ کرنے کو بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

"یتیموں پر طرح طرح کے ظلم کیے جاتے۔ جب کسی کا والد فوت ہو جاتا اور یتیم بچے چھوڑ جاتا تو اس کے چچے یا بڑے بھائی سارے مال پر قبضہ کر لیتے اور یتیم کے بالغ ہونے پر بھی اس کا مال اسے واپس نہ کرتے یا یتیم کے اعلیٰ نسل کے فربہ جانور خود رکھ لیتے اور گنتی پوری کرنے کے لیے اس کو ردی نسل کے دبلے پتلے اور لاغر جانور دے دیتے اور یوں بری الذمہ ہو جاتے۔ تیسری صورت یہ ہوتی کہ یتیموں کے اموال کو اپنے اموال میں خلط ملط کر دیتے اور حفاظت کے بہانے سے سب آہستہ آہستہ

۱۔ المستدرک علی الصحیحین، محمد بن عبد اللہ أبو عبد اللہ الحاکم النیسابوری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعۃ الأولی، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۰ء حدیث: ۲۲۶۰، ص: ۲/ ۴۳

۲۔ سورۃ النساء: ۴/ ۲

ہڑپ کر جاتے" [۱]

ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ یتیم بچے جب بالغ ہو جائیں تو ان کے اموال مکمل طور پر ان کے سپرد کر دیے جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ یتیم کا مال کھانے اور اس کو اپنے مال کے ساتھ ملانے سے منع فرمایا ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا کہ حلال مال کو حرام مال سے نہ بدلو۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جلدی میں حرام مال کی طرف متوجہ نہ ہو جاؤ بلکہ وہ حلال مال جو تمہاری قسمت میں لکھا ہوا ہے اس کا انتظار کرو۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ لوگوں کے حرام مال کو اپنے حلال مال کے ساتھ نہ ملاؤ یعنی اپنا حلال مال چھوڑ کر لوگوں کا حرام مال مت کھاؤ۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ کمزور جانور دے کر اس کے بدلے میں موٹا جانور نہ لو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ گھٹیا دے کر عمدہ نہ لو۔ سدی فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اس طرح کرتے تھے کہ یتیم کے ریوڑ سے موٹی بکریاں لے لیتے اور اس کی جگہ کمزور بکریاں دے دیتے یا کھرے درہم لے کر اس کی جگہ کھوٹے درہم رکھ دیتے اور کہتے کہ حساب برابر ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ یتیموں کے مال اپنے مال کے ساتھ نہ ملاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم اس کا سارا مال ہڑپ کر جاؤ کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے" [۲]

یتیم بچوں کی وراثت کے حوالے سے عہد حاضر میں مسلم معاشروں میں بہت سی کوتاہیاں اور غفلتیں پائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ یتیم و نابالغ وارثوں کا حصہ جدا نہیں کرتے اور سبھی کے ساتھ مشترک رکھتے ہیں اور اسی مشترکہ مال سے مختلف امور سر انجام دیئے جاتے ہیں جیسے صدقہ و خیرات کرنا، خوشی و غمی کے مواقع پر لین دین کرنا، مہمانوں کی خاطر داری کرنا، شادی بیاہ اور دیگر تصرفات وغیرہ۔ مشترکہ مال میں سے خرچ کرنا ناجائز و حرام ہے کیونکہ اس میں یتیم کا مال بھی شامل ہے لہذا ان معاملات میں خرچ کرنا جائز نہیں۔ بہتری اسی میں ہے کہ یتیم اور نابالغ ورثاء کا حصہ جدا کر دیا جائے تاکہ ان کی حق تلفی نہ ہو کیونکہ آیت قرآنی کے مطابق یتیموں کا مال کھانا اپنے پیٹ کو آگ سے بھرنے کے مترادف ہے اور جہنم میں داخلے کا سبب ہے۔

مالکِ کائنات نے تنبیہانہ انداز میں تربیت کی غرض سے یتیموں کے سرپرستوں کو نصیحت کی ہے کہ انہیں یہ سوچنا چاہیے کہ اگر یہ انتقال کر جائیں اور اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ جائیں تو ان کا کیا ہو تو جس طرح اپنی اولاد کے حق میں فکرمند اور پریشان ہوتے ہیں اسی طرح دوسروں کی یتیم اولاد کی بھی فکر کریں اور ان کی کمزوری کا ناجائز فائدہ اٹھانے سے

۱۔ ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص:۳۱۶

۲۔ تفسیر ابن کثیر، ص:۱/۶۳۵

گریز کریں اوران کے مال کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہیں اور احکام دین پر کاربند رہیں۔ارشادِ الٰہی ہے کہ:

﴿وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾[۱]

ترجمہ:اور چاہیے کہ وہ ڈریں جو(یتیموں کے سرپرست ہیں اور سوچیں)کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے ناتواں و کمزور، چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جاتے تو وہ ان کے متعلق کتنے فکر مند ہوتے۔پس چاہیے کہ وہ ڈریں اللہ سے اور کہیں ایسی بات جو بالکل درست ہو۔

ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تم یتیموں کا مال استعمال کرنے میں اللہ سے ڈرو اس میں اسراف نہ کرو اور ان کے بالغ ہونے کے خوف سے جلدی جلدی نہ کھاؤ۔یہ قول ابن جریر نے حضرت ابن عباس کے حوالے سے نقل کیا ہے یہ قول بڑا حسین اور عمدہ ہے کیونکہ اس کے بعد یتیموں کا مال ناحق کھانے والوں کی سزا بیان کی جارہی ہے۔یعنی یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح تم چاہتے ہو کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہاری اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اس طرح تم بھی دوسروں کی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کرو جب تمہیں ان کا نگران بنادیا جائے"[۲]

کسی کی وراثت کا حصہ دبالینا،ناحق مال کھانے کے زمرے میں آتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾[۳]

ترجمہ:اے ایمان والو!آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔

کسی وارث کا حق دبالینا یا اس کے حصے پر قبضہ کرلینا کسی مسلمان کا حق غصب کرنے کے مترادف ہے اور احادیث میں مسلمان کا مال ناحق غصب کرنے پر بہت سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنَ الأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ))[۴]

۱۔ سورۃ النساء:۴/۹

۲۔ تفسیر ابن کثیر،ص:۱/۶۴۴

۳۔ سورۃ النساء:۴/۲۹

۴۔ صحیح بخاری،کتاب بدء الخلق ،باب ما جاء فی سبع ارضین،حدیث:۳۰۲۶،ص:۳/۱۱۶۸

ترجمہ: جس نے بالشت کے برابر زمین ناحق لی تو قیامت کے دن اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔

عقبہ بن سالم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ أَرَضِينَ))(١)

ترجمہ: جس شخص نے ناحق کسی زمین کا تھوڑا سا حصہ بھی لے لیا تو قیامت کے دن اسے سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((مَنْ أَخَذَ شَيْئًا مِنَ الأَرْضِ بِغَيْرِ حِلِّهِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ، لاَ يَقْبَلُ مِنْهُ صَرْفًا وَلاَ عَدْلاً))(٢)

ترجمہ: جو زمین کے کسی ٹکڑے پر ناجائز طریقے سے قابض ہوا تو اسے سات زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا اور اس کا کوئی فرض قبول ہو گا نہ نفل۔

حضرت اشعث بن قیس کندی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّهُ لَا يَقْتَطِعُ رَجُلٌ مَالًا إِلَّا لَقِيَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ أَجْذَمُ))(٣)

ترجمہ: جو شخص دوسرے کے مال پر قبضہ کرے گا وہ قیامت کے دن اللہ سے کوڑھی ہو کر ملے گا۔

دور حاضر میں ہمارے معاشرے میں خواتین کو ان کے حق وراثت سے محروم رکھنا عام ہو گیا ہے۔ حالانکہ والد کے ترکے میں بیٹیوں کا حق قرآن کریم کی نص قطعی سے ثابت ہے جسے ختم تو کرنا دور کی بات، اس میں کمی بیشی بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لیے بیٹیوں کو ان کا حصہ نہ دینا، بہنوں کو ان کا حصہ دینے کی بجائے حیلوں بہانوں سے سارا مال آپس میں تقسیم کر لینا یا ان کا حصہ کسی غیر حقدار کو دے دینا سراسر ظلم ہے۔ کسی دوسرے وارث کا مال، قبضہ جمانے والے کے لیے مالِ حرام ہے۔ حرام مال کا حصول اور اس کا کھانا گناہ کبیرہ ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ اس حوالے سے چند احادیث مندرجہ ذیل ہیں جن میں مالِ حرام کے بارے میں وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

١۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی سبع ارضین، حدیث: ٣٠٢٤

٢۔ مسند أبی یعلی، أحمد بن علی بن المثنی أبو یعلی الموصلی، (٣٠٧ھ)، دار المأمون للتراث، جدة، الطبعة الثانیة، ١٤١٠ھ، ١٩٨٩ء، حدیث: ٧٤٤، ص: ٢/ ٨٩

٣۔ المعجم الکبیر، سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطیر اللخمی الشامی، أبو القاسم الطبرانی (المتوفی: ٣٦٠ھ)، مکتبہ ابن تیمیہ، القاهرة، بَابٌ فِيمَا أَعَدَّ اللهُ مِنْ عِقَابِهِ، وَغَضَبِهِ۔۔۔، حدیث: ٦٣٧، ص: ١/ ٢٣٣

((وَلَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالًا مِنْ حَرَامٍ، فَيُنْفِقَ مِنْهُ فَيُبَارَكَ لَهُ فِيهِ، وَلَا يَتَصَدَّقُ بِهِ فَيُقْبَلَ مِنْهُ، وَلَا يَتْرُكُ خَلْفَ ظَهْرِهِ إِلَّا كَانَ زَادَهُ إِلَى النَّارِ، إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ، وَلَكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ، إِنَّ الْخَبِيثَ لَا يَمْحُو الْخَبِيثَ))[۱]

ترجمہ: اور جو شخص مالِ حرام حاصل کرتا ہے تو اگر اس کو خرچ کرے تو اس کے لیے اس میں برکت نہیں ، اگر اس کو صدقہ کرے تو مقبول نہیں اور اپنے بعد چھوڑ کر مرے تو جہنم میں جانے کا سامان ہے، اللہ تعالیٰ برائی سے برائی کو نہیں مٹاتا، ہاں نیکی سے برائی کو مٹا دیتا ہے، بے شک خبیث کو خبیث سے نہیں مٹاتا۔

یعنی مال حرام سے کیا جانے والا صدقہ بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں اور ایسا مال چھوڑ کر مرنا جہنم میں جانے کا سبب بنتا ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِّيَ بالحرام))[۲]

ترجمہ: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس جسم پر جنت حرام فرما دی جو حرام غذا سے پلا بڑھا ہو۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

((يَا سَعْدُ أَطِبْ مَطْعَمَكَ تَكُنْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَةِ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، إِنَّ الْعَبْدَ لَيَقْذِفُ اللُّقْمَةَ الْحَرَامَ فِي جَوْفِهِ مَا يُتَقَبَّلُ مِنْهُ عَمَلَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، وَأَيُّمَا عَبْدٍ نَبَتَ لَحْمُهُ مِنَ السُّحْتِ وَالرِّبَا فَالنَّارُ أَوْلَى بِهِ))[۳]

ترجمہ: اے سعد! اپنی غذا پاک کر لو۔ مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے، اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے، بندہ حرام کا لقمہ اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے تو اس کے چالیس (۴۰) دن کے عمل قبول نہیں ہوتے اور جس بندے کا گوشت حرام سے پلا بڑھا ہو اس پر آگ کا زیادہ حق ہے۔

حرام کھانے والے کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

((ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ

۱۔ مسند الإمام أحمد بن حنبل، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: ۲۴۱ھ)، دار الحديث، القاهرة، مسند عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه، حديث: ۳۶۷۲، ص: ۵۳۹/۳

۲۔ مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، حديث: ۲۷۸۷، ص: ۱۲۹/۲

۳۔ المعجم الأوسط، سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني (المتوفى: ۳۶۰ھ)، دار الحرمين، القاهرة، باب الميم، من اسمه: محمد، حديث: ۶۴۹۵، ص: ۳۱۰/۶

حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ))(۱)

ترجمہ: جو لمبا لمبا سفر کرتا ہے، اس کے بال پراگندہ اور بدن غبار آلود ہے اور وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر یا رب! یا رب! پکار رہا ہے حالانکہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام اور غذا حرام ہو پھر اس کی دعا کیسے قبول ہو گی۔

الغرض حرام غذا سے پلنے والے جسم پر جنت حرام ہے اور حرام کھانے والے کے نا صرف چالیس دن کے اعمال بارگاہ ایزدی میں مقبول نہیں ہوتے بلکہ اس کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی اور ایسے بدن پر جہنم کی آگ کا حق ہے تو بیٹیوں، بہنوں، یتیموں اور بیواؤں کا مال وراثت ہتھیانے والوں کو اپنے انجام پر غور کرنا چاہیے اور اپنی آنکھوں پر بندھی حرص کی پٹی کو کھول کر حقیقت کا ادراک کرنا چاہیے کہ وہ نا صرف خود بلکہ اپنی اولاد کو بھی مال حرام کھلانے کے مرتکب ہو رہے ہیں لہذا انھیں اصل حق داروں تک ان کا حق پہنچانا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور نافرمانی سے بچ سکیں۔

وارث کو اس کا حصہ دینا احکام الٰہی کی اطاعت ہے جبکہ اسے محروم کرنا کافروں کا سا طرز عمل اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی کھلی خلاف ورزی ہے اور دوزخ کو اپنا ٹھکانہ بنانے والا عمل ہے۔ انسانی روش کو اللہ تعالیٰ نے فرقان حمید میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾(۲)

ترجمہ: اور میراث کا سارا مال جمع کر کے کھا جاتے ہو اور مال سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہو۔

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"جب کوئی تمہارا قریبی رشتہ دار مر جاتا ہے تو اس کی ساری جائیداد تم خود سمیٹ لینا چاہتے ہو، نہ اس کی بیوی کو کچھ دیتے ہو، نہ اس کی بوڑھی ماں کو کچھ ملتا ہے۔ بلکہ مرنے والے کے یتیم بچوں کو بھی تم بالکل محروم کر دیتے ہو۔ مال کی محبت تمہارے رگ و ریشہ میں سمائی ہوئی ہے۔ تم حلال و حرام کی بھی تمیز نہیں کرتے جس طرح بن پڑے دولت کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے میں مصروف رہتے ہو" (۳)

آپ مزید لکھتے ہیں کہ:

"اگر انسان غور کرے تو مال کی یہ مجنونانہ خواہش ہی ہزاروں خرابیوں کو جنم دیتی ہے۔ اگر لوگوں کے دلوں سے اس کی یہ بے محابا چاہت ختم ہو جائے تو جرائم کا دائرہ بہت محدود ہو جائے اور مظالم کی یہ

۱۔ صحیح مسلم، كتاب الزكاة، باب قَبُولِ الصَّدَقَةِ مِنَ الْكَسْبِ الطَّيِّبِ وَتَرْبِيَتِهَا، حدیث: ۲۳۹۳، ص: ۸۵/۳

۲۔ سورۃ الفجر: ۸۹/ ۱۹،۲۰

۳۔ ضیاء القرآن، ص: ۵/ ۵۵۹

شدت بھی باقی نہ رہے۔ یہ طریقہ کار صرف زمانہ جاہلیت کے ساتھ ہی مخصوص نہیں۔ آج بھی اکثر لوگ جن کو اسلام کے بتائے ہوئے نظریات پر پورا یقین نہیں۔ وہ سب اسی چکر میں سرگرداں ہیں "(۱)

مقام افسوس ہے کہ عصر حاضر کے مسلمان دیگر مالی معاملات کی طرح تقسیم وراثت کے احکامات قرآنی میں بھی کوتاہیوں کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اکثر بیٹیوں، بہنوں اور عاق شدہ اولاد کو وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے اسی طرح بیوہ عورتوں کو ان کے شوہر کی وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے اور یتیم بچے چچا اور تایا وغیرہ کے ظلم وستم کا شکار ہو کر اپنے حق وراثت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ قرآن وحدیث میں جہاں مردوں کا حصہ مقرر ہے وہیں عورتوں کا حصہ بھی من جانب اللہ متعین ہے خواہ عورت ماں، نانی یا دادی کی صورت میں ہو یا بیوی، بیٹی یا بہن کی شکل میں، ہر حال میں اسے مقررہ حصہ دینے کا حکم دیا گیا ہے لہذا اگر کوئی شخص خواتین کو ان کے حق وراثت سے محروم کرتا ہے تو وہ قرآنی آیات وحدیث کے مطابق جنت میں داخل نہ ہو گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ:

"میں تمہارے حق میں صرف دو آدمیوں سے ڈرتا ہوں۔ قرآن کی غلط تاویل کرنے والے سے اور اپنے بھائی کی ملکیت چھیننے والے سے "(۲)

مال وراثت تقسیم نہ کرنے سے انسان تین طرح سے ظلم کا ارتکاب کرتا ہے۔

۱. مال میراث اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندے کے لیے ایک انعام ہوتا ہے جو پسماندگان کو بلا مشقت ومحنت حاصل ہوتا ہے تو جو اس پر قبضہ کر کے بیٹھ جائے اور حق داروں تک نہ پہنچائے تو گویا وہ انعام الٰہی میں خیانت کا مرتکب ہوا اور یہ ایک بڑا ظلم ہے۔

۲. مال میراث میں تمام ورثاء کا حق ہوتا ہے کیونکہ باپ کے انتقال کے بعد تمام بہن بھائی باپ کے مال میں شریک ہو جاتے ہیں اور میت کی بیوی بھی اس کے ترکے کی وارث ہوتی ہے۔ لہذا جب کوئی مال دبا لیتا ہے تو وہ بقیہ ورثاء کا حق مارتا ہے اور دوسروں کا حق مارنا بھی ظلم ہے۔ جیسے دوسروں کی زمین چھین لینا یا کسی کا روپیہ پیسہ چھین لینا ظلم ہے بعینہ مال میراث کو غصب کر لینا اور وارثوں کو اس سے محروم کر دینا بھی ظلم ہے۔

۳. ظلم کی تیسری صورت یہ ہے کہ پشت ہا پشت سے میراث تقسیم ہی نہیں کی جاتی کیونکہ مال وراثت کو تقسیم کرنے کا رواج ہی نہیں ہے۔ اور ظلم کی یہ صورت ہمارے معاشرے میں عام ہے جس کی وجہ سے ورثاء اپنے حق سے

۱۔ ضیاء القرآن، ص:۵/ ۵۵۹۔۵۶۰

۲۔ کتاب العلم والعلماء، علامہ ابن عبد البر اندلسی، مترجم: عبد الرزاق ملیح آبادی، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص:۲۵۶

نسل در نسل محروم رہتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَحَدٍ (لِأَخِيهِ) مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ))[۱]

ترجمہ: جس شخص نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہو تو اس سے آج ہی معاف کروالے اس روز سے قبل کہ جب نہ دینار ہو گا اور نہ درہم، اگر ظالم کے پاس کوئی عمل صالح ہو گا تو بقدر اس کے ظلم کے اس سے لے کر مظلوم کو دے دیا جائے گا اور اگر ظالم کے پاس حسنات نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ))[۲]

ترجمہ: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟" صحابہ نے کہا: ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ درہم ہو، نہ کوئی سازوسامان۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہو گی اور کسی پر بہتان لگایا ہو گا اور کسی کا مال کھایا ہو گا اور کسی کا خون بہایا ہو گا اور کسی کو مارا ہو گا، پس ان مظلوموں کو اس کی نیکیاں دی جائیں گی۔ اگر اس کی حسنات ادائے حقوق سے قبل ختم ہو گئیں تو مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اس کو جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

آج کل مسلم معاشروں میں میراث کے حق داروں کو ان کے حق وراثت سے محروم رکھنے کی ایک یہ صورت بھی عام ہو چکی ہے کہ دنیاوی اختلافات کی وجہ سے وصیت کے ذریعے بعض ورثاء کو ان کے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اکثر لوگ یہ وصیت کر کے مرتے ہیں کہ میرے مال میں سے فلاں شخص کو ایک پائی بھی نہ دینا حالانکہ وہ شرعی طور پر اس مال کا مستحق ہوتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے جن ورثاء کے حصے متعین کر دیئے ہیں ان کے حق میں میت کا اپنی زندگی میں

۱۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب من كانت له مظلمة عند الرجل فحللها له هل يبين مظلمته، حدیث:۲۳۱۷، ص:۸۶۵/۲

۲۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآدب، باب تَحْرِيمِ الظُّلْمِ، حدیث:۶۷۵۵، ص:۱۸/۸

مزید وصیت کرنا ناجائز قرار دیا ہے تاکہ دولت کی تقسیم منصفانہ ہو اور کوئی شخص اپنی اولاد یا دیگر رشتہ داروں کے حق میں وصیت کر کے باقی حصہ داروں کو ان کے حق سے محروم نہ کر سکے۔ وصیت میں وارث کو نقصان پہنچانا ایک بڑا گناہ ہے اور اس کے متعلق احادیث میں وعید وارد ہوئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالمَرْأَةُ بِطَاعَةِ اللَّهِ سِتِّينَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا المَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ))[۱]

ترجمہ: مرد وعورت ساٹھ سال (یعنی بہت لمبے عرصے) تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے رہیں، پھر ان کی موت کا وقت قریب آجائے اور وہ وصیت میں (کسی وارث کو) نقصان پہنچائیں تو ان کے لیے جہنم کی آگ واجب ہو جاتی ہے۔

یعنی وصیت کے ذریعے وارث کو نقصان پہنچانا جہنم کی آگ میں داخلے کا سبب بن جاتا ہے اسی طرح وصیت میں خیانت کے مرتکب ہونے والے کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْخَيْرِ سَبْعِينَ سَنَةً، فَإِذَا أَوْصَى حَافَ فِي وَصِيَّتِهِ، فَيُخْتَمُ لَهُ بِشَرِّ عَمَلِهِ فَيَدْخُلُ النَّارَ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الشَّرِّ سَبْعِينَ سَنَةً، فَيَعْدِلُ فِي وَصِيَّتِهِ، فَيُخْتَمُ لَهُ بِخَيْرِ عَمَلِهِ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ))[۲]

ترجمہ: کوئی آدمی ستر برس تک جنتیوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے پھر اپنی وصیت میں خیانت کر بیٹھتا ہے تو اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے اور وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی شخص ستر برس تک جہنمیوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے پھر اپنی وصیت میں عدل کرتا ہے تو اس کا خاتمہ اچھے عمل پر ہوتا ہے اور وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

((الْإِضْرَارُ فِي الْوَصِيَّةِ مِنَ الْكَبَائِرِ)) [۳]

ترجمہ: وصیت کرنے میں کسی کو نقصان پہنچانا کبائر میں سے ایک بدترین گناہ ہے۔

مذکورہ بالا احادیث میں کس قدر شدید وعید سنائی گئی ہے کہ کسی حقدار کو اس کے حق سے محروم کرنا عمر بھر کے

۱۔ سنن الترمذی، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الضرار فی الْوَصِيَّةِ، حدیث:۲۱۱۷، ص: ۴/۴۳۱

۲۔ ابن ماجہ، کتاب الوصایا، بَابُ الْحَيْفِ فِي الْوَصِيَّةِ، حدیث:۲۷۰۴، ص: ۲/۹۰۲

۳۔ سنن الکبری، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي، مکتبہ دار الباز، مکہ المکرمہ، ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۴ء، کتاب الوصایا، باب ما جاء في قوله عز و جل ... عنه من الأضرار في الوصية، حدیث:۱۲۳۶۶ص:۶/۲۷۱

نیک اعمال کو غارت کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ آج کے مسلم معاشروں میں ورثاء کو ان کے حق وراثت سے محروم رکھنے کا ظلم عام ہے۔ کئی صورتوں میں بہنوں یا دادی، نانی کا وراثت میں حصہ بن رہا ہوتا ہے لیکن انہیں ان کا حصہ نہیں دیا جاتا۔ یہ بسا اوقات جہالت اور لاعلمی کے سبب بھی ہوتا ہے کیونکہ لوگوں کو قوانین وراثت سے آگاہی ہی نہیں ہوتی اس لیے لازم ہے کہ علم میراث کو سیکھنے کا اہتمام کیا جائے تاکہ معاشرے سے اس ناانصافی اور ظلم کا خاتمہ ہو سکے۔

آیات واحادیث میں اتنی شدید وعیدوں کے باوجود آج ہم اپنے معاشرے میں لوگوں کی اکثریت کو حیلوں بہانوں سے خواتین کو ان کے حق وراثت سے محروم کرتا ہوا دیکھتے ہیں۔ جس کی ایک صورت بہنوں سے ان کا حصہ زبردستی معاف کروالینا ہے حالانکہ معاف کرنے یا کروانے سے ان کا حصہ ختم نہیں ہو جاتا کیونکہ وراثت ایک ایسا مالی حق ہے جو لازماً وارث کی ملکیت میں آجاتا ہے وہ اسے ہر صورت لیناہی ہے لہذا نہ اسے معاف کر سکتا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی معاف کرواسکتا ہے اس لیے مردوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ عورتوں سے ان کا حق وراثت سلب نہ کریں اور انہیں ان کا حق حکم الٰہی کے مطابق دیں۔

خواتین کو ان کے حق وراثت سے محروم رکھنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بیوہ عورت کو دوسری شادی کی صورت میں پہلے شوہر کی میراث میں سے حصہ نہیں دیا جاتا جبکہ دوسری شادی کرنے سے اس کا حق وراثت ختم نہیں ہو جاتا۔ یہ حکم الٰہی کی صریح نافرمانی وخلاف ورزی ہے۔ ہر مسلمان کو اس سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ ناجائز وحرام امر ہے۔

سید میاں اصغر حسین اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "نکاح ثانی کر لینے سے عورت اپنے شوہر کی میراث سے محروم نہیں ہوتی کیونکہ نکاح ثانی کوئی جرم نہیں جیسے پہلا نکاح جائز، مسنون وباعث ثواب ہے اسی طرح دوسرا ہے بلکہ پہلے سے بڑھ کر اس کا ثواب وفضیلت ہے پس جو لوگ نکاح ثانی کو عار اور جرم سمجھ کر اس کی وجہ سے عورتوں کو شوہر کی میراث سے محروم کر دیتے ہیں وہ نہایت عذاب کے مستحق اور اعلیٰ درجے کے گنہگار ہوتے ہیں بلکہ اصرار کرنے سے کفر کا اندیشہ ہے کیونکہ یہ رواج محض ہندوستان وغیرہ کے کفار کا ہے جنہوں نے عورتوں کو نکاح ثانی سے باز رکھنے اور روکنے کے لیے یہ سخت سزا یعنی محرومی میراث تجویز کی تھی۔ ایسے افعال اور اعتقاد شنیعہ سے توبہ کر کے اپنے ایمان کی حفاظت کرنی چاہیے۔ عورت حسب قاعدہ شرعی یکے بعد دیگرے جس قدر دل چاہے نکاح کرے اپنے وفات یافتہ شوہروں کے مال میں سے علاوہ مہر کے میراث کی پوری مستحق وحق دار ہو گی"[۱]

مولانا محمد اشرف علی تھانوی رقمطراز ہیں:

۱۔ مفید الوارثین، ص:۷۶

"ہمیں سخت تعجب آتا ہے اور لوگوں پر کہ جب کوئی بیوہ عورت نکاح کر لیتی ہے تو جس کی وہ مالک ہوتی ہے ورثہ اس سے لے لیتے ہیں حالانکہ ازروئے قانون شرع اسلام وہ اختیار رکھتی ہے کہ نکاح کرنے کے وقت وہ اپنا حصہ بیچ ڈالے یا اپنے پاس رکھے اور قابض رہے "(۱)

علاوہ اویں اولاد کو زبانی یا تحریری طور پر عاق کر دینا بھی جائز نہیں اور یہ حق دار کو اس کے حق سے محروم کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔ نافرمان اور بدکار ہونے سے کوئی شخص میراث سے محروم نہیں ہو سکتا اگر ایک بیٹے نے باپ کی تمام عمر خدمت کی اور مطیع و فرمابردار رہا اور دوسرا کبھی پاس نہ پھٹکا بلکہ رنج پہنچاتا رہا تو دونوں بیٹے برابر میراث کے مستحق ہوں گے اسی طرح اور کوئی رشتہ دار وارث جو ہمیشہ درپے آزار و مخالف رہا گو اس ایذارسانی کی وجہ سے گنہگار ہو گا لیکن میراث سے محروم نہ ہو گا اگرچہ میت نے زبانی یا تحریری کاروائی سے اس کو عاق و محروم بھی کر دیا ہو تو بھی محروم نہ ہو گا اور نہ عاق کر دینے سے عاق ہو گا۔ لہٰذا بلاوجہ یا بلاضرورت شرعی کسی وارث کو اس کے حق سے محروم رکھنا بڑا گناہ اور معصیت ہے۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص (بلاوجہ شرعی) اپنے وارث کا حق قطع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا حق جنت سے قطع کر دے گا۔(۲)

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں میراث کی شرعی تقسیم کا تصور بالکل ختم ہو چکا ہے اور ان معاملات میں بے توجہی اور لاپروائی برتی جاتی ہے جس کے دنیاوی اور اخروی لحاظ سے بہت سے نقصانات ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱. شرعی احکام کے مطابق میراث کو ورثاء میں تقسیم نہ کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے احکام کی صریح نافرمانی ہے اور اللہ کی مقرر کردہ حدود کو توڑنا ہے اور ایسے شخص کو قرآن حمید میں عذاب جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔
۲. اسلام قانون وراثت کے مطابق میراث تقسیم نہ کرنا اور ورثاء کو ان کے حق سے محروم کرنا کفار کے طرز عمل پر چلنے کے مترادف ہے اور ایسا کرنا اسلامی طریقے سے ہٹنا ہے جو کسی بھی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔
۳. میراث کے مستحقین کا مال غصب کرنے اور کھانے والا ظالم و غاصب ہے اور اپنے اس ظلم کی وجہ سے جہنم کا حقدار و مستحق ہے۔
۴. دوسرے کے مال وراثت کو غصب کر کے جو مال حاصل کیا جاتا ہے وہ مال حرام ہے اور حرام مال سے کیا گیا صدقہ

۱۔ احکام اسلام عقل کی نظر میں، ص: ۲۵۳

۲۔ ایضاً، ص: ۷۶۔۷۷

بارگاہ الٰہی میں نامقبول و مردود ہے اور ایسے شخص کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔

۵. ورثاء کو ان کا حق وراثت نہ دینے سے باہمی دشمنیاں جنم لیتی ہیں اور معاشرے میں بدامنی و انتشار پیدا ہوتا ہے۔

غرضیکہ میراث کی تقسیم کے متعلق جو افراط و تفریط اور ظلم وزیادتی اسلام کی آمد سے قبل دنیا میں پائی جاتی تھی آج وہی مسلمانوں کے اندر مختلف صورتوں میں دکھائی دے رہی ہے۔ جس کے سبب معاشرہ انتشار اور بدامنی کا شکار ہے۔ عصر حاضر کے مسلمان یہود کی طرح دنیاوی جاہ و حشمت اور مفادات کے حصول کے لیے احکامِ الٰہی اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کو پس پشت ڈال کر دائمی ذلت و رسوائی کو اپنا مقدر بنانے پر مصر ہیں جو سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ اس ازلی خسارے سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور نبی مکرم ﷺ کی تعلیمات پر من و عن عمل کیا جائے اور اسلامی قانون وراثت کے مطابق ورثاء کو ان کے شرعی حق کی ادائیگی کی جائے تاکہ خاندانی نظام کو بچایا جا سکے اور معاشرے میں اخوت و بھائی چارے کو فروغ دیا جا سکے۔

فصل دوم

حق وراثت سے محرومی کے اسباب

اسلام نے جاہلی رسم ورواج کی تنسیخ کی جس کے تحت خواتین کو مطلقاً حق وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں مردوں کے ساتھ عورتوں کے حصص کو واضح طور پر بیان فرمادیا تاکہ کوئی اس کے حقوق کو پامال نہ کرسکے اور بحیثیت بیٹی، بہن، بیوی، ماں ہر رشتے میں اسے وراثتی حقوق عطا فرمائے جس سے اس کی معاشی کفالت اور شخصی آزادی کو نمایاں کرنا مقصود تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے خواتین کو وہ مثالی حقوق دیئے ہیں جو آج تک کوئی تہذیب یا مذہب اسے نہیں دے سکا۔ لیکن موجودہ مسلم معاشرے میں مختلف تہذیبوں سے ملاپ کی وجہ سے وہی جہالت امڈ آئی ہے جو کہ اسلام سے پہلے تھی اور وراثت کی تقسیم کے حوالے سے احکام الٰہی کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ عہد حاضر میں بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں بہنوں اور بیٹیوں کو عملاً ان کے حق وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اور جہیز کے نام پر چند برتن اور کچھ سامان دے کر بہنوں اور بیٹیوں کو ان کے حصے کی جائیداد سے محروم کرنے کی روایت مسلم معاشرے میں عام ہو چکی ہے جبکہ اس بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾ (۱)

ترجمہ: ہر ایسے مال کے لیے جس کو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ دو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا﴾ (۲)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو۔

مذکورہ بالا واضح احکامات کے باوجود آج کے جدید مسلم معاشرے میں دور جاہلیت کا رنگ غالب نظر آتا ہے جس کی وجہ سے اکثر میراث کے حقداروں کو ان کی میراث سے محروم کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے نا صرف خواتین اور بچوں کو بلکہ پورے خاندانی ڈھانچے کو مضر اثرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ اسلامی قوانین وراثت میں قطعی طور پر واضح کر دیا گیا ہے کہ ورثاء میں بیٹی کو بھی ضرور حصہ دیا جائے گا بلکہ تقسیم میراث کے قانون میں اصل بنیادی اکائی بیٹی کو ہی قرار

۱۔ سورۃ النساء: ۴/ ۳۳

۲۔ سورۃ النساء: ۴/ ۵۸

دیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾(۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

اس قدر واضح احکامات کے باوجود عہد حاضر میں مسلم معاشروں میں بیٹیوں، بہنوں اور بیویوں اور بیواؤں کو ان کے حق وراثت سے محروم رکھنے کے لیے طرح طرح کے طریقے اور ہتھکنڈے آزمائے جاتے ہیں۔ عورت مرد کی طرح طاقتور نہیں ہوتی کہ وہ اپنا حصہ زبردستی لے سکے لہذا قانونی و شرعی طور پر وارث ہونے کے باوجود اسے اپنے حصے سے محروم رہنا پڑتا ہے۔

ایک اندازے کے مطابق پاکستان کی ۸۵ فی صد عورتیں وراثت سے محروم رہتی ہیں صرف ۱۰ فی صد عورتوں کو ان کا شرعی حق ملتا ہے یا وہ خود حاصل کرتی ہیں۔ بقیہ تمام عورتوں کو حیلے بہانوں سے جائیداد سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ان سے حق بخشوا لیا جاتا ہے یا ان کی جائیداد مرد اپنے قبضے میں کر لیتے ہیں۔(۲)

خواتین کی اس محرومی کے چند اسباب حسب ذیل ہیں:

۱۔ حرص اور حب مال

خواتین کو حق وراثت سے محروم کرنے کا سب سے بڑا سبب انسانی لالچ و حرص ہے۔ مال کی محبت وہوس میں انسان اندھا ہو جاتا ہے اور انسان کی اس فطرت کا ذکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

﴿وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمًّا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾(۳)

ترجمہ: اور میراث کا سارا مال جمع کر کے کھا جاتے ہو اور مال سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس روش کا ذکر کر کے اسے متنبہ کیا ہے کہ مال کی ہوس نے تمہیں اس قدر اندھا کر رکھا ہے کہ دوسروں کا مال میراث سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور اپنے انجام کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔

صاحب ضیاء القرآن نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔

"اگر انسان غور کرے تو مال کی یہ مجنونانہ خواہش ہی ہزاروں خرابیوں کو جنم دیتی ہے۔ اگر لوگوں کے دلوں سے اس کی یہ بے محابا چاہت ختم ہو جائے تو جرائم کا دائرہ بہت محدود ہو جائے اور مظالم کی یہ شدت بھی باقی نہ رہے۔ یہ طریقہ کار صرف زمانہ جاہلیت کے ساتھ ہی مخصوص نہیں۔ آج بھی اکثر

۱۔ سورۃ النساء: ۴/۱۱

۲۔ پاکستانی عورت کے معاشی مسائل و کردار، ص: ۱۱۳

۳۔ سورۃ الفجر: ۸۹/۱۹۔۲۰

لوگ جن کو اسلام کے بتائے ہوئے نظریات پر پورا یقین نہیں۔وہ سب اسی چکر میں سرگرداں ہیں"(۱)

حق تو یہ ہے کہ بڑھتی ہوئی دینی تنزلی کے ساتھ ساتھ مادی منفعت کی حرص آج مسلمانوں کو احکام شرعیہ سے دور کر کے تخریبِ آخرت کی راہ پر چلا رہی ہے اسی لیے عصر حاضر کے مسلمانوں میں اتنی دینداری نہیں ہے کہ وہ اپنے ذاتی نفع ونقصان سے بالاتر ہو کر اتباع شریعت کے جذبہ سے سرشار ہو کر بخوشی ورغبت اسلامی قانون میراث کے مطابق ورثاء میں ترکے کو تقسیم کریں بلکہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ شرعی قانون وراثت جاری ہی نہ ہو نتیجتاً خواتین کو ہی خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے کیونکہ انہیں ہی ان کے حق وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے۔میراث میں اکثر خواتین اور کمزوروں کا ہی حق تلف ہوتا ہے۔اسی لیے نبی مکرم ﷺ نے بھی خواتین اور یتیم بچوں کے مال سے بچنے کی تاکید فرمائی کیونکہ یہ اپنی کمزوری کی وجہ سے اپنا حق وصول نہیں کرسکتے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

((أُحَرِّجُ مَالَ الضَّعِيفَيْنِ: الْمَرْأَةِ وَالْيَتِيمِ))(۲)

ترجمہ: میں تمہیں دوضعیفوں عورت اور یتیم کا مال کھانے سے بچنے کی وصیت کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے اتنی تاکید اور وعید کے باوجود موجودہ عہد میں وارث کا حق ساقط کرنے اور ان کے حصے پر قابض ہونے کے لیے مختلف حیلے اختیار کیے جاتے ہیں۔بسا اوقات لالچ وحرص مال میں مبتلا ہو کر انسان تقسیم وراثت میں ایسی تبدیلی کرتا ہے کہ جس سے دوسرے حصہ داروں کی بہ نسبت اسے زیادہ منفعت پہنچے یا وہ ان کے مقابلے میں عمدہ مال ہتھیا لے یا پھر کسی طرح پوری جائیداد پر ہی قابض ہو جائے۔جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے احکام وراثت بیان فرماتے ہوئے انسان کو یہ یاددہانی کروائی ہے کہ تمہارا حقیقی خیر خواہ اور ہمدرد صرف اللہ ہی ہے اور تمہارے مفاد کو وہ علیم وحکیم ہی جانتا ہے۔اور تمہیں اس کا ادراک نہیں ہے۔فرمان الٰہی ہے:

﴿آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾(۳)

ترجمہ: تم لوگ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے تمہارے والدین اور تمہاری اولاد میں سے کون قریب تر ہے۔یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حصے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔

۱۔ ضیاء القرآن، ص:۵/ ۵۵۹۔۵۶۰

۲۔ صحیح ابن حبان، محمد بن حبان بن احمد بن حبان، كِتَابُ الْحَظْرِ وَالْإِبَاحَةِ،باب ذكر الزجرعن اكل مال اليتيم، حديث: ۵۵۶۵،ص:۱۲/ ۳۷۶

۳۔ سورۃ النساء،۴/ ۱۱

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"یہ جواب ان سب نادانوں کو ہے جو میراث کے خدائی قانون کو نہیں سمجھتے اور اپنی ناقص عقل سے اس کسر کو پورا کرنا چاہتے ہیں جو ان کے نزدیک اللہ کے بتائے ہوئے قانون میں رہ گئی ہے۔"(۱)

سید اصغر حسین رقمطراز ہیں:

"عقول انسانی ہزار بلند پرواز کریں لیکن اس احکم الحاکمین اور حکیم مطلق کی مصالح اور حکمتوں کی برابری نہیں کر سکتیں"(۲)

قرآن وحدیث میں تقسیم وراثت کے واضح احکامات موجود ہیں اور مال میراث کی تقسیم نہ کرنے پر جہنم کے دائمی عذاب کی وعید بھی اللہ تعالیٰ اور نبی مکرم ﷺ کی طرف سے سنائی گئی ہے اس کے باوجود ہمارے معاشرے میں تقسیم میراث کا رواج ہی نہیں، والد کی وفات پر بیٹے مالک بن جاتے ہیں، بھائی اپنی بہنوں کو والد کے ترکے میں سے ان کا حصہ نہیں دیتے۔ نہ بیوی کو میراث ملتی ہے نہ ہی ماں کو، اور نہ ہی نابالغ بچوں کو ان کا حصہ دیا جاتا ہے۔

۲۔ جائیداد کو خاندان سے باہر جانے سے روکنا

خواتین کو ان کے حق وراثت سے محروم رکھنے کا ایک سبب جائیداد کو خاندان سے باہر جانے سے روکنا بھی ہے اور اس کے لیے انتہائی شرمناک اور گستاخانہ فعل کا ارتکاب صوبہ سندھ کے بعض علاقوں میں کیا جاتا ہے۔ جائیداد کو خاندان سے باہر جانے سے روکنے کے لیے لڑکیوں کی شادیاں قرآن مجید سے کر دی جاتی ہیں۔ جس کے بدلے ان سے نکاح کا حق بخشوالیا جاتا ہے اور وہ ساری عمر راہبانہ طرز زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ یہ ایک قبیح اور قابل مذمت فعل ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے جو کتاب ہدایت ہے۔ ایسا کرنا غضب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

اسی طرح اکثر وبیشتر لڑکی کی شادی اس کی رضامندی نہ ہونے کے باوجود چچا و تایا وغیرہ گھر کے کسی مرد سے کر دیتے ہیں تاکہ وراثت تقسیم نہ کرنی پڑے اور بیٹی کو اس کے باپ کی جائیداد میں سے حصہ نہ دینا پڑے۔ جاگیر دار اور زمین دار تو حیلے بہانے سے اپنی بیٹیوں کی شادیاں خاندان سے باہر کرتے ہی نہیں کہ اس طرح سے کہیں جائیداد خاندان سے باہر نہ چلی جائے اور پھر ان کی دیکھا دیکھی عام لوگوں نے بھی بیٹیوں اور بہنوں کو وراثت سے محروم کرنا شروع کر دیا ہے۔(۳)

۱۔ تفہیم القرآن، ص:۱/۳۲۸

۲۔ مفید الوارثین، ص:۳۱

۳۔ مسلمان عورت اور یورپی سازشیں میڈیا سروسز، ڈاکٹر امیر فیاض، مینگورہ، سوات، ۲۰۰۵ء، ص:۱۹

یہ امر قابل افسوس ہے کہ دور حاضر کے مسلمانوں نے یہود میں مروج طریقۂ کار کو اپنا لیا ہے اور دولت کو خاندان سے باہر جانے سے روکنے کے لیے بہنوں اور بیٹیوں کی خاندان میں شادی کرنے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔

پروفیسر ثریا بتول علوی پاکستانی معاشرے کی صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"پاکستان میں جاگیر دار، زمیندار اور وڈیرے عموماً اپنی لڑکیوں کی شادیاں خاندان سے باہر کرتے ہی نہیں کہ اس طرح کہیں جائیداد خاندان سے باہر نہ چلی جائے اور سندھ میں وڈیرے اپنی جائیداد بچانے کی خاطر اپنی بیٹیوں کی شادیاں قرآن سے کر دیتے ہیں۔ اس طرح عملاً وہ ساری عمر کنواری بیٹھی رہتی ہیں"[1]

۳۔ جدی پشتی جائیداد کی تقسیم سے گریز

زمیندار لوگ حصہ دینے سے بچنے کے لیے زمین کو تقسیم در تقسیم ہونے سے بچانے کا عذر پیش کرتے ہیں مرد حضرات یہ بہانہ تراشتے ہیں کہ باپ دادا کی جائیداد کی تقسیم کرنا مشکل کام ہے۔ بیٹیوں کو اگر جائیداد میں سے حصہ دے دیا جائے تو ان کے خاوند جو غیر بھی ہو سکتے ہیں ان کے علاقے یا گاؤں میں آکر زمین کا انتظام سنبھالیں تو اس سے علاقے کے سماجی اور سیاسی توازن میں ہلچل پیدا ہوتی ہے۔

معاشرے میں ایک یہ رواج بھی عام ہو گیا ہے کہ مدتوں وراثت تقسیم نہیں کی جاتی اور اسے مشترکہ ہی رہنے دیا جاتا ہے۔ میت کی زندگی میں جو جس چیز پر قابض ہوتا ہے وہ اسی کے پاس رہتی ہے۔ جائیداد کے جملہ معاملات کا اختیار کسی زبردست اور بڑے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض جگہوں پر باپ کی وفات کے بعد جائیداد سمیت گھر کے تمام امور بڑے بھائی کی زیر نگرانی آجاتے ہیں اور وہی سیاہ و سفید کا مالک بن جاتا ہے اور جائیداد ورثاء میں تقسیم نہیں کی جاتی اور اس صورتحال کا نقصان سب سے زیادہ خواتین کو ہوتا ہے۔ بیٹیوں، بہنوں، بیواؤں کو تو مطلقاً ان کے حق وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور اپنا مال ہونے کے باوجود انھیں دوسروں کے رحم و کرم پر رہنا پڑتا ہے۔

مذکورہ صورتحال بھی یہود کے طرز عمل کو اختیار کرنے کی غمازی کرتی ہے جس میں جائیداد کا مالک بڑا بیٹا ہوتا ہے اور باقی افراد خانہ کو اس کے زیرِ نگیں زندگی گزارنا پڑتی ہے۔

۴۔ جہیز وراثت کا نعم البدل

بعض لوگ لڑکیوں کو ان کی شادی کے موقع پر جہیز کے نام سے طے شدہ رقم اور سامان دے کر انھیں یہ باور کرا

۱۔ جدید تحریک نسواں اور اسلام، ثریا بتول علوی، ادارہ مطبوعات خواتین، لاہور، اشاعت اول، ۱۹۹۸ء، ص: ۳۰۵

دیتے ہیں کہ انھیں ان کا حصہ دے دیا گیا ہے اور جب تقسیم وراثت کا وقت آتا ہے تو لڑکیوں کو یہ کہہ کر انھیں ان کے حق وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے کہ تمہاری شادی کے موقع پر جو رقم اور سامان دیا گیا تھا وہی تمہارا حصہ ہے، اب تمہیں کچھ نہیں دیا جائے گا یہ خواتین کے ساتھ بہت بڑی بے انصافی ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جہیز عموماً گھریلو ضرورت کی اشیاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ بیٹوں کو اگر مکان، پلاٹ، زمین، فیکٹری یا دکان وغیرہ دی گئی ہے تو کیا گھریلو اشیاء مالی حیثیت میں ان کے برابر ہو سکتی ہیں؟ اور ویسے بھی جہیز کے نام پر کتنی ہی کثیر رقم کیوں نہ دی جائے وہ وراثت کا نعم البدل نہیں ہو سکتی کیونکہ وراثت کا استحقاق تو مورث کی موت کے بعد ہوتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کو اپنی زندگی میں جہیز میں پوری دنیا کی دولت بھی دے دے اور اس کے بعد اس بیٹی کا میراث میں ایک روپیہ بھی حق بنتا ہے تو وہ ایک روپیہ اس بیٹی کا حق ہے اور یہ اس کو دینا ہی پڑے گا لہذا جہیز کو وراثت کا نعم البدل قرار دینا سراسر ظلم وزیادتی ہے۔ جہیز اسلامی روایات کا حصہ نہیں بلکہ ہندو تہذیب وروایات کا حصہ ہے۔ ہندوؤں کے طرز عمل اور طریقے پر چل کر یہ سمجھنا کہ اسلامی طریقہ کار کے اصولوں پر بھی عمل ہو گیا۔ خام خیالی اور فریبِ نفس کے سوا کچھ نہیں اور اس پر ثواب کی امید ہر گز نہیں کی جا سکتی۔

پروفیسر ثریا بتول علوی اس تلخ حقیقت کے متعلق لکھتی ہیں:

> "عملاً عورت کا حق وراثت آج کل بعض مسلم معاشروں میں بری طرح پامال ہو رہا ہے خصوصاً برصغیر پاک وہند میں مختلف حیلوں اور بہانوں سے عورت کو شرعی حق وراثت سے محروم رکھنے کی وبا روز افزوں ہے۔ عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ عورتوں کو جہیز میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ وراثت کا بدل ہی تو ہے۔ جب انھوں نے لمبے چوڑے جہیز لے لیے تو وراثت میں ان کا کچھ بھی حصہ باقی نہیں رہتا"(۱)

ہمارے معاشرے میں یہ ظلم عظیم بہت دیدہ دلیری سے ہو رہا ہے کہ بہنوں اور بیٹیوں کو میراث سے محروم کر دیتے ہیں۔ اول تو بہنیں مروتاً اپنے حصے کا مطالبہ ہی نہیں کرتیں اور اگر کوئی ہمت کر کے مطالبہ کر بھی لے تو بھائی یہ کہہ دیتے ہیں کہ تمہاری شادی کے موقع پر جو جہیز تمہیں دیا گیا تھا وہی تمہارا حق تھا۔ اب تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ لیکن یہ سراسر ناانصافی وظلم ہے کیونکہ زندگی میں باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے وہ تحفہ اور ہدیہ ہوتا ہے اس کا میراث سے کوئی واسطہ نہیں۔ کیونکہ میراث تو انسان کے مرنے کے بعد جاری ہوتی ہے اور اس میں احکام الٰہی کے مطابق تمام ورثاء کا حصہ ہوتا ہے۔

ایک بری رسم یہ بھی ہے کہ غیر شادی شدہ بہنوں کو تو میراث میں حصہ دے دیتے ہیں، لیکن شادی شدہ بہنوں کو میراث میں حصہ نہیں دیا جاتا اور اگر وہ مطالبہ کریں تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ والد صاحب نے تمہاری شادی کے موقع پر

۱۔ جدید تحریک نسواں اور اسلام، ص: ۳۰۴

تمہارا جو جہیز تیار کرکے دیا تھا اس سے تمہارا حق ادا ہو گیا۔ یہ سوچ بھی بالکل غلط ہے۔ اول تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں لڑکیوں کا حصہ مقرر فرمایا ہے، اس میں غیر شادی شدہ ہونے کی کوئی قید نہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ زندگی میں باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے وہ ہدیہ اور تحفہ ہے، اس کا میراث سے کوئی تعلق نہیں۔ میراث تو وہ مال ہے جو انسان مرتے وقت چھوڑ کر جاتا ہے اور اس میں سارے ورثاء اپنے اپنے حصوں کے مطابق حقدار ہوتے ہیں، اس لیے زندگی میں کسی وارث کو کچھ مال دینے سے اس کا حصہ ختم نہیں ہوتا۔ لہٰذا شادی شدہ بہنیں بھی اپنے حصہ کی حقدار ہیں۔[1]

بیٹیوں کو حق میراث نہ دینا یہ ایک ہندوانہ تصور ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ سالہا سال رہنے کی وجہ سے مسلمانوں نے بھی ان کی تہذیب کے اثرات کو قبول کرلیا اور ہندو تہذیب میں عورت کے لیے کوئی میراث نہیں ہوتی، والد نے زندگی میں بیٹی کو جو کچھ دے دیا وہ صرف اسی کی مالک ہوتی ہے اور باپ کی موت کے بعد تمام جائیداد کے بیٹے وارث ہوتے ہیں۔ اس میں خواتین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا اور اب وہی اثر ہمارے معاشرے اور تہذیب میں نظر آتا ہے۔ مسلمانوں کو قطعاً زیب نہیں دیتا کہ وہ حیلوں، بہانوں سے بہنوں، بیٹیوں کو ان کے حق وراثت سے محروم کریں۔ اسلام عورت کو وراثت کا حقدار قرار دیتا ہے جبکہ معاشرہ جبر کرکے ان کے حقوق کو سلب کر رہا ہے۔ لوگ رواج نہیں چھوڑتے مگر احکام شریعت کی پرواہ نہیں کرتے۔ جہیز رواج ہے اس لیے اپنی ناک کا بھرم رکھنے کے لیے ضرور دیتے ہیں لیکن حق وراثت کی ادائیگی فرض ہونے کے باوجود ادا نہیں کرتے اور اس معاملے میں سستی و کاہلی سے کام لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

۵۔ لڑکیوں کا حق وراثت کے حصول کو معیوب سمجھنا

ہمارے ملک میں سالہا سال سے یہ رواج چلا آرہا ہے کہ مسلمان اپنی لڑکیوں کو ان کا حق وراثت نہیں دیتے اور یہ رواج اتنا راسخ اور مسلط ہو گیا ہے کہ لڑکیاں اس بات کو معیوب سمجھنے لگی ہیں کہ بہنیں اپنے بھائیوں سے اپنا حق میراث مانگیں اور اس نہ مانگنے کو شرم وحیا کا رتبہ دیا گیا ہے اور اسی رسمی حیا کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بہنیں اپنا حصہ بھائیوں کو بخش دینا فرض عین سمجھتی ہیں۔ حالانکہ بہن کو بھی ترکے میں سے اپنے حصے کی شدید ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ اپنی ضرورت پر اس رسمی شرافت کی لاج رکھنے کو ترجیح دیتی ہے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اسے نا صرف لوگوں کے طعنوں اور لعنت وملامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے اس پر میکے کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ بہنیں بھائیوں سے اپنا حق طلب کریں اس کا ہمارے معاشرے میں صدیوں سے رواج ہی نہیں ہے۔ اس لیے جو بہن اپنا حق وراثت مانگنے کی جسارت کرتی ہے معاشرہ اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جیسے اس سے بہت بڑا جرم سرزد ہو گیا ہو۔ اس کا بھائیوں کی

۱۔ میراث کی تقسیم میں کوتاہی کرنا، مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی، مطبوعہ: ماہنامہ البلاغ، مجلس احرارِ اسلام پاکستان، اکتوبر ۲۰۱۷ء

جانب سے سوشل بائیکاٹ کیا جاتا ہے اور بھائی بہن سے اپنے رشتے کو منقطع کرنے کی دھمکی دے دیتے ہیں اور اس سوشل بائیکاٹ کو برداشت کرنے کی کمزور بہن متحمل نہیں ہوتی لہذا وہ مجبوراً اپنے حق وراثت سے دستبردار ہو جاتی ہے۔ اکثر پڑھی لکھی مسلمان خواتین بھی معاشرتی دباؤ میں آکر بھائیوں کو اپنا حق وراثت معاف کر دیتی ہیں لیکن یہ معافی دل سے نہیں ہوتی۔ وراثت کا حق عورت کا وہ حق ہے جو اس کے مجبوراً معاف کرنے سے بھی ساقط نہیں ہوتا اور وہ جب چاہے معاف کرنے کے بعد بھی دوبارہ اپنے حصے کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

بہنوں کا حصہ سلب کرنے کی ایک دوسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ بھائی بہن کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ان کے حق میں اپنے حصے سے دستبردار ہو جائیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کبھی چھوٹے موٹے تحائف سے اس کی دلجوئی کرتے ہیں یا بسا اوقات تھوڑا بہت مالی معاوضہ دے دیتے ہیں جو جائیداد کے بدلے میں بہت کم ہوتا ہے۔ کبھی خوشامد کا ہتھیار استعمال کرتے ہیں تو کبھی غصہ اور خون کی گرمی دکھاتے ہیں کہ اگر تو نے اپنا حصہ نہ دیا تو پھر نہ تو میری بہن اور نہ میں تیرا بھائی، اس لیے اب ہمارے گھر میں قدم رکھنے کی ضرورت نہیں۔ بہنیں جب بھائیوں کا یہ رویہ دیکھتی ہیں تو چاروناچار اپنے حصے سے دستبردار ہو جاتی ہیں کہ کہیں ہمارا میکے سے تعلق ختم نہ ہو جائے۔

یہ مسئلہ بڑا سنگین نوعیت اختیار کر چکا ہے عموماً بھائی بہنوں سے کہتے ہیں اگر تم ہم سے تعلق برقرار رکھنا چاہتی ہو تو وراثت کا خیال دل سے نکال دو اور بہنیں یہ سوچ کر کہ ماں باپ تو پہلے ہی فوت ہو چکے ہیں اب ہمارا میکہ تو صرف بھائیوں کے دم قدم ہی سے قائم ہے۔ اگر یہ بھی ناراض ہو گئے تو پھر ہم اپنے بھائیوں کی شکل دیکھنے سے بھی محروم رہ جائیں گی لہذا وہ کہہ دیتی ہیں کہ ہم نے اپنی جائیداد کا حصہ تمہیں بخش دیا۔ حالانکہ جو حق وہ "بخوشی" بھائیوں کو بخش رہی ہوتی ہیں وہ خود اچھی طرح جانتی ہیں کہ یہ ان کی کتنی بڑی مجبوری ہے۔ چند خوفِ خدا رکھنے والے دین دار لوگوں کے علاوہ مسلمانوں کی اکثریت بہنوں کو وراثت کے حق سے محروم رکھ کر بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہی ہے۔[۱]

عموماً یہی ہوتا ہے کہ بہن اپنا حصہ برضا و رغبت نہیں دیتی بلکہ اس پر بھائی کا ڈر اور جبر مسلط ہوتا ہے اور ایسی صورت میں بہن کا اپنے حصے سے دستبردار ہونا اور اپنا حصہ ہبہ کر دینا شریعت میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

وراثت ایک اضطراری ملک اور شرعی حق ہے اور شریعت میں ورثاء کو میراث میں جو حق ملتا ہے اس کے بارے میں فرمان الٰہی ہے کہ:

﴿نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾[۲]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہے۔

۱۔ جدید تحریکِ نسواں اور اسلام، ص: ۳۰۵

۲۔ سورۃ النساء: ۴/ ۷

یعنی ایسا حصہ جس کا لینا اللہ تعالیٰ نے فرض کر دیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس حق کو لینا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی منشا سے وارث پر فرض کیا ہے کسی انسان کے اختیار کو اس میں دخل نہیں ہے۔ لہٰذا کوئی وارث اپنے حق کو لینے سے انکار نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی دوسرے وارث کو اس کے حق سے محروم کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ باپ کی موت کے بعد لڑکی خود بخود وارث بن جاتی ہے۔ اگر لڑکی کسی وجہ سے چاہے بھی کہ میں اپنا حصہ نہ لوں اور اس کی وارث نہ بنوں تو اس کا یہ ارادہ شریعت میں قطعاً باطل ہے اسے ہر حال میں اپنا حصہ لینا پڑے گا۔ اس لیے بہن کا صرف زبان سے معاف کر دینا یا لینے سے انکار کر دینا یا ایسا ہبہ کرنا جس میں اس کا اشتراک ہو ان تمام صورتوں میں بہن کی میراث ساقط نہیں ہو سکتی۔ انسان کا ترکہ اس کی وفات کے بعد اس کی اولاد (بیٹے اور بیٹیاں) میں مشترک ہو جاتا ہے تو چونکہ بہنیں اس جائیداد میں شریک ہوتی ہیں اس لیے بھائی ان کی شراکت ختم کروانے کے لیے بہنوں کو مجبور کر کے ان سے اپنے حق میں بیان دلوا دیتے ہیں کہ ہم اپنے حصے سے اپنے بھائیوں کے حق میں دستبردار ہو رہی ہیں۔ حالانکہ زمین مشترک ہوتی ہے اور تقسیم نہ ہونے کی وجہ سے بہنوں کا اس پر قبضہ نہیں ہوتا۔ جبکہ مشترک چیز کے ہبہ میں یہ بنیادی شرط ہے کہ پہلے اسے حصوں میں تقسیم کر کے اس پر باقاعدہ قبضہ کیا جائے اور قبضہ ملنے کے بعد اس میں تصرف کرنے اور منفعت حاصل کرنے پر بھی قادر ہو، اس کے بعد کوئی اپنے حصے کو ہبہ کرے تو جائز ہوگا لہٰذا اگر کوئی مشترک زمین کو بغیر تقسیم کیے اور بغیر قبضہ لیے کسی اور کو اپنا حصہ لکھ دے یا دے دینے کا اقرار کرے تو ایسا ہبہ باطل ہے اور اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔

مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

> "میراث میں تو ایسی گڑبڑ ہو رہی ہے کہ خدا کی پناہ جس کے ہاتھ جو آ گیا وہ اس نے دبا لیا حتیٰ کہ ایک بھائی دوسرے کو میراث دینا نہیں چاہتا حالانکہ میراث کا مسئلہ ایسا نازک ہے کہ ایک بزرگ اپنے دوست کی عیادت کو گئے جب ان کا انتقال ہو گیا تو آپ نے فوراً چراغ گل کر دیا اور فرمایا کہ اب اس چراغ میں وارثین کا تیل ہے اور سب سے اجازت دشوار ہے۔ آج یہ حالت ہے کہ اللہ واسطے دینے میں بھی احتیاط نہیں کہ جہاں کوئی مرا فوراً اس کے کپڑے مسجد یا مدرسے میں بھیج دیے۔ حالانکہ جس وقت تک تقسیم نہ ہو جائیں اس وقت تک یہ مشترک میں تصرف ہے جو بدون سب کے اذن اور طیب خاطر کے جائز نہیں ہے"[1]

خواتین کی محرومی کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ انھیں اثاثوں کی درست جگہ اور وجود سے ناواقف رکھا جاتا ہے اور درست معلومات نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنا حق وراثت حاصل کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔

عام طور پر متوفی کے اثاثے مرحوم کے مرد ورثاء کی نگرانی اور قبضے میں ہوتے ہیں اور خواتین ورثاء کو ان اثاثوں

۱۔ دعوات عبدیت، ص:۴/ ۲۱۰

کے وجود یا جگہ کا پتہ نہیں ہوتا۔ اثاثے عموماً بغیر کسی عدالتی کاروائی کی طرف رجوع کیے تقسیم کر لیے جاتے ہیں۔ جب ورثاء میں جھگڑے اٹھتے ہیں تو اہتمام ترکہ کی نالش دائر کی جاسکتی ہے لیکن اثاثوں سے ناواقفیت، اسٹامپ ڈیوٹی، مقدمہ بازی کے خرچ اور طوالت اور جو عدالت تک جانے سے عورت پر انگلیاں سی اٹھنے لگتی ہیں اس کی وجہ سے بھی خاتون کو جسے حصے سے محروم رکھا گیا ہے عدالت تک جانے سے باز رکھتے ہیں۔ (۱)

کچھ عرصہ قبل سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان جسٹس ایس خواجہ نے وراثت کے ایک کیس میں درج ذیل ریمارکس دیئے ہیں کہ:

> "ہمارے معاشرے کی روایت بنتی جارہی ہے کہ بہنوں، بیٹیوں کو وراثت میں سے کچھ بھی نہیں دیا جاتا بلکہ انہیں ڈرا دھمکا کر وراثت میں سے کچھ بھی نہ لینے پر قائل کر لیا جاتا ہے۔ زمینوں اور جائیدادوں سے پیار کرنے والے بعض اوقات سگی بہنوں اور بیٹیوں کے وجود تک سے انکاری ہو جاتے ہیں" (۲)

اسلامی قانون وراثت کی رو سے وراثت ایک ایسا مالی حق ہے جو لازمی طور پر وارث کی ملکیت میں آجاتا ہے جو اسے ہر صورت لینا ہے۔ جو غلبہ تہذیب اور رسم ورواج کی وجہ سے نہ تو معاف کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کوئی جبراً معاف کروانے کا حق رکھتا ہے۔ ایسا کرنا ظلم وتعدی ہے۔ لیکن آج یہ قبیح رسم اکثر دیندار گھرانوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ میراث میں بیٹیوں کو حصہ نہیں دیا جاتا اور صرف بیٹوں کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ بعض لوگ جو بہنوں کو وراثت میں حصہ دار سمجھتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی طرح بہنوں سے ان کا حصہ معاف کروا کر اپنے حق میں دستبردار ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ نتیجتاً بہنیں زبانی طور پر اپنا حصہ معاف کر دیتی ہیں اور بھائی یہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم اکیلے ہی اس ترکے کے حقدار اور وارث ہیں۔ یہ سراسر ظلم ہے، زمانہ جاہلیت کی رسمِ بد ہے جو جاہلیتِ جدیدہ کے روپ میں عود آئی ہے اور اس میں خلافِ شرع ہندوؤں کی ظالمانہ رسم کی تائید وترویج ہے اور اس مجبوری کی دستبرداری سے بھائیوں کے لیے بہنوں کا حصہ استعمال میں لانا حلال نہیں ہو جاتا اس لیے مردوں پر لازم ہے کہ وہ خواتین کو ان کا حق وراثت تفویض کریں تاکہ آخرت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پکڑ سے بچ سکیں۔

۶۔ بیوہ کا دوسری شادی کرنا

آج کل خواتین کو حق وراثت سے محروم کرنے کا ایک عام رواج معاشرے میں پھیل گیا ہے جس کی ایک صورت یہ ہے کہ بیوہ کو دوسری شادی کرنے کی وجہ سے اس کے حصے سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ جو کہ سراسر ظلم وناانصافی

۱۔ پاکستانی عورت کی سماجی و قانونی حیثیت، رشیدہ پٹیل، کل پاکستان انجمن خواتین، (اپواء) کراچی، ۱۹۸۱ء، ص: ۲۷۰۔ ۲۷۱

۲۔ نظام وراثت اور خواتین کی حق تلفی صدائے تکبیر، کالم نگار: پروفیسر مسعود اختر ہزاروی، اسٹاف رپورٹر، روزنامہ جنگ، ۲۸ اکتوبر ۲۰۱۷ء

اور حکم الٰہی کی صریح نافرمانی ہے کیونکہ جو عورت شوہر کی وفات کے وقت اس کے نکاح یا اس کی عدت میں ہو وہ اپنے شوہر کی وارث ہے، پھر اگر وہ عدت پوری ہونے کے بعد دوسری جگہ شادی کر لے تو اس کا حق وراثت قائم رہتا ہے۔

مولانا محمد اشرف علی تھانوی تحریر کرتے ہیں:

"ہمیں سخت تعجب آتا ہے اور لوگوں پر کہ جب کوئی بیوہ عورت نکاح کر لیتی ہے تو جس کی وہ مالک ہوتی ہے ورثاء اس سے لے لیتے ہیں حالانکہ از روئے قانون شرع اسلام وہ اختیار رکھتی ہے کہ نکاح کرنے کے وقت وہ اپنا حصہ بیچ ڈالے یا اپنے پاس رکھے اور قابض رہے"[۱]

سید میاں اصغر حسین اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"نکاح ثانی کر لینے سے عورت اپنے شوہر کی میراث سے محروم نہیں ہوتی کیونکہ نکاح ثانی کوئی جرم نہیں جیسے پہلا نکاح جائز، مسنون وباعث ثواب ہے اسی طرح دوسرا ہے بلکہ پہلے سے بڑھ کر اس کا ثواب وفضیلت ہے پس جو لوگ نکاح ثانی کو عار اور جرم سمجھ کر اس کی وجہ سے عورتوں کو شوہر کی میراث سے محروم کر دیتے ہیں وہ نہایت عذاب کے مستحق اور اعلیٰ درجے کے گنہگار ہوتے ہیں بلکہ اصرار کرنے سے کفر کا اندیشہ ہے کیونکہ یہ رواج محض ہندوستان وغیرہ کے کفار کا ہے جنہوں نے عورتوں کو نکاح ثانی سے باز رکھنے اور روکنے کے لیے یہ سخت سزا یعنی محرومی میراث تجویز کی تھی۔ ایسے افعال اور اعتقاد شنیعہ سے توبہ کر کے اپنے ایمان کی حفاظت کرنی چاہیے۔ عورت حسب قاعدہ شرعی یکے بعد دیگرے جس قدر دل چاہے نکاح کرے اپنے وفات یافتہ شوہروں کے مال میں سے علاوہ مہر کے میراث کی پوری مستحق وحق دار ہوگی"[۲]

اسلام نہ صرف عورت کو بیوی ہونے کی حیثیت سے میراث میں حصہ دار قرار دیتا ہے بلکہ اسے ایسی صورت میں بھی میراث سے حصہ دیتا ہے جبکہ وہ نکاح کے بعد بیوی کی حیثیت سے شوہر کے گھر میں بھی داخل نہیں ہوئی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو نکاح کرنے کے بعد مہر مقرر کرنے اور صحبت کرنے سے پہلے فوت ہو جائے۔

((أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتَّى مَاتَ، فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا، لَا وَكْسَ، وَلَا شَطَطَ، وَعَلَيْهَا العِدَّةُ، وَلَهَا المِيرَاثُ، فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الأَشْجَعِيُّ، فَقَالَ: «قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

۱۔ احکام اسلام عقل کی نظر میں، ص:۲۵۳

۲۔ مفید الوارثین، ص:۷۶

وَسَلَّمَ فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ امْرَأَةٍ مِنَّا مِثْلَ الَّذِي قَضَيْتَ»)) (۱)

ترجمہ: ان سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے شادی کی لیکن اس نے نہ اس کا مہر مقرر کیا اور نہ اس سے صحبت کی یہاں تک کہ وہ مر گیا، تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس عورت کے لیے اپنے خاندان کی عورتوں کے جیسا مہر ہو گا، نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ۔ اسے عدت بھی گزارنی ہو گی اور میراث میں بھی اس کا حق ہو گا تو معقل بن سنان اشجعی نے کھڑے ہو کر کہا: بروع بنت واشق جو ہمارے قبیلے کی عورت تھی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا جیسا آپ نے کیا ہے۔

مولانا شوکت علی قاسمی لکھتے ہیں کہ:

"اگر کسی عورت نے اپنے پہلے خاوند کے مر جانے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کر لیا تو یہ دوسرا نکاح اس کو اپنے پہلے خاوند کے حق وراثت سے نہیں روک سکے گا بلکہ وہ وارث ہو جائے گی۔ اور اگر ایک مرد اور عورت کے درمیان نکاح شرعی ہو گیا مگر ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی تھی تو ان دونوں کے درمیان وراثت جاری ہو جائے گی"(۲)

بعض جگہوں پر یہ رواج ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد بیوہ سے زبردستی مہر معاف کروایا جاتا ہے اور بیوہ بیچاری مجبوراً با دل نخواستہ مہر معاف کر دیتی ہے۔ یہ طریقہ شرعاً جائز نہیں اور شریعت ایسی قبیح حرکت کی اجازت نہیں دیتی اور اس طرح مہر معاف کروانے سے معاف نہیں ہو گا اور مہر کی ادائیگی کرنا لازم ہو گا۔ بعض لوگ مہر تو معاف نہیں کرواتے لیکن خاوند کی وفات کے بعد بیوہ کو میراث میں حصہ نہیں دیتے بلکہ مہر دے کر جان چھڑا لیتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی درست نہیں کیونکہ شرعی لحاظ سے حق مہر کا بیوی کے حصہ میراث سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں۔ اس لیے مہر کی ادائیگی الگ کی جائے گی کیونکہ وہ بمنزلہ قرض ہے اور حق وراثت کی ادائیگی الگ کرنا ضروری ہے کیونکہ بیوی کا حق وراثت نص قطعی سے ثابت ہے۔

بعض خاندانوں میں یہ رواج بھی ہے کہ جو عورت شوہر کے قبیلے سے نہ ہو اسے میراث نہیں دیتے۔ یہ بھی بہت بڑا ظلم اور جہالت ہے۔ بیوہ ہر حال میں اپنے خاوند کے ترکے میں وراثت کی حقدار ہے چاہے وہ خاوند کے خاندان اور قبیلے میں سے ہو یا کسی اور خاندان یا قبیلے سے تعلق رکھتی ہو۔

ایک اور ظلم جو ہمارے معاشرے میں روا رکھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ باپ کی دوسری بیوی کو بھی اس کا حق وراثت نہیں دیا جاتا حالانکہ جب باپ کا ترکہ تقسیم کیا جاتا ہے تو اس میں اس کی ہر بیوی کا حصہ ہوتا ہے۔ اس کا سوتیلی ماں ہونا تو

۱۔ سنن ترمذی، کتاب النِّكَاحِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ فَيَمُوتُ...، حدیث:۱۱۴۵، ص:۳/۴۴۲

۲۔ اسلام کا قانون وراثت، مولانا شوکت علی قاسمی، ادارہ فرقان، صوابی، ص:۳۳

اولاد کے اعتبار سے ہوتا ہے لیکن شوہر کے اعتبار سے وہ متوفٰی کی بیوی ہوتی ہے اور بیوی کا وراثت میں حصہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔لہذا سوتیلی ماں بھی بچوں کی حقیقی ماں کی طرح وراثت کی حقدار ہوتی ہے۔اس لیے اسے اس کے حصے سے محروم کرنا صریح ظلم اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کے مترادف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم﴾(۱)

ترجمہ: اور ان کے لیے تمہارے ترکے میں سے چوتھا حصہ ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔اگر تمہاری اولاد ہو تو انہیں تمہارے ترکے میں سے آٹھواں حصہ ملے گا۔

بعض لوگ بیوی کو اس کے حق وراثت سے محروم رکھنے کے لیے اسے حالت مرض میں طلاق دے دیتے ہیں۔یہ بہت بڑی ناانصافی اور ظلم ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی زندگیوں سے ہمیں مثالیں ملتی ہیں کہ حالتِ مرض میں دی ہوئی طلاق میں انہوں نے مطلقہ بیوی کو حق میراث دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مکمل کی عورت کو وراثت کا حق دیا تھا حالانکہ انہوں نے انھیں بیماری کی حالت میں طلاق دی تھی۔(۲)

ایک اور واقعہ امام شعرانیؒ نے تحریر کیا ہے:

"حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیوی نے آپ سے طلاق مانگی تھی تو انھوں نے انہیں اپنی بیماری کی حالت میں مغلظہ طلاق دے دی یا (فرمایا) ایک ایسی طلاق دے دی جو (تینوں میں سے) بچ گئی تھی چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں عدت گزرنے پر ان کے شوہر کا وارث بنایا"(۳)

میراث کی ادائیگی کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل قابل ستائش اور قابل تقلید ہے۔اگر میراث کے عمل میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور دور حاضر کے مسلمانوں کا تقابل کیا جائے تو زمین و آسماں کا بعد نظر آتا ہے۔آج تو حالتِ زار یہ ہے کہ عورت کو اس کے حق وراثت سے محروم رکھنے کے لیے اکثر مسلمان حضرات حالتِ مرض میں اپنی بیویوں کو طلاق دے دیتے ہیں۔جو کہ ایک مذموم اور شرمناک حرکت ہے۔

قصہ مختصر قرآن مجید میں تقسیم وراثت کے واضح احکامات اور حصہ داروں کی حق تلفی پر سخت وعید وارد ہونے

۱۔ سورۃ النساء:۴۴/۱۲

۲۔ کشف الغمہ، ص:۲/۱۲۸

۳۔ ایضاً

کے باوجود آج ہمارے معاشرے میں اس گناہ عظیم کا ارتکاب عام ہو گیا ہے۔ لوگوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا ہے جو جس کے جی میں سما جائے کر گزرتا ہے۔ احکام شریعت کا کچھ لحاظ ہی نہیں۔ ان کی حالت تو اس فرمان الٰہی کے مصداق ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ﴾ (۱)

ترجمہ: کیا آپ نے شخص کو بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ایسے لوگوں کی عکاسی ان الفاظ میں کی ہے:

"لوگوں نے عقل کا چراغ بجھا دیا ہے جو کسی قوی سے قوی دلیل کو ماننے کے لیے بھی تیار نہیں، جو حق کے نور کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں، جو محض اپنی خواہش نفس کے عبادت گزار ہیں، ان کا نفس ہی ان کا خدا ہے، جدھر وہ چاہتا ہے ادھر انھیں وہ ہانک کر لے جاتا ہے، وہ اسی کی پوجا کرنے میں مگن ہیں" (۲)

یہی حقیقت آج ہمارے معاشرے میں دکھائی دیتی ہے۔ اپنی خواہشاتِ نفس کو پورا کرنے کے لیے مسلمانوں نے احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ خواتین کی بہت قلیل تعداد ایسی ہے جہاں جائیداد ان کے نام کی گئی ہے۔ اگر کہیں عورت کے نام جائیداد دکھائی دیتی بھی ہے تو اس کے پس پردہ کچھ اور عوامل اور مقاصد ہوتے ہیں۔ کبھی ٹیکس سے بچنے کے لیے، کبھی کسی دھوکہ دہی کو چھپانے کے لیے جائیداد گھر کی عورتوں کے نام کر دی جاتی ہے لیکن یہ بھی صرف کاغذی دستاویزات کی حد تک کیا جاتا ہے۔ اس جائیداد پر عورت کا کوئی اختیار اور تصرف نہیں ہوتا۔

"اکثر رشتوں کے نام پر عورتوں کو بلیک میل کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی عورت اپنی جائیداد کا حصہ لینے کا اعلان کر دے تو اکثر اس سے قطع تعلق کر لیا جاتا ہے۔ جائیداد حاصل کرنے کا مطالبہ بھی عورت کی طرف سے نہیں بلکہ اس کے سسرالی رشتہ داروں کی طرف سے دباؤ کی وجہ سے ہوتا ہے عموماً جائیداد کی خرید و فروخت اور منتقلی میں عورت کا عملی دخل نظر نہیں آتا۔ اگر کسی عورت کو جائیداد میں کافی زیادہ حصہ ملتا ہے تو شادی کی صورت میں شوہر اس پر قابض ہو جاتا ہے" (۳)

غرضیکہ خواتین کو ان کے حق میراث سے محروم رکھنے کے لیے ہر طرح کے جائز و ناجائز ہتھکنڈے اور حیلے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جو لوگ بیٹیوں اور بہنوں کو ان کا شرعی حق نہیں دیتے۔ وہ آخرت کے وبال اور عذاب کو خود

۱۔ سورۃ الفرقان:۲۵/۴۳

۲۔ ضیاء القرآن، ص:۳/۳۶۶

۳۔ عورت کا المیہ، فاخرہ تحریم، ادارہ تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص:۱۳۶

دعوت دے رہے ہیں اور بہنیں یہ سوچ کر کہ حصہ تو ملنے والا نہیں، رسم ورواج اور لوگوں کی لعنت وملامت کے خوف سے اور بھائیوں کی ناراضگی کے ڈر سے بادل نخواستہ اپنا حصہ معاف کر دیتی ہیں تو ایسی معافی شرعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور اس سے بہنوں کا حق میراث ختم نہیں ہوتا بلکہ باقی رہتا ہے کیونکہ یہ معافی دل سے نہیں ہوتی بلکہ بھائیوں اور خاندان کے دوسرے لوگوں کے سوشل بائیکاٹ سے بچنے کی غرض سے ہوتی ہے۔اس لیے ان کا حق زور زبردستی سے دبانے والا گنہگار اور اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے اور اس نافرمانی اور ظلم کا خمیازہ اسے آخرت میں بھگتنا ہو گا کیونکہ کسی کا حق کھانا حرام ہے۔جو لوگ سود، چوری، رشوت اور جھوٹ سے بچتے ہیں ،بدقسمتی سے وہ بھی جائیداد کی تقسیم میں صرفِ نظر یا کوتاہی کے مرتکب نظر آتے ہیں۔دنیادار تو ایک طرف،بڑے بڑے دیندار بھی خواتین کو ترکے میں سے ان کا شرعی حصہ دینے میں کنی کترانے سے باز نہیں آتے۔ تقسیم میراث میں کوتاہیاں اس قدر عام ہو چکی ہیں کہ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو طاقتور ورثاء "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے مصداق بندر بانٹ کر لیتے ہیں۔

صد حیف کہ عہد حاضر کے مسلمانوں نے خواتین کو ان کے حق میراث سے محروم کر کے آج کی مسلم عورت کو احساس کمتری اور عدم تحفظ کی اسی دلدل میں پھینک دیا ہے جو یہودیت میں عورت کا مقدر رہے۔قرآن کریم میں نص قطعی کے ذریعے عورت کا حصہ مقرر ہونے کے باوجود آج کا مسلمان عورت کو اس کے حق وراثت سے محروم رکھنے کی بھیانک جسارت کرتے ہوئے دکھائی دیتا ہے گویا وہ دنیاوی مفاد کے حصول کے لیے آخرت کی ابدی سزا کو فراموش کر بیٹھا ہے اور بخوشی اس دائمی ذلت ورسوائی کو گلے سے لگانے پر آمادہ ہے۔ جس کا سبب اسلام سے دوری، قرآن وحدیث اور علم المیراث سے ناواقفیت، حرص وہوس، جذبات سے کھیلنا، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ رکھنا اور سب سے بڑھ کر لوگوں میں خوفِ خداوندی کا فقدان ہے۔

فصل سوم

حق وراثت سے محرومی پر معاشرتی اثرات ونتائج

اسلام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا عطا کردہ پسندیدہ دین ہے جو عین فطرتِ انسانی کے موافق ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم و علیم، خبیر و بصیر، حسیب ومقیت اور عادل و منصف ہے اور اس کے مقرر کردہ احکام و قوانین کی بجا آوری میں ہی انسان کی دنیاوی واخروی بھلائی مضمر ہے۔ انسان کا معاشرت کے تحت جتنے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے شریعت نے سب کے حقوق متعین کر دیئے ہیں۔ ہر ایک کو اس سے متعلق حقوق کی ادائیگی کا مکلف بنایا ہے اور اس نظام کو ہر ممکن تقویت بخشی ہے۔ ان کی بجا آوری کرنے پر انعام واکرام اور اخروی اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے اور لاپروائی کرنے والوں کی بے انتہا مذمت کی ہے اور غفلت ولاپروائی برتنے پر آخرت میں دائمی رسوا کن عذاب کی وعید بھی سنائی ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾[1]

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

دینِ اسلام کا بنیادی مقصد بالعموم انسان اور بالخصوص مسلمان کی خیر خواہی ہے۔ انسان کی فلاح وبہبود کے لیے اسلام نے ایک ایسا نظامِ معیشت تشکیل دیا جس میں دولت کی زیادہ سے زیادہ تقسیم ہو تاکہ معاشرے کے زیادہ سے زیادہ افراد اس سے مستفید ہو سکیں اور اس اصول کو دوسرے شعبہ ہائے زندگی کی طرح قانونِ وراثت میں بھی ملحوظِ خاطر رکھا۔ اسلامی قانونِ وراثت کی اہمیت کے پیشِ نظر اللہ تبارک وتعالیٰ نے احکامِ وراثت کو "فریضۃ من اللہ" اور حدود اللہ" سے تعبیر فرمایا کیونکہ ان احکام و قوانین کا تعلق صرف ایک فرد سے نہیں بلکہ پورے معاشرے سے ہے۔ ان کی ورثاء کو درست اور بروقت ادائیگی معاشرے میں امن وسکون اور آسودگی پیدا کرتی ہے اور آپس میں اخوت و بھائی چارے کی فضا قائم رکھنے کی ضامن ہے۔ اسلامی قانونِ وراثت میں شریعت نے خواتین اور مردوں کے حصص کی تقسیم کا طریقہ کار اور حصوں کی کمی بیشی ایسی سادہ اور واضح رکھی ہے کہ ہر شخص اس کو باآسانی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں افراط و

۱۔ سورۃ النساء: ۴/ ۱۳

تفریط کا قطعاً کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے حصص خود ہی بیان کر دیئے ہیں۔ خاندانی روابط خواہ وہ قریب کے ہوں یا بعید کے، سب کے سب فطری ہوتے ہیں۔ اس لیے اسلام نے خاندان کے دائرے میں کفالت کو معاشرتی کفالت کی اساس بنا دیا اور میراث کو اس کا ایک مظہر قرار دیا۔ لہٰذا اس بات سے انکار محال ہے کہ میراث کا تعلق خاندانی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا اہم ذریعۂ کفالت ہے جس کو ذہن میں رکھ کر ایک عورت ماں، بیوی، بہن اور بیٹی کی حیثیت سے خاندانی زندگی احسن طریقے سے گزار سکتی ہے اور کسی قسم کے ذریعہ معاش کی ضرورت واحتیاج باقی نہیں رہتی کیونکہ وہ ان تمام رشتوں میں اتنا مال پاسکتی ہے کہ جس سے اسے اپنی ضروریات وحاجات کو پورا کرنے کے لیے پوری زندگی کا مالی تحفظ حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن موجودہ دور میں دین سے دوری، لالچ و حرص اور مختلف تہذیبوں سے اختلاط وملاپ کی وجہ سے مسلمانوں نے احکام میراث کو یکسر فراموش کر دیا ہے جس کی وجہ سے خواتین کو ان کے حقِ وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے حالانکہ عورتوں، یتیموں اور بیٹیوں کو میراث اور جائیداد کے حصے سے محروم رکھنا ایک بہت بڑا جرم اور گناہ ہے۔ یہ قانونِ خداوندی سے بغاوت کے مترادف ہے اور اس کے معاشرے پر بھی برے اثرات مرتب ہوتے ہیں جن کے نتائج بہت سنگین ہوتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں درج ذیل کوتاہیاں عام طور پر دیکھنے میں آتی ہیں۔

۱. ایک طویل عرصے تک مرحوم یا مرحومہ کی جائیداد کو تقسیم نہ کرنا۔
۲. شریعت سے قطع نظر، خاندان کے "بڑوں" کی باہمی مشاورت سے جائیداد کو تقسیم کر دینا۔
۳. تقسیمِ جائیداد کے وقت اپنے حصے میں اضافے کی نیت رکھ کر اس کے حصول کے لیے کوشاں ہو جانا۔
۴. کسی نافرمانی کی وجہ سے اپنی اولاد کو جائیداد سے عاق کر دینا یا طبعی میلان کی وجہ سے اولاد میں سے کسی کو زیادہ اور عمدہ حصے کا مالک بنا دینا۔
۵. خواتین کو کم حصہ دینا یا انھیں ان کے حقِ وراثت سے محروم رکھنا، بالخصوص بہنوں سے ان کا حصہ اپنے حق میں جبراً معاف کروالینا۔
۶. اپنا تمام مال کسی ٹرسٹ، ادارے یا ہسپتال کے لیے وقف کرنے کی وصیت کر دینا اور اپنی اولاد اور رشتہ داروں کو وصیت کے ذریعے سے ان کے حقِ وراثت سے محروم کر دینا۔ ایسا ثواب کی نیت سے کیا جاتا ہے جبکہ یہ باعثِ ثواب نہیں بلکہ عذابِ الٰہی کا موجب بنتا ہے۔

مندرجہ بالا کوتاہیوں اور غفلتوں کے خاندان اور معاشرے پر سنگین اثرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

ہمارے معاشرے میں وراثت کی بروقت تقسیم میں غفلت برتی جاتی ہے اور نسل در نسل ترکہ تقسیم ہی نہیں کیا جاتا اور میراث کی تقسیم میں اس تاخیر کی وجہ سے پیچیدگیاں بڑھتی جاتی ہیں۔پشت در پشت ترکہ تقسیم نہ کرنے کا نتیجہ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ ترکہ کئی نسلوں تک ایسے افراد کے زیرِ تصرف رہتا ہے جن کا اس پر حق ہی نہیں ہوتا اور وہ اس سے متنفع ہو رہے ہوتے ہیں۔ جبکہ اس مال کے حقیقی وارث بیچارے ناصرف پریشان اور خستہ حال ہوتے ہیں بلکہ اکثر اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لیے دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور قرضے کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں جبکہ غیر مستحق افراد ان کے مال سے متمتع ہو رہے ہوتے ہیں اور حقدار اپنے حق سے سالہا سال بلکہ کئی پشتوں تک محروم رہتے ہیں۔جو دلوں میں رنجش و نفرت پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے اور عداوت و دشمنی کے شعلے دلوں میں پنپتے رہتے ہیں جو خاندان میں ناچاقی و نااتفاقی کو ہوا دیتے ہیں اور افرادِ خانہ ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرنے لگتے ہیں جس سے معاشرے میں انتشار پھیلتا ہے۔

وراثت کو ورثاء میں تقسیم کرنے کی بجائے مشترک رکھنے کی وجہ سے کمزوروں کو اپنا مال ہوتے ہوئے بھی دوسروں کے رحم و کرم کے سہارے جینا پڑتا ہے۔ خصوصاً یتیم بچے، بیوہ یا مطلقہ خواتین اور مالی لحاظ سے کمزور مرد بھی اس حق تلفی کا شکار ہوتے ہیں۔مالی پریشانی ان کی آزمائشوں میں اضافے کا سبب بنتی ہے اور یہ کئی طرح کے مسائل سے دوچار ہو جاتے ہیں جیسے تعلیم اور علاج و معالجے کی سہولیات وغیرہ۔ جائیداد پر قابض اور خوشحال رشتہ داران کی نگاہوں میں کھٹکتے رہتے ہیں جس سے دلوں میں عداوت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ محرومی ان میں احساسِ کمتری کو جنم دیتی ہے۔ جائیداد پر قابض افراد کبھی کبھی سخاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان یتیم، بیوہ و مطلقہ اور نادار و کمزور رشتہ داروں کی مالی امداد کرتے ہیں تو احسان جتاتے رہتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے زیرِ تصرف جائیداد میں ان کا بھی حصہ ہے جسے یہ غصب کیے ہوئے ہیں۔ حقِ وراثت نہ ملنے کی وجہ سے وہ اکثر اپنے ذرائع معاش کو مستحکم نہیں کر سکتے۔ بسا اوقات معاشی کمزوری اور غربت و افلاس کی وجہ سے وہ حرام کمائی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور اپنا حلال مال ہونے کے باوجود وہ حرام مال کمانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

جائیداد کو مشترک رکھنے کے لیے خاندان کی لڑکیوں کی شادی چچا و تایا کے گھرانوں کے سوا کہیں اور نہیں کی جاتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکا، لڑکی راضی نہیں ہوتے اور زبردستی ان کا نکاح کرا دیا جاتا ہے اور پھر انہیں ساری عمر اس بے جوڑ رشتے کو مجبوراً نبھانا پڑتا ہے۔ مناسب رشتہ نہ ہونے کی وجہ سے صوبہ سندھ کے بعض علاقوں میں لڑکیوں کی شادی قرآن مجید کے ساتھ کرانے کی شرمناک و مذموم رسم بھی معاشرے میں عام ہے جس کا مقصد جائیداد کو خاندان و قبیلے سے باہر جانے سے روکنا ہوتا ہے۔ اس رسم کے نتیجے میں لوگ لڑکی کو اس کے حقِ نکاح سے محروم کر دیتے ہیں اور لڑکیاں گھٹ گھٹ کر زندگی کے دن پورے کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ یہ انتہائی سفاکانہ فعل ہے۔ جس کے بہت زیادہ

سنگین نتائج سامنے آتے ہیں۔

پروفیسر ثریا بتول علوی لکھتی ہیں کہ:

"پاکستان میں جاگیر دار، زمیندار اور وڈیرے عموماً اپنی لڑکیوں کی شادیاں خاندان سے باہر کرتے ہی نہیں کہ اس طرح کہیں جائیداد خاندان سے باہر نہ چلی جائے اور سندھ میں وڈیرے اپنی جائیداد بچانے کی خاطر اپنی بیٹیوں کی شادیاں قرآن سے کر دیتے ہیں۔ اس طرح عملاً وہ ساری عمر کنواری بیٹھی رہتی ہیں"(۱)

بعض گھرانوں میں باپ کی وفات کے بعد گھر کے تمام معاملات حتیٰ کہ جائیداد و ترکہ بھی بڑے بھائی کی زیرِ نگرانی دے دیئے جاتے ہیں اور خاندان کا تمام انتظام و انصرام اس کے ہاتھ میں آجاتا ہے۔ وہی سیاہ و سفید کا مالک بن جاتا ہے۔ لہٰذا وہ عمدہ حصہ اپنے لیے مختص کر لیتا ہے اور ردی و ناقص مال چھوٹے بھائیوں کو دے دیتا ہے اور یہی روش نابالغ یتیم بہن بھائیوں کے حق میں اختیار کی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ کمزور اور اس کے زیرِ نگیں ہوتے ہیں۔ یہ بعینہٖ وہ صورتحال ہے جس سے قرآن حمید میں منع فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا﴾(۲)

ترجمہ: اور یتیموں کا مال ان کو دے دو اور نہ بدلو (اپنی) ردی چیز کو (ان کی) عمدہ چیز سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں سے ملا کر واقعی یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی تحریر کرتے ہیں:

"یتیموں کے بعض سرپرست جن کے سینے خوفِ خدا سے خالی ہوتے ہیں۔ اول تو یتیموں کا سارا حق ہی دبا بیٹھتے ہیں اور اگر دبا نہیں بیٹھتے تو اس میں خرد برد کرنے کی نیت سے، انتظامی سہولت کی نمائش کر کے، ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیتے ہیں اور اس طرح اپنے لیے ہاتھ رنگنے کے نہایت آسان مواقع پیدا کر لیتے ہیں"(۳)

ایسی حرکتوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خاندان میں باہم جھگڑے، شکوک و شبہات، بدگمانیاں، غیبت اور عداوت پیدا ہو جاتی ہے جو خاندانی ڈھانچے کو تباہ کرنے کا سبب بن جاتی ہے اور آہستہ آہستہ خاندان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔

۱۔ جدید تحریک نسواں اور اسلام، ص:۳۰۵

۲۔ سورۃ النساء:۴/۲

۳۔ تدبر قرآن، ص:۲/۲۵۱

بہنوں اور بیٹیوں کو مختلف حیلوں بہانوں سے ان کے حقِ میراث سے محروم رکھنا تو عہد حاضر کے مسلمانوں کی عادتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ جس کی وجہ سے خواتین عدم تحفظ کا شکار ہو جاتی ہیں جس کے مضر اثرات ونتائج دیکھنے کو ملتے ہیں۔

بیٹیوں کو ان کا حصہ نہ دینا جاہلی امور میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی صریح نافرمانی وحکم عدولی ہے جس کی سزا رسوا کن عذاب ہے۔ اسی طرح اپنا حصہ طلب کرنے والی بہنوں، بیٹیوں کو طعنے دینا، ڈرانا دھمکانا اور ان کا سوشل بائیکاٹ کرنا بھی ایک ناروا فعل ہے کیونکہ وہ اپنے شرعی حق کا مطالبہ کر رہی ہوتی ہیں جو انہیں مالکِ کائنات نے ودیعت کیا ہے اس لیے ایسے ہتھکنڈے اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات سے انحراف کرکے دنیا وآخرت کا خسارا اور وبال تو قبول کرلیا جاتا ہے لیکن خود ساختہ رسم ورواج پر عمل کرنا اولین فرض سمجھا جاتا ہے۔ بہنوں ، بیٹیوں کو ان کا حقِ وراثت تو دیتے نہیں لیکن برادری اور معاشرے میں اپنی واہ واہ کروانے کے لیے بھاری جہیز دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ خاندان وبرادری کے رسم ورواج کو پورا کرنے کے لیے مختلف مواقع پر انہیں مالی تحائف دیتے ہیں اور اس دینے کو بڑی نیکی تصور کرتے ہیں حالانکہ یہ سب ہندوانہ رسومات ہیں۔ ان کا اسلامی احکامات سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کا تو مقصد ہی اس قسم کی جاہلانہ رسومات کے طوق وسلاسل سے نجات دینا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾[1]

ترجمہ: اور جو پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔

صد حیف ہے ان پر جو پاکیزہ (حقِ وراثت) کو چھوڑ کر ناپاک اور گندی (جہیز ودیگر ہندوانہ رسومات) کو اپناتے ہیں اور احکام خداوندی پر دنیاوی رسم ورواج کو ترجیح دیتے ہیں جو طوق کی طرح ساری عمر ان کی گردنوں میں پڑی رہتی ہیں۔

خود ساختہ رسم ورواج کے تحت بہنوں بیٹیوں کو دینا اور اسلامی احکام کے تحت دینے پر ناک بھویں چڑھانا کہاں کی عقلمندی ہے؟ کہ اپنے خالق ومالک کی ناراضگی کو مول لیا جائے اور ہندوانہ رسوم پر عمل پیرا ہو کر شیطان کی پیروی کی جائے اور اس کی خوشی کا سامان مہیا کیا جائے۔ اس سے معاشرے میں عدم توازن پیدا ہوتا ہے۔ بہنوں کو حصہ نہ دینے سے بھائیوں کی کمائی میں حرام مال شامل ہو جاتا ہے جو ساری کمائی کو حرام کر دیتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرام مال کھانے سے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

۱۔ سورۃ الاعراف: ۷/ ۱۵۷

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾[۱]

ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔

حرام مال کھانے کے نتائج کو حدیث مبارکہ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

((وَلَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالًا مِنْ حَرَامٍ، فَيُنْفِقَ مِنْهُ فَيُبَارَكَ لَهُ فِيهِ، وَلَا يَتَصَدَّقُ بِهِ فَيُقْبَلَ مِنْهُ، وَلَا يَتْرُكُ خَلْفَ ظَهْرِهِ إِلَّا كَانَ زَادَهُ إِلَى النَّارِ، إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ، وَلَكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ، إِنَّ الْخَبِيثَ لَا يَمْحُو الْخَبِيثَ))[۲]

ترجمہ: اور جو شخص مالِ حرام حاصل کرتا ہے تو اگر اس کو خرچ کرے تو اس کے لیے اس میں برکت نہیں، اگر اس کو صدقہ کرے تو مقبول نہیں اور اپنے بعد چھوڑ کر مرے تو جہنم میں جانے کا سامان ہے، اللہ تعالیٰ برائی سے برائی کو نہیں مٹاتا، ہاں نیکی سے برائی کو مٹا دیتا ہے، بے شک خبیث کو خبیث سے نہیں مٹاتا۔

یعنی مال حرام سے کیا جانے والا صدقہ بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں اور ایسا مال چھوڑ کر مرنا جہنم میں جانے کا سبب بنتا ہے۔

عام طور پر معاشرے کے دو کمزور طبقے (خواتین اور یتیم بچے) تقسیمِ وراثت میں ظلم کا نشانہ بنتے ہیں جس سے معاشرے میں قطع رحمی اور لڑائی جھگڑے اور باہمی دشمنیاں جنم لیتی ہیں اور معاشرے میں بدامنی و انتشار پیدا ہوتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں عورتوں کے معاشی حقوق یعنی ملکیت، جائیداد، وراثت وغیرہ عملاً روبہ عمل نہیں ہیں لہٰذا عورتوں میں غربت اور بے بسی کا احساس نشوونما پا رہا ہے زمینوں کی ملکیت کے بارے میں ایک سروے کے مطابق خواتین کی زمین کی ملکیت ایک ہزار میں سے ۳۶ ہے جس کا مطلب ہے زمین کے ہزار مالکان میں خواتین صرف ۳۶ ہیں۔ ان میں سے بھی صرف ایک چوتھائی خواتین ہی گھر کے مردوں کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے زمین کی خرید و فروخت کا حق یا اہلیت رکھتی ہیں۔ وراثت میں کچھ نہ کچھ حصہ پانے والی خواتین کی تعداد ۳۳ فیصد کے لگ بھگ ہے۔[۳]

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ بہنیں شادی کے بعد تنگدستی کی وجہ سے انتہائی مشکل زندگی گزار رہی ہوتی ہیں جبکہ والدین کے ترکے میں سے ان کے حصے پر قابض بھائی عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے دلوں میں نفرت کے جذبے پیدا ہوتے ہیں اور خیر خواہی، صلہ رحمی و محبت کے جذبے اس خود غرضی اور مفاد پرستی کو

۱۔ سورۃ النساء: ۴/۲۹

۲۔ مسند الإمام أحمد بن حنبل، أبو عبد اللہ أحمد بن محمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حدیث: ۳۶۷۲، ص: ۳/۵۳۹

۳۔ پاکستانی عورت کے معاشی مسائل اور کردار، حافظہ حاجرہ مدنی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص: ۸۴

دیکھ کر دم توڑ جاتے ہیں۔

عصر حاضر میں میراث کی تقسیم میں بڑی کوتاہی اور غفلت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ دین سے دوری اور شرعی احکام سے ناواقفیت کا یہ عالم ہے کہ بہت سے لوگ یہ جانتے ہی نہیں کہ میت کے ترکے کو ورثاء میں تقسیم کرنا چاہیے اور جن لوگوں کو اس کا علم ہے کہ یہ ایک اہم دینی فریضہ ہے ان میں سے بھی اکثریت احکامِ الٰہی کو بجا نہیں لاتی۔

جبکہ دوسروں کے حصے پر قابض ہونا اور اس کو اپنے تصرف میں لانا ایک سنگین گناہ ہے۔ وراثت میں حصے کے حوالے سے ایک بڑی ناانصافی بیوہ عورتوں کے ساتھ کی جاتی ہے کہ انہیں ان کے متوفٰی شوہر کی میراث میں سے ان کا حصہ نہیں دیا جاتا۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے کیونکہ عورت کے لیے شوہر کا انتقال انتہائی صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے اور اس کا تواب کوئی کفالت کرنے والا بھی موجود نہیں ہوتا اور اس نے عدت بھی گزارنی ہوتی ہے اور بچوں کی ضروریات بھی پوری کرنی ہوتی ہیں۔ وراثت میں حصہ نہ ملنے کی وجہ سے وہ اپنے سسرال والوں کے رحم و کرم پر ہوتی ہے جن کے طعنے اور مظالم اس کی زندگی کو اجیرن بنا دیتے ہیں۔ سماج میں بیوہ عورت عام طور پر بے سہارا بن کر رہ جاتی ہے۔ نہ ہی اس کے رشتہ دار اسے سہارا دیتے ہیں اور نہ ہی وراثت میں حصہ۔ جس کی وجہ سے بیوہ خواتین نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ایک طرف معاشی تنگی کا سامنا ہوتا ہے اور دوسری طرف اپنی اور بچوں کی گزر بسر کرنے کے لیے اقدامات کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ حقِ وراثت نہ ملنے کی وجہ سے ان کی زندگی مصائب و آلام میں مبتلا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ گھٹ گھٹ کر جیتی ہیں، کیونکہ دوسروں سے مانگنے میں عار محسوس کرتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سی خواتین خودکشی کا راستہ اختیار کر لیتی ہیں یا پھر فحش کاموں میں ملوث ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح بعض جگہوں میں یہ دستور ہے کہ بیوہ اگر دوسری شادی کر لے تو اسے خاوند کی میراث سے محروم کر دیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیوہ یا تو تنہائی کی زندگی سے بچنے کے لیے دوسرا نکاح کر کے مال سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے یا پھر اپنے حصہ میراث کو محفوظ رکھنے کی خاطر دوسرا نکاح نہیں کرتی۔ عمر بھر بیوگی کی حالت میں زندگی گزار دیتی ہے اور طرح طرح کی مشکلات و مصائب برداشت کرتی ہے۔ حالانکہ دوسرا نکاح کرنے سے بیوہ کا حقِ میراث ہرگز ختم نہیں ہوتا بلکہ دوسرے ورثاء کی مانند وہ بھی اپنے مقررہ حصے کی پوری پوری مستحق و حقدار ہوتی ہے۔ اور نکاح کرنا بھی اس کا شرعی حق ہے اور حق وراثت کی ادائیگی کو نکاح نہ کرنے کی شرط کے ساتھ مشروط کرنا سراسر ظلم اور زیادتی ہے۔

لوگوں کے اس رویے کے متعلق مولانا محمد اشرف علی تھانوی رقمطراز ہیں:

"ہمیں سخت تعجب آتا ہے اور لوگوں پر کہ جب کوئی بیوہ عورت نکاح کر لیتی ہے تو جس کی وہ مالک ہوتی ہے ورثاء اس سے لے لیتے ہیں حالانکہ از روئے قانون شرع اسلام وہ اختیار رکھتی ہے کہ نکاح کرنے

کے وقت وہ اپنا حصہ بیچ ڈالے یا اپنے پاس رکھے اور قابض رہے "[۱]

اسلام کے واضح احکامات کے باوجود ہمارے معاشرے میں حیلے بہانے سے خواتین کو ان کے حق میراث سے محروم رکھنا روزمرہ کا معمول بن گیا ہے۔ فرسودہ رسم ورواج کی تقلید کرتے ہوئے انہیں اس حق سے جبراً محروم رکھا جاتا ہے۔ اکثر ایسے واقعات دیکھنے اور سننے کو ملتے ہیں کہ اپنا حق وراثت طلب کرنے پر خواتین کو قتل کر دیا جاتا ہے یا انہیں تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

بی بی سی اردو کی رپورٹ کے مطابق خانیوال کے علاقے کی ایک خاتون اختری بیگم سات اپریل کی صبح اپنے والد کی زمین پر اس حصے کا قبضہ لینے پہنچی جو عدالتی حکم کے مطابق اس کے حصے میں آیا تھا تو اس کے بھائیوں نے اس پر حملہ کر کے اس کی دونوں ٹانگیں توڑ دیں۔ [۲]

انسانی حقوق سے متعلق مقدمات پر کام کرنے والے ایڈوکیٹ اللہ داد خان کہتے ہیں:

> "خواتین کی اس حق تلفی کی اہم اور بنیادی وجہ وراثت کے قوانین سے بے خبری ہے جبکہ عورت اپنے حق کے لیے آواز اٹھاتی ہے تو مختلف حربوں سے اس پر الزام لگانے کی کوشش کی جاتی ہے قرآن سے شادی کی جاتی ہے، ونی کیا جاتا ہے، جھوٹے الزامات لگا کر بدچلن ثابت کیا جاتا ہے اور پھر غیرت کے نام پر قتل تک کر دیا جاتا ہے "[۳]

دراصل آج کا مسلمان فکری زوال کا شکار ہے اور اس میں خوفِ خداوندی کا فقدان ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنی مرضی کے مطابق اسلام پر عمل کرنے کے لیے اپنی اپنی ترجیحات متعین و مقرر کرلی ہیں اور یہود کی طرح اپنے مفادات کے حصول کے لیے احکامِ الٰہی کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اسلامی تعلیمات پر اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے کی بدترین مثال اسلام کا قانون میراث ہے کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت نے قوانینِ وراثت سے پہلو تہی کرنا اور خواتین کو ان کے حصے سے محروم رکھنا اپنا شعار بنالیا ہے۔ عوام الناس کی بے حسی تو ایک طرف خود علماء کرام بھی خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں حالانکہ یہ ان کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ عورت کے ساتھ ہونے والی اس عظیم ناانصافی کے خلاف آواز بلند کریں اور لوگوں کو احکامِ میراث سے آگاہ کریں۔ تاکہ معاشرے سے اس ظلم وناانصافی کا خاتمہ ہوسکے۔

لیکن آج صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمان اجتماعی طور پر اسلام کے اس اہم حکم (قانونِ وراثت) کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اور بعض لوگ تو اپنی زندگی میں بیٹیوں کو ان کے حصے سے محروم کرنے کے لیے اپنی جائیداد

۱۔ احکام اسلام عقل کی نظر میں، ص:۲۵۳

۲۔ بی بی سی نیوز اردو، خانیوال، پاکستان، ۳ مئی ۲۰۱۸

۳۔ ایضاً

کا انتقال بیٹوں کے نام کروا دیتے ہیں جبکہ بعض لوگ اپنی بیویوں کو ان کے حقِ میراث سے محروم رکھنے کے لیے حالتِ مرض میں طلاق دے دیتے ہیں تاکہ وہ ان کے ورثے میں حقدار نہ بن سکیں اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وصیت کے ذریعے ورثاء کو ان کے حقِ میراث سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ وصیت کے ذریعے ورثاء کو نقصان پہنچانے سے اللہ بزرگ و برتر نے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴾ (۱)

ترجمہ: اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد جبکہ اوروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا، بردبار ہے۔

ابن کثیر اس آیت مبارکہ کی تفسیر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"وَصِيَّتُهُ عَلَى الْعَدْلِ، لَا عَلَى الْإِضْرَارِ وَالْجَوْرِ وَالْحَيْفِ بِأَنْ يَحْرِمَ بَعْضَ الْوَرَثَةِ، أَوْ يَنْقُصَهُ، أَوْ يَزِيدَهُ عَلَى مَا قدرَ اللَّهُ لَهُ مِنَ الْفَرِيضَةِ فَمَتَى سَعَى فِي ذَلِكَ كَانَ كَمَنْ ضَادَّ اللَّهَ فِي حِكْمَتِهِ" (۲)

ترجمہ: وصیت عدل پر کی گئی ہو، جس میں کسی وارث کو نقصان نہ پہنچایا گیا ہو یا کسی کو اس سے زیادہ نہ مل رہا ہو جو اللہ نے مقرر فرمادیا ہے اور ایسی کوشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی اور مخالفت کا مرتکب ہوگا۔

یعنی وصیت بھی عدل وانصاف پر مبنی ہونی چاہیے۔ اس سے نہ تو کسی دوسرے کو نقصان پہنچے اور نہ ہی کسی پر ظلم ہو۔ اسی حوالے سے عبد اللہ بن عباس نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

((الْإِضْرَارُ فِي الْوَصِيَّةِ مِنَ الْكَبَائِرِ)) (۳)

ترجمہ: وصیت کی وجہ سے کسی کو نقصان پہنچانا گناہ کبیرہ ہے۔

لیکن اس صریح حکم کے باوجود ورثاء کو وصیت کے ذریعے نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس حوالے سے امام ابن جصاص ؒ رقمطراز ہیں:

"الضِّرَارُ فِي الْوَصِيَّةِ عَلَى وُجُوهٍ: مِنْهَا أَنْ يُقِرَّ فِي وَصِيَّتِهِ بِمَالٍ أَوْ بِبَعْضِهِ لِأَجْنَبِيٍّ أَوْ يُقِرَّ عَلَى نَفْسِهِ بِدَيْنٍ لَا حَقِيقَةَ لَهُ زَيًّا لِلْمِيرَاثِ عَنْ وَارِثِهِ وَمُسْتَحِقِّهِ. وَمِنْهَا أَنْ يُقِرَّ بِاسْتِيفَاءِ دَيْنٍ لَهُ عَلَى غَيْرِهِ فِي مَرَضِهِ لِئَلَّا يَصِلَ إِلَى وَارِثِهِ وَمِنْهَا أَنْ يَبِيعَ مَالَهُ مِنْ غَيْرِهِ

۱۔ سورۃ النساء: ۴/ ۱۲

۲۔ تفسیر ابن کثیر، ص: ۲/ ۲۳۱

۳۔ ایضاً

فِي مَرَضِهِ وَيُقِرَّ بِاسْتِيفَاءِ ثَمَنِه. وَمِنْهَا أَنْ يَهَبَ مَالَهُ فِي مَرَضِهِ أَوْ يَتَصَدَّقُ بِأَكْثَرَ مِنْ ثُلُثِهِ فِي مَرَضِهِ إِضْرَارًا مِنْهُ بِوَرَثَتِهِ. وَمِنْهَا أَنْ يَتَعَدَّى فَيُوصِيَ بِأَكْثَرَ مِمَّا تَجُوزُ لَهُ الْوَصِيَّةُ بِهِ وَهُوَ الزِّيَادَةُ عَلَى الثُّلُثِ. فَهَذِهِ الْوُجُوهُ كُلٌّ مِنَ الْمُضَارَّةِ فِي الْوَصِيَّةِ" [۱]

ترجمہ: وصیت کے ذریعے نقصان پہنچانے کی ایک صورت یہ ہے کہ وصیت کے ذریعے اقرار کرے کہ میں اپنی تمام جائیداد یا جائیداد کا کثیر حصہ فلاں اجنبی کو دے چکا ہوں یا یوں کہے کہ میں نے فلاں آدمی کو اتنی رقم قرض میں دینی ہے حالانکہ اس پر ایک پائی بھی قرضہ نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اتنا مال ورثاء سے نکل کر فلاں کے ہاتھ میں چلا جائے یا اقرار کرے کہ میں اپنی فلاں چیز فلاں آدمی کے ہاتھ بیچ چکا ہوں اور اس کی قیمت وصول کر کے کھا چکا ہوں۔ اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔ یا حالتِ مرض میں تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر دے یا بطور خیرات کے دے دے چونکہ یہ عمل تہائی مال سے زیادہ ہے اس لیے وہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ کیونکہ اس کے لیے تہائی مال سے زائد وصیت کرنا جائز نہیں۔ اس لیے یہ تمام صورتیں وصیت کے ذریعے نقصان پہنچانے کے ضمن میں آتی ہیں لہذا باطل وصیت کی قسم میں داخل ہیں۔

دراصل انسان کی خود غرضی اسے اکثر اوقات ظلم وزیادتی پر آمادہ کر دیتی ہے جس کا نتیجہ کسی رشتہ دار کی ناروا طرف داری یا بلاوجہ حق تلفی کی صورت میں بر آمد ہوتا ہے جو خاندان کے مختلف افراد کے درمیان رسہ کشی کا باعث بن جاتا ہے جس سے آپس میں نفرت اور بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔ اپنا حصہ نہ ملنے یا اس میں کمی واقع ہونے پر دلوں میں حسد اور دشمنی کا جذبہ جنم لیتا ہے جس کی بدولت خاندانی رشتے غیر مستحکم ہو جاتے ہیں۔

الغرض حالتِ مرض میں وصیت یا ہبہ کے ذریعے جو بھی غلط اقدام کرے گا تو وہ دوسروں کے حقوق میں ناجائز تصرف کرنے کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہو گا کیونکہ غلط وصیت کی وجہ سے بعض ورثاء کا حق تلف ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ اپنی زندگی میں ہی اپنی جائیداد اپنے بیٹوں کے نام منتقل کر دیتے ہیں تاکہ ان کے مرنے کے بعد لڑکیاں کچھ نہ لے سکیں۔ اور اس غلط تصرف کی وجہ سے لڑکیوں اور دوسرے کمزور ورثاء کو محروم کر دیتے ہیں۔ جب والد اپنی زندگی میں ہی اولاد میں سے کسی کو دے اور کسی کو نہ دے تو دوسرے کو لازماً ضرر پہنچتا ہے کیونکہ اس سے محروم رکھی جانے والی اولاد کی دل شکنی اور دل آزاری ہوتی ہے اور یہ ضرر دلوں میں عداوت اور دشمنی پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ جس سے خاندان اور معاشرے میں توڑ پھوڑ اور انتشار پیدا ہوتا ہے۔

اسی لیے سرور کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ)) [۲]

۱۔ احکام القرآن، ص:۲/۱۲۶

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الهبة وفضلها، باب الإشهاد في الهبة، حدیث ۲۴۴۷، ص:۲/۹۱۴

ترجمہ: پس تم اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان برابری کا معاملہ کرو۔

مذکورہ حدیث مبارکہ میں اولاد کے مابین عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اگر اولاد کے درمیان مساوات نہ برتی جائے تو اس سے بعض کی دل شکنی ہوتی ہے اور اس سے قطع رحمی لازم آتی ہے۔ جس سے نفرت وعداوت جنم لیتی ہے۔ اولاد کے درمیان کینہ پیدا ہوتا ہے اور باپ کے لیے بھی دل میں بغض و نفرت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں جس کے خاندان اور معاشرے پر برے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

خواتین کو حق وراثت دینے کے ثمرات

اگر اسلامی قانون وراثت کے مطابق ورثاء کو ان کے حصے دیئے جائیں اور اس معاملے میں خواتین کی حق تلفی نہ کی جائے تو اس کے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ معاشرے سے عدم تحفظ اور انتشار کی صورتحال کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر لکھتے ہیں:

"پاکستانی عورت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہماری عورت ان حقوق سے محروم چلی آتی ہے جو اسے رسول اللہ ﷺ نے چودہ پندرہ سو سال قبل عطا فرمائے تھے، ہم اگر عدل و انصاف کے ساتھ عورتوں کو ان کے وہ حقوق مکمل طور پر اور صحیح معنی میں دے دیں اور انہیں ہندو تہذیب کی خرافات، قبائلی اور خاندانی رسوم ورواج اور مغربی تہذیب کی فضولیات سے نجات دلا دیں تو حوا کی بیٹی خوش اور اطمینان کا سانس لینے اور ہمارے معاشرے کو پرسکون ماحول دینے کے قابل ہو جائے"[۱]

خواتین اور یتیم بچوں کو وراثت سے ان کا حصہ دینے سے معاشرے میں خیر خواہی، ہمدردی اور باہمی محبت و مودت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ جس کی بدولت خاندانی نظام کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں اور حقدار کو اس کا حق دینے سے حسد و عداوت جیسی برائیوں کی بیخ کنی ہوتی ہے اور معاشرے سے انتشار کا خاتمہ ہوتا ہے۔ ورثاء کو ان کا حق وراثت دینے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ رب العزت کی رضا حاصل ہوتی ہے اور وہ جہنم کے رسوا کن عذاب سے بچ جاتا ہے۔ اس کا مال حلال ہو جاتا ہے اور حلال مال سے کی جانے والی عبادتیں قبول ہوتی ہیں اور ان کا قبول ہو جانا بہت بڑا اخروی سرمایہ ہے۔

مسلمانوں کی کوتاہی ولاعلمی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے وراثت کے متعلق واضح شرعی احکام، ان کی ادائیگی پر انعام واکرام اور ورثاء کا حق غصب

۱۔ لوح وقلم، کالم نگار: ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، نوائے وقت، ۳۱ مارچ ۲۰۱۶ء

کرنے پر جہنم کے دائمی رسوا کن عذاب کی وعید کے باوجود مسلمان کھلی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور صریح طور پر افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ ایسا محض اس لیے ہے کہ عہد حاضر کے مسلمانوں نے اپنے فرائض کو سمجھا ہی نہیں۔ ۹۵ فیصد مسلمان وراثت کے مسائل سے ہی بے خبر ہیں اور اسی بے خبری میں، جائیداد کے حصول کی خاطر وہ کسی کی بھی جان لینے سے دریغ نہیں کرتے۔ احکامِ وراثت سے نہ خود شناسا ہوتے ہیں اور نہ ہی اپنے اہل وعیال کے لیے ان احکام سے آگاہی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ نتیجتاً خاندان اور معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم قرآنِ حمید میں بیان کردہ قوانین کی اہمیت، افادیت اور روح کو پہچاننے سے گریز کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم طرح طرح کی غلط فہمیوں، بے سروپا رسم ورواج اور خاندانی رقابتوں کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

خاندان اور معاشرے کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ درج ذیل باتوں کو سمجھا اور اپنایا جائے۔

۱. اسلام دنیاوی زندگی کو بھی خاص اہمیت دیتا ہے۔ اس لیے نا صرف قانونِ وراثت میں بلکہ تمام اقتصادی مسائل میں خواتین اور یتیموں کے حقوق کی ادائیگی اور حفاظت کو ایمان کی شرط قرار دیا ہے۔

۲. مرنے والے کی میراث کو احکامِ الٰہی کے مطابق تقسیم کرنا چاہیے۔ سماجی رسم ورواج کا اس میں کوئی دخل نہیں اور نہ ہی اس میں مرنے والے کی خواہش اور سفارش کی کوئی حیثیت ہے۔

۳. میراث کی مقدار کا تقسیم میں کوئی کردار نہیں ہے۔ انصاف اور ورثاء کے حقوق کا لحاظ اہم ہے۔ میراث کم ہو تب بھی کسی کے حق سے چشم پوشی کرنا یا کسی کو محروم کرنا جائز نہیں۔

۴. انسانی نیک نیتی اور بدنیتی دونوں معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اور اس کے اچھے اور برے نتائج انسان کے مرنے کے بعد اس کی اولاد کے سامنے آتے ہیں۔ اس لیے انسان کو اپنے عمل اور اس کے اثرات و نتائج سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ یتیموں کے ساتھ ویسا ہی رویہ اختیار کرنا چاہیے جیسے رویے کی اپنی اولاد کے لیے دوسروں سے توقع رکھتے ہیں۔ اس لیے شریعت کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق میراث کی ورثاء میں منصفانہ تقسیم کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اسلام و یہودیت کا تقابل

اسلام اخوت و بھائی چارے کا مذہب ہے اور یہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون، تناصر اور ہمدردی کی تلقین کرتا ہے اور باہمی الفت و غم خواری کا درس دیتا ہے۔ اس لیے اس نے ایسے قوانین (قانونِ وراثت و وصیت) وضع کیے جو باہمی تعاون، نصرت اور غمخواری کو فروغ دینے کا سبب بنتے ہیں۔ لیکن عہدِ حاضر میں مسلمانوں نے بعض احکام پر عمل کرنے اور بعض احکام کو اپنی مرضی کے مطابق نہ پا کر نا صرف ان میں کوتاہی اور غفلت برتنا شروع کر دی ہے بلکہ ان پر یہود کی طرح

عمل نہ کرنے کی قبیح روش بھی اختیار کرلی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہود کو سرزنش کی اور ان کی ذلت ورسوائی کا سبب ان کے اس عمل کو قرار دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾[1]

ترجمہ: کیا تم بعض احکام پر ایمان لاتے ہو؟ اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو تم میں سے جو بھی ایسا کرے اس کی سزا دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن وہ سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے کتاب اللہ کے ایک اہم حصے یعنی قانونِ وراثت پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اگر موجودہ دور میں مسلمانوں کو ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں یہودیوں کی ذلت ورسوائی کے جو اسباب بیان کیے ہیں۔ بدقسمتی سے آج وہ مسلمانوں میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

بحیثیت مسلمان یہ بات کسی المیے اورآزمائش سے کم نہیں کہ آج کے مسلمان دین بیزاری کے بڑھتے ہوئے رجحان میں دینی بنیادوں اور فرائض سے نا صرف غافل ہوتے جارہے ہیں بلکہ بسااوقات دانستہ طور پر انہیں ترک کرنے کے مرتکب بھی ہوتے ہیں۔ مال واولاد جسے اللہ تعالیٰ نے فتنہ وآزمائش قرار دیا اسی مال واولاد کے فتنوں میں مبتلا ہیں جس کے نتیجے میں کسی متوفٰی کی جائیداد کی تقسیم پر نوبت لڑائی جھگڑے سے بڑھ کر مقدمات اور قتل تک جا پہنچتی ہے۔ قومی اخبارات روزانہ ایسی خبروں سے بھرے ہوتے ہیں جن میں جائیداد کے تنازعے پر خاندانوں کے خاندان موت کی گھاٹ اتار دیئے جاتے ہیں۔ جو زمانہ جاہلیت کی عکاسی کرتے ہیں اور ایسے اقدامات خاندان میں عزیز واقارب کے درمیان نفرت وعداوت کی تخم ریزی کی وجہ بنتے ہیں جس کی وجہ سے صلہ رحمی اور ہمدردی کے جذبات بھی ماند پڑ جاتے ہیں اور معاشرہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔

الغرض اس میں کوئی دوسری رائے نہیں کہ ہماری نجات اور بھلائی احکامِ الٰہی کی بجاآوری میں ہی مضمر ہے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے کی ترغیب دیں اور اسلامی احکامات وتعلیمات کی ترویج واشاعت کریں۔

۱۔ سورۃ البقرہ:۲/۸۵

باب چہارم

خواتین کے حقِ وراثت پر اعتراضات کا جائزہ

فصل اول: اسلام کے تقسیم وراثت پر مستشرقین کے اعتراضات

فصل دوم: اسلام کے تقسیم وراثت پر معاشرتی اعتراضات

فصل اول

اسلام کے تقسیم وراثت پر مستشرقین کے اعتراضات

عہدِ حاضر میں امتِ مسلمہ انتہائی کٹھن اور صبر آزما حالات سے دوچار ہے۔ایک طرف داخلی فتنوں اور اندرونی خلفشار نے ملتِ اسلامیہ کو ضرر پہنچایا ہے تو دوسری طرف یہود و نصاریٰ کی طرف سے کی جانے والی مسلسل ذہنی، فکری اور ثقافتی یلغار نے اسے مردۂ نیم جان کر دیا ہے۔ مستشرقین نے جہاں ایک طرف اپنی محدود اور کوتاہ عقل سے اسلامی تعلیمات کو ہدف تنقید بنایا ہے تو دوسری طرف اپنی ہرزہ سرائیوں اور ریشہ دوانیوں سے اسلامی تعلیمات میں تشکیک پیدا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی ہے۔ انہی ہرزہ سرائیوں میں سے ایک ہرزہ سرائی خواتین کے حقِ وراثت کے متعلق بھی کی جاتی ہے کہ عورت کو مرد کے مقابلے میں نصف حصہ دے کر اس کی حق تلفی کی گئی ہے اور اس پر ظلم کیا گیا ہے۔ اور اسلامی قانونِ وراثت میں مرد و زن کے مابین عدل و انصاف کو پیشِ نظر نہیں رکھا گیا۔ حیرت تو اس وقت ہوتی ہے کہ جب خود کو اسلام کی طرف منسوب کرنے والے نام نہاد مفکرین بھی مستشرقین کے خیالات سے مرعوب و متاثر ہو کر ان کے نظریات کی پرزور وکالت کرتے ہیں اور اسلام کے حکیمانہ و منصفانہ نظام پر انگلیاں اٹھاتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام مخالف لٹریچر کے ذریعے ان کے دل و دماغ میں اسلام دشمنی اور دین سے بیزاری کا ایسا زہر اتار دیا گیا ہے کہ جس نے ان کی فطرتِ سلیمہ کو مسخ کر دیا ہے اور اب یہ زہر کو قند اور گندے پانی کو آبِ زلال سمجھ بیٹھے ہیں۔ مغربی تہذیب کے یہ دلدادہ لوگ بھی مستشرقین کے مرد و زن کے مابین مساوات کے نعرہ کے ذریعے یہ باور کروانے کی سعیٔ لاحاصل میں مشغول ہیں کہ اسلامی قانونِ وراثت میں خواتین کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مستشرقین کی حقیقت کیا ہے اور ان کے مقاصد کیا ہیں؟ تاکہ تصویر کا اصل رخ دیکھا جا سکے۔

استشراق کا مفہوم

لفظ استشراق کا مادہ ش۔ر۔ق ہے اور یہ بابِ استفعال سے مصدر ہے۔ باب استفعال کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں طلب پائی جاتی ہے لہٰذا اس میں حرف "س" طلب کا مفہوم دے رہا ہے۔ اسی لیے استشراق کا اردو ترجمہ "شرق شناسی" کیا جاتا ہے۔ عام فہم الفاظ میں استشراق کا معنی و مفہوم "مشرق کو جاننے کی طلب یا خواہش رکھنا" ہے۔[1]

استشراق کا انگریزی ترجمہ "Orientalism" کیا جاتا ہے۔ لاطینی زبان میں "Orient" کا لفظ کسی شے کے بارے میں تحقیق کرنے یا سیکھنے کے معنی کے لیے مستعمل ہے۔ اسی طرح فرانسیسی زبان میں "Orienter" کا لفظ رہنمائی کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور انگریزی ہی میں "Orientate" کا لفظ اپنے حواس کو کسی خاص سمت لگا دینے کے

۱۔ اسلام اور مستشرقین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، مکتبہ رحمۃ للعالمین، اکتوبر ۲۰۱۴ء، ص:۲

معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[۱]

استشراق کی عام طور پر درج ذیل تعریف مشہور و معروف ہے:

"غیر مشرقی لوگوں کا مشرقی زبانوں، تہذیب، فلسفے، ادب اور مذہب کے مطالعے میں مشغول ہونے کا نام استشراق ہے"[۲]

مندرجہ بالا تعریف کی رو سے جو غیر مشرقی عالم، مشرقی علوم کے لیے اپنے آپ کو وقف کرے گا اسے مستشرق کہا جائے گا۔

ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان استشراق کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"فالإستشراق إذن هی دراسة الغربيين عن الشرق من ناحية عقائده أو تاريخه أو آدابه...إلى غير ذلك."[۳]

ترجمہ: پس استشراق سے مراد اہلِ مغرب کا مشرق کے عقائد، تاریخ اور فنون وغیرہ کا مطالعہ کرنا ہے۔

ایڈورڈ سعید (Edward Said) نے استشراق کو یورپین تہذیب و ثقافت کا جزو لانیفک قرار دیا ہے جو اس کے افراد کے تخیلات، نظریات اور دیگر تمام پہلوؤں پر کسی نہ کسی طرح اثر انداز ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اس نے استشراق کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"Anyone who teaches , writes about , or research the orient and this applies whether the person is an authropologist, sociologist , historian or philologist either in its specific or its general aspects , is an orientalist and what he or she does is orientalism."[4]

ترجمہ: جو کوئی بھی مشرق کے بارے میں پڑھتا، لکھتا یا اس پر تحقیق کرتا ہے تو یہ تحقیقی معیار تمام تر پڑھنے، لکھنے اور تحقیق کرنے والے ماہرِ بشریات، ماہرِ عمرانیات، مورخین اور ماہرِ لسانیات پر منطبق ہوتا ہے۔ خواہ یہ لوگ اپنے اپنے دائرۂ شخصی میں خاص موضوع یا اپنے کسی عمومی مضمون پر کام کر رہے ہوں۔ مشرق شناس (مستشرق) کہلاتے ہیں اور ان کا کیا جانے والا کام شرق شناسی (استشراق) ہو گا۔

ڈاکٹر احمد عبد الرحیم السایح "استشراق" کو ایسی آئیڈیالوجی قرار دیتے ہیں جس کا مقصد و مدعا اسلام کے بارے

۱۔ اسلام اور مستشرقین، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، ص:۲

۲۔ اضواء علی الاستشراق والمستشرقین، ڈاکٹر محمد احمد دیاب، دار المنار قاہرہ، ۱۹۸۹ء، ص:۱۰

۳۔ آراء المستشرقین حول القرآن الکریم و تفسیرہ: دراسۃ و نقد، ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان، دار طیبہ، الریاض، ص:۲۳

4۔ Edward Said, Orientalism, Routedge & Kegan Paul, London , 1978, Pg:21

میں پہلے سے طے شدہ کچھ خاص قسم کے تصورات کو رائج کرنا ہے اور ان کی ترویج کرنا ہے، نہ کہ کسی علمی تحریک میں اشتراک واعانت۔ وہ لکھتے ہیں:

" ولكن يمكن القول :إن الأستشراق فى دراسته للاسلام ليس علما بأى مقياس علمي ،وإنما هو عبارة عن "أيديو لوجية "خاصة يراد من خلالها ترويج تصورات معينة عن الإسلام ،بصرف النظر عما إذا كانت هذه التصورات قائمة على حقائق أو مرتكزة على أوهام وافتراءات. "(۱)

ترجمہ: یہ کہنا درست ہے کہ "استشراق" اسلام کے مطالعہ کے پہلو سے کسی بھی اعتبار سے کوئی علم نہیں کہلا سکتا، بلکہ یہ ایک خاص قسم کی آئیڈیالوجی ہے جس کا مقصد اسلام کے بارے میں کچھ خاص قسم کے تصورات کی نشرواشاعت ہے، چاہے اسلام کے بارے میں وہ قائم کیے گئے تصورات حقائق پر مبنی ہوں یا اوہام اور جھوٹ پر۔

ڈاکٹر احمد عبد الحمید غراب نے اپنی کتاب "رویۃ اسلامیۃ للاستشراق" میں استشراق کی متعدد تعریفیں درج کی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے:

"استشراق اس مغربی اسلوب کا نام ہے جس کا مقصد مشرق پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے، اس کی فکری اور سیاسی تشکیلِ نو کرنا ہے" (۲)

ڈاکٹر احمد عبد الحمید غراب نے خود استشراق کی یہ تعریف کی ہے:

"مغربی اہلِ کتاب، مسیحی مغرب کی اسلامی مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری کے زعم کی بنیاد پر، مسلمانوں پر اہلِ مغرب کا تسلط قائم کرنے کے لیے مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں گمراہی اور شک میں مبتلا کرنے اور اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنے کی غرض سے، مسلمانوں کے عقیدہ، ثقافت، شریعت، تاریخ، نظام اور وسائل و امکانات کا جو مطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے دعوے کے ساتھ کرتے ہیں اسے استشراق کہا جاتا ہے۔"(۳)

دراصل یہود و نصاریٰ روزِ اول سے ہی اسلام دشمنی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ رسول اللہ (ﷺ) کی ہجو کرنا، اسلام مخالف پروپیگنڈے کرنا، قرآن و سنت پر اعتراضات کے انبار لگانا ان کا شیوہ رہا ہے۔ اسی طرح مختلف گروہوں اور جماعتوں کی شکل میں نت نئے طریقوں اور ناموں سے اسلام کے خلاف مختلف حربے اور ہتھکنڈے استعمال کیے گئے۔ اسی سازش کا حصہ تحریکِ استشراق بھی ہے۔ جس کے ذریعے سے مخالفین نے اسلام کی مخالفت میں علمی اور عملی طور پر کوئی

۱۔ الاستشراق فی میزان نقد الفکر الاسلامی، ڈاکٹر احمد عبد الرحیم السایح، الدار المصریۃ، القاہرہ، الطبعۃ الاولی، ۱۹۹۶ء، ص:۱۵

۲۔ رویۃ اسلامیۃ للاستشراق، ڈاکٹر احمد عبد الحمید غراب، دار الاصالہ للثقافۃ والنشر والاعلام، ریاض، ۱۹۸۸ء، ص:۸

۳۔ ایضاً، ص:۹

کسر نہیں اٹھا رکھی۔

پیر محمد کرم شاہ رقمطراز ہیں:

"مستشرقین کے نزدیک لفظ مشرق سے مراد "اسلامی ممالک" ہیں اور دنیائے اسلام کو وہ مشرق کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مشرق کے اس مفہوم کے تحت، مستشرقین کی عملی جدوجہد جن خفیہ مقاصد کی غمازی کرتی ہے اور جن کا اظہار کبھی کبھی بعض مستشرقین کی طرف سے ہوتا بھی رہتا ہے، ان کو اور مستشرقین کے بے شمار علمی کارناموں اور ان کے مختلف طبقات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مستشرقین کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے۔

اہلِ مغرب بالعموم اور یہود و نصاریٰ بالخصوص، جو مشرقی اقوام خصوصاً ملتِ اسلامیہ کے مذاہب، زبانوں، تہذیب و تمدن، تاریخ، ادب، انسانی قدروں، ملی خصوصیات وسائل حیات اور امکانات کا مطالعہ معروضی تحقیق کے لبادے میں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اپنا ذہنی غلام بنا کر ان پر اپنا مذہب اور اپنی تہذیب مسلط کر سکیں اور ان پر سیاسی غلبہ حاصل کر کے ان کے وسائل حیات کا استحصال کر سکیں، ان کو مستشرقین کہا جاتا ہے اور جس تحریک سے وہ منسلک ہیں وہ تحریک استشراق کہلاتی ہے" [1]

مندرجہ بالا تعریفات سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ استشراق، مشرق اور بالخصوص اسلام کے تفصیلی مطالعہ کا نام ہے اور جن لوگوں نے اس کام کا آغاز کیا ان میں اکثریت راہبوں اور پادریوں کی تھی۔ تحریکِ استشراق میں یہود و نصاریٰ پورے زور و شور سے شریک تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تحریکِ استشراق کے مقاصد بعینہ وہی تھے جو یہودیوں کے تھے۔ مستشرقین مسلمانوں کا رشتہ ان کے دین سے توڑنا چاہتے تھے اور ان کا یہ مقصد یہودیوں کے دل کی آواز تھی اور اس حوالے سے یہودیوں کی تاریخ اسلام دشمنی سے بھری پڑی ہے۔ ان کی اسلام دشمنی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾ [2]

ترجمہ: آپ ضرور یہود اور مشرکوں کو سب لوگوں سے زیادہ مومنوں سے دشمنی رکھنے والا پائیں گے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری اس حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

"مستشرقین تقریباً سب ہی اسلام اور مسلمانوں کے مخالف ہیں لیکن ان کی مخالفت میں مختلف افراد

۱۔ ضیاء النبی، پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور، ص: ۶/ ۱۲۳

۲۔ سورۃ المائدہ: ۵/ ۸۲

اور طبقات کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ وہ مستشرقین جو اسلام کے خلاف تعصب میں سب سے آگے ہیں اور جنہوں نے اسلام کے خلاف ایسے ایسے افسانے گھڑے ہیں جن کی کوئی بنیاد نہیں، ان میں یہودیوں کا حصہ بہت زیادہ ہے" [1]

مستشرقین کے مقاصد واہداف

مستشرقین اپنی ذہنی سطح کے مطابق اور اپنے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اسلام پر ہر زاویے سے وار کرتے ہیں۔ اسلامی علوم اور مذہبی مواد و لٹریچر کا مطالعہ کرنے کے باوجود اپنے مذہبی تعصب، تنگ نظری اور کذب وافترا سے کام لینے سے باز نہیں آتے۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو یہ حقیقت منصہ شہود پر آتی ہے کہ اسلام کی حقانیت کا نور انتہائی سرعت سے عرب کے خطے سے نکل کر دنیا کے ایک بڑے حصے پر چھا گیا تھا اور یہود و نصاریٰ کو یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ اگر دینِ اسلام اتنی ہی تیز رفتاری سے پھیلتا رہا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا سے ان کے دین کا نام ونشاں ہی مٹ جائے لہٰذا انہوں نے اپنے دین کو قائم رکھنے کے لیے ایسی حکمتِ عملی اختیار کی کہ ایک طرف اسلامی تعلیمات پر شکوک وشبہات کے پردے ڈالے جائیں اور اسے ناکام، ناقص اور غیر الہامی فلسفہ ثابت کرنے کی مساعی کی جائے اور دوسری طرف یہودیوں اور عیسائیوں کو دائرۂ اسلام میں داخل ہونے سے روکا جائے اور تمام دنیا میں اپنے مذہب کا پرچار کیا جائے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے انہوں نے پادریوں کی خصوصی تربیت کی اور مسلم ممالک سے اسلامی علوم کی کتب جمع کر کے ان میں ایسی کمزوریاں تلاش کرنے کی کوشش کی جس سے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کیا جا سکے اور اسلامی تعلیمات کے حوالے سے شکوک وشبہات پیدا کیے جا سکیں۔ مخالفینِ اسلام "سر پہ ٹوپی نیت کھوٹی" والی کہاوت کے مصداق ہیں۔ انہوں نے سکالرز کے لبادے میں نبی ﷺ کی ذات، ازواج مطہرات، قرآن مجید اور اس کے احکامات، احادیث، سیرتِ صحابہ غرض یہ کہ ہر چیز کو ہدف بنایا اور مختلف تاویلیں کر کے شکوک وشبہات پیدا کیے۔ مسلمانوں میں اتحاد و اخوت کو ختم کر کے ان میں مختلف نسلی، لسانی اور علاقائی تعصبات کو ابھارنے کی کوشش کی۔

صدیوں پر محیط اس اسلام دشمن پروپیگنڈا کے باعث مغربی عوام کے اذہان اسلام کے بارے میں کوئی صحیح بات قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے علماء اور فضلاء نے تحقیق و جستجو اور علمی تحریکوں کے نام پر صرف اسلام مخالف مواد ہی جمع کیا ہے۔ یہود و نصاریٰ میں ہمیشہ باہمی رقابت اور عداوت رہی ہے لیکن مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے دونوں فریق اس رقابت کو بھول کر باہم شیر و شکر ہو گئے ہیں اور ہر اس کام پر متفق ہو چکے ہیں جس سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان اور ضرر پہنچایا جا سکے۔ مختلف انجمنیں اور ادارے بنا کر مسلمانوں کو اسلام اور اس کی تعلیمات سے برگشتہ کرنے کے لیے

۱۔ ضیاء النبی، ص: ۶/ ۱۸۰

سائنسی بنیادوں پر کام کیا جارہا ہے۔ انہی مقاصد کے حصول کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ مسلمان خواتین میں آزادی اور بے پردگی کو فروغ دیا جارہا ہے اور حقوقِ نسواں کا نعرہ بلند کرکے انہیں دورِ جاہلیت جیسی ذلت اور تباہی کے گڑھے میں دھکیلا جارہا ہے۔ اور ان کے حقوق کے حوالے سے مختلف شکوک و شبہات پیدا کرکے ان کے اذہان کو پراگندہ کیا جارہا ہے۔

دراصل یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی اور مسلمانوں کی نشاطِ ثانیہ کے خوف وڈر نے انہیں ایسے خبط میں مبتلا کردیا ہے جو انہیں اسلام کے خاتمے کے لیے کوشاں رہنے پر مجبور کرتا ہے۔ لہٰذا وہ مسلمانوں کو دینی اور اخلاقی لحاظ سے پست کرنے کے لیے سرگرداں رہتے ہیں۔ سابقہ تجربات کی بنا پر انہیں یقین ہوگیا ہے کہ جنگ وجدل کے ذریعے مسلمانوں کا خاتمہ محال ہے۔ اس لیے انہوں نے اندھا دھند جنگی اقدامات کرنے کی بجائے متبادل طریقوں سے مسلمانوں کی قوت و حمیت کو کمزور کرنے کی منصوبہ بندی کی اور اس کے حصول کے لیے تحقیق وجستجو کے پردے میں مسلم ممالک میں اپنے تربیت یافتہ علماء اور محققین کو بھیج کر مسلمانوں کی دینی حمیت، اتحاد و اخوت، جہاد و پردہ اور حقوقِ نسواں وغیرہ جیسی امتیازی اقدار کو کمزور کرنے کے لیے کوشاں ہوگئے۔ غرضیکہ مستشرقین کا بنیادی مقصد اسلام اور اس کی تعلیمات کا تحقیقی مطالعہ نہیں بلکہ ان تعلیمات کو شکوک وشبہات سے دھندلانا، مسلمانوں کو گمراہ کرنا اور غیر مسلم لوگوں کے سامنے اسلام کا منفی تصور پیش کرکے انہیں اسلام قبول کرنے سے روکنا ہے۔

مستشرقین صدیوں سے اسلام اور اس کی تعلیمات کے بارے میں تحقیقات میں مصروف ہیں۔ ان کا تعلق کسی ایک ملک، علاقے یا خطے سے نہیں ہے بلکہ یہ دنیا کے مختلف ممالک اور خطوں میں مصروفِ عمل ہیں۔ ان کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ آپس میں کسی رابطے اور باہمی تعلق کے بغیر اپنے بنیادی مقصد کے حصول کے لیے سب یکساں طور پر کوشاں ہیں جو کہ دینِ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پھیلانا ہے۔ اسلام دشمن یہ متعصب مستشرقین یہودی اور عیسائی محققین پر مشتمل ہیں جن کا بنیادی مقصد صرف اسلام اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانا ہے۔ ان میں سے کچھ مغربی مفکرین کے لٹریچر کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کی وجہ سے اسلام کے خلاف کمربستہ ہوتے ہیں اور کچھ کو یہود و نصاریٰ خاص طور پر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار کرتے ہیں۔

مستشرقین نے مشرقی علوم میں تحقیق کے نام پر اسلام مخالف کام کیے۔ مسلمانوں میں نئے نئے عقیدے گھڑے، قرآن پاک اور احادیثِ مبارکہ کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کیے، اللہ اور اس کے رسول کی ذاتِ مبارک کو طنز و مذاق کا نشانہ بنایا، ان پر کارٹون اور فلمیں بنائیں، غلط عقائد پر مبنی مختلف فرقے بنائے، علماء حق کے القابات مثلاً مولوی یا ملا کو مزاحیہ انداز میں پیش کیا تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے ان کی عزت اور عظمت ختم ہو جائے اور وہ ان سے دین نہ سیکھیں۔ ایک ایک کرکے اسلامی احکام کو مذاق کا نشانہ بنایا اور سکالر کے نام پر اپنے تربیت یافتہ لوگوں کو مسلمانوں کا مذہبی رہنما بنا کر پیش کیا۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری تحریر کرتے ہیں:

"ان کی کوششوں کا محرک سوائے اسلام دشمنی کے اور کچھ بھی نہیں۔ ایسے لوگ جس چیز کو خود روشنی سمجھتے ہیں اس کے علاوہ کسی دوسری روشنی کا وجود تسلیم کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔ وہ اسلامی تعلیمات کی طرف محض اس لیے متوجہ ہوتے ہیں تا کہ مسلمانوں کی کمزوریوں کو تلاش کر کے انہیں نقصان پہنچا سکیں اور مسلمانوں کے مقابلے میں انہی ہتھیاروں سے مسلح ہو سکیں جن کی بدولت مسلمانوں نے دنیا کا نقشہ بدل دیا تھا۔ ان کے مقاصد میں وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں آتی رہتی ہیں لیکن اسلام دشمنی کا بنیادی مقصد کبھی ان کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتا" [۱]

آپ مزید لکھتے ہیں کہ:

"مستشرقین کا یہ طبقہ مسلمانوں کے خلاف صیہونی تحریک سے بھی الحاق کر لیتا ہے اور الحادی طاقتیں بھی اسے اسلام کے مقابلے میں کم خطرہ نظر آتی ہیں۔ مستشرقین کے اس طبقہ کا پھیلایا ہوا زہر ملتِ اسلامیہ کی اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں سرایت کر چکا ہے اور ملتِ مسلمہ اس خطرے کا احساس جتنی جلدی کر لے اتنا ہی اس کے حق میں بہتر ہے" [۲]

مستشرقین کے طریقہ ہائے واردات اور تحریکِ استشراق کی عکاسی صاحبِ ضیاء النبی نے ان الفاظ میں کی ہے:

"جس مقصد کے تحت اس تحریک کا آغاز ہوا تھا وہ مقصد مستشرقین کی آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں ہوا۔ مستشرقین نے کبھی طالبِ علموں کا روپ اختیار کیا، کبھی جسموں پر صلیبیں سجائیں، کبھی تحقیق اور جستجو کے نام پر ممالکِ اسلامیہ کے کونے کونے تک پہنچے، کبھی مسلمانوں کے ہمدرد اور خیر خواہ بن کر منظرِ عام پر آئے اور کبھی پسماندہ اقوام کے لیے مشفق و مربی کا روپ دھارا۔ لیکن اتنے روپ بدلنے کے باوجود ان کا مقصد ہمیشہ ایک ہی رہا اور وہ مقصد اسلام کی بیخ کنی کے سوا کچھ نہ تھا" [۳]

الغرض مستشرقین کی تحریک استشراق کا ہدف بالکل واضح ہے اور ان کے دوررس مقاصد میں اہم ترین اہداف درج ذیل ہیں۔

۱. اسلام کی شخصیت وانفرادیت کو تحلیل کیا جائے۔ اس کی خصوصیت ذاتی اور انفرادی مزاج کا خاتمہ کر کے اس پر غلبہ حاصل کیا جائے۔

۱۔ ضیاء النبی، ص:۶/ ۱۲۹

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً، ص:۶/ ۱۷۲-۱۷۳

۲. عصر حاضر کے مسلمانوں کا رشتہ اسلام سے کاٹا جائے اور ایسی تدابیر کی جائیں کہ ان کا تعلق ماضی بعید کی بت پرستانہ تہذیب سے جوڑا جائے۔

۳. تنقیص، تحقیر اور تلبیس کی فضا پیدا کرنے کی نیت سے شکوک و شبہات پھیلائے جائیں اور کم سے کم میراثِ اسلامی کی توہین کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

۴. استشراق ہی وہ کارخانہ ہے جو عیسائی مشنریوں اور سیکولر مدارس کو طرح طرح کا زہر مہیا کر تا رہا ہے کہ وہ اپنے ان منہاج و طرزِ تعلیم اور نصابِ تدریس میں ان کو داخل کریں جو مدارسِ وطنیہ میں منتقل کیے جائیں۔

۵. اس کاروائی کا مقصد یہ ہے کہ عالمِ اسلام کی وحدتِ فکر کو پارہ پارہ کیا جائے اور انہیں مختلف ٹکڑوں میں بانٹا جائے۔[۱]

مستشرقین اور اسلام کا قانونِ وراثت

اسلام نے خواتین کو جو عزت و شرف بخشا ہے، جس طرح اس کو حقوق عطا کیے اور اس کے حقوق کا تحفظ کیا اس کی نظیر کسی بھی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی۔ متعصب مستشرقین اور مغربی فکر کی عینک سے دیکھنے والے افراد عورت کے حقوق اور معاملات سے تعلق رکھنے والے جن امور کو موردِ اعتراض بناتے ہیں ان میں سے ایک اسلامی قانونِ وراثت میں مرد کے مقابلے میں عورت کا نصف استحقاق ہے کہ اسلام نے حقِ میراث میں مرد کو عورت سے دگنا حصہ عطا کر کے عورت کو اس کے جائز حق سے محروم کیا ہے اور اس طرح عورت کے ساتھ ظلم اور زیادتی کی گئی ہے۔

> "A western scholar puts the injustice of shariah against women thus: "While both a male and female ascendants and descendants can inherit, a woman has half the share of a man. This means that the more female kin a woman has, the less she and they inherit."[2]

ترجمہ: ایک مغربی سکالر نے خواتین کے ساتھ اس کو شریعت کی ناانصافی قرار دیا ہے کہ جب مرد اور عورت اصول و فروع کے اعتبار سے وارث ہوتے ہیں تو عورت کو مرد کے مقابلے میں نصف حصہ دیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت اور اس کی رشتہ دار عورتوں کو کم وراثت ملتی ہے۔

ان معترضین کی طرف سے اسلام کے قانونِ وراثت میں عورت کے حصے کو تنگ نظری کا عدسہ لگا کر دیکھا جاتا

۱۔ عالمِ اسلام پر مستشرقین کی فکری یلغار، محمد اسمٰعیل بدایونی، اسلامک ریسرچ سوسائٹی، کراچی، ص: ۱۱۔۱۲

2۔ Women and Intestate Succession In Islamic Law, Yekini Olakulehin Abubakri, Lagos State University, Nigeria, 2008, P:9

ہے اور یوں پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ گویا کہ عورت کو کم تر مخلوق سمجھ کر اس کے حصے کو نصف (آدھا) کر دیا گیا ہے۔ پھر اسی مفروضے کی بنیاد پر اسلام کو بحیثیت مجموعی تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہ اعتراض نہ صرف غیر مسلم حلقوں یعنی مستشرقین کی طرف سے اٹھایا جاتا ہے بلکہ یورپی لٹریچر پڑھنے والے مغرب شدہ مسلمان بھی اصل حقائق سے لاعلمی کی وجہ سے اس طرح کے اعتراضات کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ اسلامی قانون وراثت کے حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

اعتراض:

اسلام دشمنوں کی طرف سے دانستہ طور پر مندرجہ بالا آیت مبارکہ کو بنیاد بنا کر بڑے زور و شور سے یہ اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ اسلام نے وراثت میں مرد کے لیے عورت سے دگنا حصہ کیوں مقرر کیا ہے؟ حالانکہ عورت کمزور ہوتی ہے اور کمانے والی بھی نہیں ہوتی۔ تو بظاہر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کا حصہ دگنا ہوتا مگر اسلام کے قانونِ میراث میں عورت کے مقابلے میں مرد کو دگنا حصہ دیا جاتا ہے جو سراسر عورت کے ساتھ ظلم اور زیادتی ہے۔ اس اعتراض کے ذریعے سادہ لوح مسلمانوں کو شک میں مبتلا کیا جاتا ہے اور ان کے ایمان کو متزلزل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام مرد کو عورت پر فوقیت دیتا ہے جو اسلام میں عدم مساوات کی دلیل ہے۔

"A woman's inheritance is unequal and less than a man's, for instance, a daughter's inheritance is usually half that of her brother's."[2]

ترجمہ: عورت کی وراثت غیر مساوی اور مرد سے کم ہے۔ مثال کے طور پر، بیٹی کی وراثت عام طور پر اس کے بھائی کی نصف ہوتی ہے۔

رد اعتراض

بد قسمتی سے اسلامی قانونِ وراثت کو اسلام کے دوسرے تمام قوانین اور مرد و زن کے حقوق و فرائض سے الگ کر کے دیکھا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام ایک برحق، دینِ فطرت اور جامع زندگی کا نام ہے۔ اس کی تعلیمات میں قطعیت، جامعیت اور ہمہ گیریت پائی جاتی ہے۔ بالخصوص زندگی کے ہر گوشے اور معاملے میں مرد و عورت کے درمیان جس عدل و مساوات کا اہتمام کیا ہے وہ اسلام کی حقانیت کی واضح دلیل ہے۔ اسلام انسان کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے، اسلام کی

۱۔ سورۃ النساء: ۴/۱۱

2۔ https://en.m.wikipedia.org/wiki/Criticism-of-Islam,Date:16-04-2020

بہت سی خصوصیات ہیں، انہی میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسلام نے انسان کے لئے بہترین اقتصادی نظام دیا ہے جو کئی امور پر مشتمل ہے جن میں تقسیم میراث کا نظام بھی ایک اہم معاملہ ہے۔ اسلام نے بہت سارے امور کی رعایت کرتے ہوئے اس کا نظام بنایا ہے، جس میں مرد کے ساتھ ساتھ عورت کو بھی میراث کا حقدار ٹھہرایا گیا ہے۔ اسلام نے باضابطہ طور پر میراث میں خواتین کا حصہ مقرر کیا اور میکے اور سسرالی رشتہ داروں سے اسے میراث کا حقدار ٹھہرایا۔ یہی وجہ ہے کہ جن بارہ لوگوں کے میراث میں حقوق شریعتِ اسلامیہ میں صراحتاً بیان کیے گئے ہیں ان میں آٹھ خواتین ہیں۔
اگر اسلام کے نظامِ نسواں کا بنظرِ انصاف جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام نے خواتین کو جو حقوق دیے ہیں اس کی نظیر دنیا کے دیگر مذاہب میں نہیں ملتی ہے بلکہ یہ کہنا قطعاً غلط نہیں ہو گا کہ اقوام عالم میں حقوقِ نسواں کے حوالے سے جو شعور اور بیداری آئی ہے وہ درحقیقت اسلام ہی کی مرہونِ منت ہے۔

اسلامی قانونِ وراثت میں ورثاء کے حصص کی تقسیم کی حکمتیں جاننے کے لیے یہ امر غور طلب ہے کہ کسی بھی مال یا جائیداد کی تقسیم دو طریقوں سے ہو سکتی ہے۔

۱. جائیداد کو مساوی حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور متعلقہ افراد میں ان کے فرائض اور ذمہ داریوں سے کو نظر انداز کرتے ہوئے مساوات کے اصول کو سامنے رکھ کر سب میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے۔

۲. افراد کی ذمہ داریوں کا تعین کیا جائے اور پھر ان میں قاعدے کے مطابق مال کو تقسیم کر دیا جائے۔

اسلام میں تقسیمِ وراثت کے اصول کی بنیاد اور حکمت کی بظاہر تین وجوہات ہیں۔

۱. قرابت اور رشتہ داری:

اسلام نے میراث میں قرابت ورشتہ داری کی بنیاد پر افرادِ خانہ کے درجہ بدرجہ حقوق مقرر کر دیئے ہیں۔ گویا اسلام میں تقسیمِ میراث قرابت کی بنا پر ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا﴾[1]

ترجمہ: ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکے میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی۔ (جو ماں باپ اور خویش واقارب چھوڑ کر مریں) خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں) حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ فرما کر خالق کائنات نے استحقاقِ میراث کا اسلامی ضابطہ بیان کر دیا کہ مالِ وراثت کی تقسیم محتاجی و مفلسی کے اعتبار سے نہیں بلکہ قرابت کے اعتبار سے ہے۔ اس لیے ضروری نہیں

۱۔ سورۃ النساء: ۴/ ۱۱

کہ رشتہ داروں میں جو زیادہ غریب یا حاجت مند ہوں ان کو زیادہ وراثت کا مستحق سمجھا جائے بلکہ جو میت کے ساتھ رشتہ میں قریب تر ہو گا وہ بہ نسبت بعید کے زیادہ مستحق ہو گا۔ "اقربون" ہر قسم کی قرابت اور رشتہ داری پر محیط ہے چاہے وہ رشتہ باہمی ولادت کا ہو جیسے اولاد اور ماں باپ میں، یا دوسری طرح کا جیسے عام خاندانی رشتوں میں یا وہ رشتے جو ازدواجی تعلق سے پیدا ہوتے ہیں لفظ "اقربون" سب پر حاوی ہے لہٰذا مطلق رشتہ وراثت کے لیے کافی نہیں بلکہ رشتہ میں "اقرب" شرط ہے۔

۲. ارتکازِ دولت کی نفی

اسلام دولت کی چند ہاتھوں میں گردش کا قائل نہیں بلکہ اس نے ایسے قوانین وضع کیے ہیں جن کی بدولت دولت افرادِ معاشرہ میں انفرادی و اجتماعی طور پر گردش کرتی ہے اور چند ہی ہاتھوں میں سمٹی نہیں رہتی۔

۳. ضرورت اور ذمہ داری:

اسلامی قانونِ وراثت میں انسان کی معاشی اور معاشرتی اقدار کے ساتھ مقرر کردہ دائرے میں ذمہ داریوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ لہٰذا مرد کا حصہ عورت سے دگنا رکھا گیا ہے۔ اور مرد و عورت کے حصوں کے تناسب میں فرق کی کئی حکمتیں ہیں۔ مختلف مفسرین اور صاحبِ فکر و دانش نے مرد اور عورت کے حصوں کی کمی بیشی کی حکمت اور مصالح کو بیان کیا ہے۔

ابو الاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

"میراث کے معاملہ میں یہ اولین اصولی ہدایت ہے کہ مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہے کیونکہ شریعت نے خاندانی زندگی میں مرد پر زیادہ معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالا ہے اور عورت کو بہت سی معاشی ذمہ داریوں کے بار سے سبکدوش رکھا ہے لہٰذا انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ میراث میں عورت کا حصہ مرد کی بہ نسبت کم رکھا جاتا" (۱)

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ:

"جاہلیت کے دور میں لوگ اپنی تمام میراث لڑکوں میں تقسیم کر دیتے اور لڑکیوں کو کچھ نہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اصل میراث میں لڑکیوں کا حق مقرر کر دیا لیکن ان کے حصے اور لڑکوں کے حصے میں فرق رکھا ہے۔ کیونکہ مردوں کے ذمے جو ضروریات ہیں وہ عورتوں کے ذمے نہیں۔ مثلاً مرد کو کھانے پینے کا خرچ، تجارت اور روزی کمانے کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے یہی مناسب تھا کہ اس کا

۱۔ تفہیم القرآن، ص:۱/۳۲۶

حصہ لڑکی کے حصے سے دگنا ہو" [۱]

امام فخر الدین رازیؒ مرد کے دگنے حصے کی حکمت یوں بیان کرتے ہیں:

" أن خروج الْمَرْأَةِ أَقَلُّ، لِأَنَّ زَوْجَهَا يُنْفِقُ عَلَيْهَا، وَخَرْجَ الرَّجُلِ أَكْثَرُ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُنْفِقُ عَلَى زَوْجَتِهِ، ومن كان خروجه أَكْثَرَ فَهُوَ إِلَى الْمَالِ أَحْوَجُ" [۲]

ترجمہ: عورت کے اخراجات کم ہیں کیونکہ اس کا خرچ اس کا شوہر برداشت کرتا ہے اور مرد کے اخراجات زیادہ ہیں کیونکہ اسے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے اسے زیادہ مال کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ سماجی کاموں کے لحاظ سے بھی مرد کی ذمہ داریاں خواتین کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہیں مثلاً وہ امام اور قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، خاندان، ملک و قوم کے نظم و نسق کو چلانے کی ذمہ داریاں بھی مرد پر ہوتی ہیں۔ اسی طرح اسلام اور وطن کے دفاع کے لیے جہاد کی ذمہ داری بھی مرد پر ہے۔

سید قطبؒ مرد کے دگنے حصے کی حکمت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"مرد و عورت کے حصوں میں یہ فرق و امتیاز اس لیے نہیں کیا گیا کہ کسی صنف کو دوسرے پر فضیلت ہے بلکہ حصص کا یہ فرق اس لیے روا رکھا گیا ہے کہ اسلامی نظام نے عائلی زندگی میں مرد اور عورت پر جو ذمہ داریاں رکھی ہیں۔ یہ حصص کا فرق ان کے مطابق نہایت متوازن اور عادلانہ ہے۔ عائلی زندگی سے آگے اسلامی معاشرے کے اجتماعی امور میں بھی عورت کے مقابلے میں مرد پر زیادہ فرائض عائد کیے گئے ہیں جب مرد عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے تو اس کا بھی نفقہ دیتا ہے اور اولاد کا نفقہ بھی دیتا ہے۔ اس کے برعکس عورت پر ایسی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ شادی سے پہلے بھی اور شادی کے بعد بھی اس کے نفقے کا ذمہ دار مرد ہی ہوتا ہے اور وہ خاوند اور اپنی اولاد کے نفقات کی کسی صورت میں بھی ذمہ دار نہیں ہوتی لہٰذا مرد عورت کے مقابلے میں خاندان کی ضروریات کے دو حصے کا ذمہ دار ہوتا ہے اسی طرح اجتماعی معاملات میں بھی مرد کی ذمہ داریاں عورت کے مقابلے میں دوگنا ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصص ایک طرف عادلانہ بھی ہیں اور دوسری جانب بمصداق حصہ بقدر جثہ یہ تقسیم منصفانہ بھی ہے" [۳]

پروفیسر ثریا بتول علوی تحریر کرتی ہیں:

"مرد کا عورت سے وراثت میں دگنا حصہ کوئی پیچیدہ یا الجھا ہوا مسئلہ نہیں بلکہ ایک فطری اور منصفانہ

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ص:۱/ ۶۴۶

۲۔ التفسیر الکبیر، ص:۹/ ۵۱۱

۳۔ تفسیر فی ظلال القرآن، سید قطب شہید، مترجم سید معروف شاہ شیرازی، ادارہ منشوراتِ اسلامی، لاہور، ص:۱/ ۹۳۱

تقسیم ہے۔ اسلام کے خاندانی نظام میں سارا معاشی بوجھ مرد ہی کے کندھوں پر ڈالا گیا ہے۔ خاندان کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے اس کو پورے خاندان پر خرچ کرنا پڑتا ہے عورت کی صورتحال یہ ہے کہ وہ باپ، بھائی، شوہر، بیٹا ہر ایک سے وراثت حاصل کرتی ہے حالانکہ اس کا اپنا خرچ بھی اس کے ذمے نہیں ہے بلکہ باپ، بھائی، شوہر اور بیٹے کے ذمے ہے۔ پھر وہ مرد سے نفقہ بھی وصول کرتی ہے، حق مہر اور دیگر تحفے تحائف بھی۔ دوسری طرف مرد کو وراثت میں جو کچھ ملتا ہے وہ اس پر عائد معاشی ذمہ داریوں پر خرچ ہوتا رہتا ہے۔ اسلامی قانون وراثت کا یہی اصول ہے کہ "لکل حسب حاجتہ "ہر آدمی کو اس کی ضروریات کے مطابق دیا جائے اور اس کی ضروریات کا پیمانہ اس کی وہ معاشرتی ذمہ داریاں ہیں جن کا بوجھ اسے اٹھانا پڑتا ہے" (۱)

غرضیکہ مرد کا عورت سے حصہ دگنا ہونا اس پر عائد ذمہ داریوں کی بنا پر ہے۔ اسلام نے مرد کو عورت سے دگنا حصہ دے کر عورت کو محروم نہیں کیا بلکہ اس پر اپنے فضل واحسان کی بارش کی ہے، اس کو اس کے تصور سے زیادہ دے کر اس کو آسودہ حال و فارغ البال کر دیا اور اس کو مقام اور عزت دینے کے لیے اس کو بہر حال مرد کے ساتھ شریکِ میراث کیا لیکن اس پر کوئی بار اور کسی قسم کے خرچ کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں کی۔ اسے صرف دیا جاتا ہے اس کو خود دینا نہیں پڑتا لہٰذا یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ عورت کا وراثت میں حصہ اس کی جنس کو کمتر سمجھ کر مقرر نہیں کیا گیا بلکہ اس کی ایک اہم حکمت مرد و عورت کے فرائض اور ذمہ داریوں کی تقسیم ہے لیکن چونکہ اسلام پر روزِ اول سے ہی اس کے دشمن مختلف حربوں سے حملہ کرتے رہے ہیں، لہٰذا انہوں نے اسلام کے نظام میراث کو بھی نشانہ بنانے کی ناکام کوشش کی ہے اور لوگوں کو دین اسلام سے متنفر کرنے کے لئے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ اسلام نے تقسیم میراث میں عورت پر ظلم کیا ہے کیوں کہ اسے مرد کے مقابلے میں صرف نصف کا حقدار ٹھہرایا ہے۔ دشمنان اسلام کا ایسا پروپیگنڈہ کرنا قطعاً درست نہیں اور اسلام دشمنی پر مبنی ہے۔ کیونکہ مرد کو صرف وراثت میں حصہ ملتا ہے جبکہ عورت کو وراثت میں حصے کے علاوہ حق مہر بھی ملتا ہے اور شوہر کی جائیداد اور مال ومتاع میں بھی عورت کا حق ہے۔ اس کے برعکس عورت ملازمت یا کسی کاروبار کے ذریعے کچھ کما رہی ہے اور اپنے شوہر کو اپنی کمائی میں سے کچھ دینا چاہے یا اپنے بچوں پر کچھ خرچ کرنا چاہے یا گھریلو استعمال میں لانا چاہے تو یہ سب اس کی اپنی آزادانہ صوابدید پر ہے مگر یہ اس کی قانونی اور شرعی ذمہ داری نہیں ہے۔ عورت اپنے ذریعۂ معاش کی آمدنی کی خود ہی کلیتاً مالک ہوتی ہے۔ وہ اگر اپنے سرمایے کو کاروبار میں لگائے تو اس کے منافع کی بھی وہی حقدار ہوتی ہے۔ اس کی اس ذاتی دولت میں شوہر کو تصرف کا کوئی قانونی حق حاصل نہیں ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں:

۱۔ جدید تحریک نسواں اور اسلام، ص:۳۰۲۔۳۰۳

"تاریخِ انسانی میں اسلام نے پہلی مرتبہ عورت کو مستقل قانونی تشخص عطا کیا ہے۔ وہ اپنی ذاتی ملکیت رکھ سکتی ہے اور اس کو حقِ ملکیت بھی حاصل ہے اور اس کے تصرف پر اختیار بھی ہے"[۱]

ڈاکٹر جسٹس آفتاب حسین رقم طراز ہیں:

" The property of woman as well as her earnings before or after her marriage are exclusively her own or her husband or any other guardian does not have any interest in seizing over it." [2]

ترجمہ: عورت کی جائیداد اور اس کی کمائی خواہ شادی سے پہلے کی ہو یا بعد کی وہ صرف اسی کی ملکیت ہوتی ہے اور اس کے شوہر یا کسی اور سرپرست کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس میں کوئی تصرف کر سکے۔

ڈاکٹر جسٹس آفتاب حسین مزید لکھتے ہیں:

"Islam placed women and men on the same footing in economic independence property rights and legal process. She might follow any legitimate profession, keep her earnings, inherit property and dispose off her belonging at will".[3]

ترجمہ: اسلام نے مرد و عورت کو معاشی ذمہ داری، مالی حقوق اور قانونی طریقے کار میں مساوی درجہ دیا ہے۔ وہ کوئی بھی جائز پیشہ اختیار کر سکتی ہے، اپنی آمدنی کی مالک بن سکتی ہے۔ وراثت میں حصہ پا سکتی ہے اور اپنی مرضی سے اپنی ملکیت میں تصرف کر سکتی ہے۔

یعنی عورت اپنی کمائی کی مختارِ کل ہے اور اس پر شوہر، بچوں یا خاندان کے دوسرے افراد کی دیکھ بھال کی کوئی معاشی ذمہ داری نہیں ہے۔ جبکہ گھر کا تمام خرچ ادا کرنے، بیوی اور بچوں کا نان نفقہ، بیوی اور بچوں کے کپڑوں، بچوں کی تعلیم اور گھر کے دوسرے تمام اخراجات کا ذمہ دار صرف مرد ہی ہے۔ ان اخراجات کے علاوہ مختلف قسم کے معاشی اور معاشرتی امور کا سامنا کرنا، تقریبات، جنازے، شادیاں وغیرہ اور دیگر امور سر انجام دینا بھی مرد کی ذمہ داری ہے اور ان سے متعلق تمام اخراجات بھی اسی کے ذمے ہیں۔

شادی سے پہلے یا بعد میں عورت کے مال اور کمائی پر قانونی حق صرف اسی کا ہے جبکہ مرد کے مال اور کمائی میں خاندان کے کئی افراد کا نا صرف حق ہے بلکہ مرد پر اخراجات کی ادائیگی فرض ہے۔ ذمہ داریوں کی اس تقسیم کو جاننے کے

۱۔ اسلام میں عورت کا مقام، ڈاکٹر اسرار احمد، انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص: ۱۷

2۔ Status of women in Islam, Dr. Justice Aftab Hussain, Pg: 201

3۔ Ibid, Pg:464

بعد یہ بات بہ آسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ وراثت میں عورت کے مقابلے میں مرد کا حصہ کیوں زیادہ رکھا گیا ہے؟ اسلام میں وراثت کی تقسیم جنس کی بنیاد پر نہیں بلکہ مخصوص ذمہ داریوں کی وجہ سے انتظامی بنیاد پر ہے اور ورثاء میں وراثت کی یہ تقسیم عین عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ لہٰذا اسلام کے قانونِ وراثت پر کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔

علم میراث پر نظر رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ ہمیشہ مرد کا حصہ عورت سے دگنا نہیں ہوتا بلکہ عورت کبھی مرد کے برابر اور کبھی اس سے بھی زیادہ حصہ کی حقدار ہوتی ہے، اور کچھ حالات میں تو عورت حصہ پاتی ہے مگر مرد کو کچھ بھی نہیں ملتا ہے، جبکہ عورت صرف چار حالات میں مرد سے کم حصہ کی حقدار ہوتی ہے۔

ان صورتوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

اول: وہ حالات جب عورت اور مرد برابر برابر حصہ کے حقدار ٹھہرتے ہیں:

۱. والدین (ماں، باپ) کی میراث:

اگر کسی شخص کے ورثاء میں فرع (یعنی بچے) اور والدین (اصل) ہوں تو والدین میں دونوں کو چھٹا چھٹا حصہ ملے گا، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾ [1]

ترجمہ: اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے، اگر اس میت کی اولاد ہو۔

یعنی صاحبِ اولاد بیٹے کی رحلت کی صورت میں ماں اور باپ کو برابر حصہ ملتا ہے اور ماں کو عورت ہونے کی وجہ سے آدھا یا باپ کو مرد ہونے کے سبب دگنا حصہ نہیں ملتا۔

۲. کلالہ کی صورت میں اخیافی (یعنی ماں کی جانب سے) بہن بھائی کی میراث:

کلالہ کا مطلب یہ ہے کہ جس کا باپ بیٹا نہ ہو تو اگر کسی ایسے شخص کے ورثاء میں اس کی ماں کی جانب سے ایک بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کو سدس ملے گا اور اگر دو یا اس سے زیادہ بہن بھائی ہوں تو انہیں ثلث حصہ ملے گا جس میں مرد اور عورت سب برابر شریک رہیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ﴾ [2]

ترجمہ: اور جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں۔

۱۔ سورۃ النساء: ۴/ ۱۱

۲۔ سورۃ النساء: ۴/ ۱۲

دوم: وہ حالات جب عورت کو مرد سے زیادہ حصہ ملتا ہے:

۱. پہلی صورت:

اگر کسی شخص نے اپنے ورثاء میں اپنے پیچھے بیوی، بیٹی، ماں اور ایک سگا بھائی چھوڑا تو کل ترکہ کو چوبیس (۲۴) حصوں میں تقسیم کیا جائے گا جن میں سے تین حصے بیوی کو، چار حصے ماں کو، پانچ حصے سگے بھائی کو، اور بیٹی کو بارہ حصے ملیں گے یہاں پر عورت (یعنی بیٹی) کو مرد (یعنی سگے بھائی) سے زیادہ حصہ ملتا ہے۔

۲. دوسری صورت:

اگر کسی عورت نے اپنے ورثاء میں شوہر، بیٹی، سگی بہن چھوڑی تو اس کے ترکہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا جن میں سے شوہر کو ایک حصہ، بیٹی کو دو حصے اور سگی بہن کو ایک حصہ ملے گا۔ معلوم ہو کہ یہاں بھی عورت (بیٹی) کو مرد (شوہر) سے زیادہ حصہ ملتا ہے۔

سوم: وہ حالات جب عورت کو حصہ ملتا ہے اور مرد کو کچھ نہیں ملتا:

۱. پہلی صورت:

اگر کسی مرد نے اپنے ورثاء میں ماں، دو بیٹیاں، علاتی (یعنی باپ کی جانب سے) دو بہنیں، اور ایک اخیافی بھائی چھوڑے تو اس کا ترکہ بارہ حصوں میں تقسیم ہو گا جن میں ماں کو دو حصے اور بیٹیوں کو آٹھ حصے (یعنی ہر ایک کو چار چار حصے) اور دو علاتی بہنوں کو ایک ایک حصہ ملے گا، جبکہ اخیافی بھائی کو علاتی بہنوں کی موجودگی کی وجہ سے کچھ نہیں ملے گا۔

۲. دوسری صورت:

اگر کسی عورت نے اپنے ورثاء میں شوہر، بیٹی، بیٹے کا بیٹا، اور ماں باپ چھوڑے تو اس کا ترکہ تیرہ حصوں میں تقسیم ہو گا جن میں سے ماں کو دو حصے، باپ کو دو حصے، شوہر کو تین حصے، بیٹی کو چھ حصے، جبکہ بیٹے کے بیٹے کے لئے کچھ بھی باقی نہیں بچتا ہے۔

چہارم: وہ حالات جن میں عورت کو مرد سے کم حصہ ملتا ہے:

۱. **پہلی صورت:** اگر کسی کے ورثاء بیٹا اور بیٹی ہو، تو مرد کو عورت کے دگنا حصہ ملتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ﴾[۱]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

یا پھر ورثاء میں اولاد نہ ہو بلکہ بہن اور بھائی ہوں، تو مرد کو عورت سے دگنا حصہ ملے گا۔

۱۔ سورۃ النساء: ۴/۱۱

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالاً وَنِساءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾[١]

ترجمہ: اور اگر کئی شخص اس ناطے کے ہیں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کے لیے حصہ ہے مثل دو عورتوں کے، اللہ تمہارے لیے بیان فرمارہا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تم بہک جاؤ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

٢. **دوسری صورت: زوجین کی میراث:** شوہر کو بیوی سے دگنا حصہ ملتا ہے، جیسے اگر کوئی عورت مر جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو شوہر کو اس کے ترکہ سے نصف ملے گا اور اولاد ہونے کی صورت میں چوتھا حصہ ملے گا جبکہ اگر مرد مر جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو بیوی کو اس کے ترکہ سے چوتھا حصہ ملے گا اور اولاد ہونے کی صورت میں آٹھواں حصہ ملے گا۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾[٢]

ترجمہ: تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو آدھا تمہارا ہے اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے مال میں سے تمہارے لیے چوتھائی حصہ ہے، اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد، اور جو (ترکہ) تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لیے چوتھائی ہے، اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انھیں تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے اور قرض کی ادائیگی کے بعد

٣. **تیسری صورت:** اگر کوئی مرد اپنے پیچھے ماں، باپ اور ایک بیٹی چھوڑے تو اس کے ترکہ کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، جن میں سے اس کی بیٹی کو نصف (یعنی تین حصے) اور اس کی ماں کو چھٹا (یعنی ایک حصہ) اور اس کے باپ کو چھٹا (یعنی ایک حصہ) فرضاً اور باقی (یعنی ایک حصہ) تعصیباً ملے گا۔ اس طرح یہاں مرد (باپ) کو عورت (ماں) سے دوگنا حصہ ملتا ہے

مرد کو عورت سے دگنا حصہ دینے کے کئی اسباب ہیں جیسے: مرد پر کچھ مالی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جبکہ عورت دینے کے بجائے لیتی ہے جیسے نکاح کے وقت مہر ہے جو کہ مرد دیتا ہے جبکہ عورت لیتی ہے، اسی طرح نکاح کے

١۔ سورۃ النساء: ۴/۱۷۶

٢۔ سورۃ النساء: ۴/۱۲

بعد نان ونفقہ ہوتا ہے جو کہ مرد پر لازم ہے جبکہ عورت وہاں بھی دینے کے بجائے لیتی ہے۔اسی طرح بچوں کے اخراجات عورت کے بجائے مرد پر لازم ہوتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ کہنا کسی طرح درست نہ ہوگا کہ دینِ اسلام نے تقسیمِ میراث میں مرد کو دگنا حصہ دے کر عورت پر ظلم کیا ہے۔دین اسلام نے ہمیشہ مرد کو عورت سے دگنا حصہ نہیں دیا بلکہ صرف چار حالات میں مرد کو عورت سے دگنا حصہ ملتا ہے اور ان چار حالات سے زیادہ حالات میں عورت کو مرد کے برابر حصہ ملتا ہے جبکہ دس سے زیادہ حالات میں عورت کو مرد سے بھی زیادہ حصہ ملتا ہے اور کئی حالات میں عورت کو حصہ ملتا ہے جبکہ اس کے برعکس مرد کو کچھ نہیں ملتا ہے اور بعض صورتوں میں عورت کا مرد سے نصف حصہ بہت سی مصلحتوں اور حکمتوں پر مبنی ہے۔عورت اپنے مصارف اور ضروریاتِ زندگی سے بے فکر ہے کیونکہ اس کے اخراجات اسلامی شریعت کی رو سے اس کے اقرباء اور پھر اس کے شوہر پر واجب ہیں۔عورت کسی کا خرچ اٹھانے کی مکلف نہیں اور اولاد کی پرورش اور تعلیم وتربیت کے اخراجات کا بار بھی عورت پر نہیں ہے۔ظاہر ہے مرد کے ذمہ اخراجات بہت ہیں لہٰذا عدل وانصاف کی رو سے اس کا حصہ زائد ہونے میں کوئی ظلم وزیادتی نہیں اور نہ ہی امتیاز برتنے کے زمرے میں آتا ہے بلکہ ایسی صورت میں جبکہ عورت پر کوئی ذمہ داری نہیں یہاں تک کہ اپنی بھی نہیں،اس کے باوجود اس کو شریک میراث ٹھہرانا عورت پر اسلام کا زبردست احسان ہے جس کی نظیر اقوامِ عالم میں کہیں نہیں ملتی۔

فصل دوم:

اسلام کے تقسیم وراثت پر معاشرتی اعتراضات

نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ اہلِ عالم کے لیے دینِ رحمت لے کر آئے جس کا مقصد انسانوں کا اپنے خالق حقیقی سے تعلق جوڑنا، انہیں اپنے معبود بر حق کی پہچان کروانا اور بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ عزوجل کی عبادت و بندگی کی راہ پر گامزن کرنا، بنی نوع انسان کو تاریکیوں کی دلدل سے نکال کر روشنیوں کی شاہراہ پر چلنے کا طریقہ بتانا، ظلم وزیادتی کا خاتمہ کر کے عدل و مساوات کی راہ ہموار کرنا اور لوگوں کو ان کے حقوق دلا کر ان کے مابین اخوت و محبت کے بیج بونا ہے۔ لیکن افسوس آج کا مسلم معاشرہ اور سماج، رسم و رواج کی غلامی میں بری طرح جکڑا ہوا ہے، روشنی کی شاہراہ سے کوسوں دور ہے، ظلم و زیادتی اور دوسروں کی حق تلفی اس کا معمول ہے۔ خصوصاً بیوی، بہن اور بیٹی جس کو قرآن نے میراث میں حقدار ٹھہرایا اور پیغمبرِ اسلام (ﷺ) نے قانونِ میراث کے ذریعے سے ان پر ہونے والے مظالم کا خاتمہ فرمایا۔ آج مسلم معاشرے کی غالب اکثریت، کیا دنیا دار، کیا دین دار، کیا پڑھے لکھے، کیا ان پڑھ، کیا جاہل اور کیا عالم سب ان کے حقوق پر ڈاکا ڈالے ہوئے اور ان کے حصے کو غصب کیے ہوئے ہیں۔ بڑی جرأت و شوق سے ان کے حصہ کو ہضم کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کے احکامات سے پہلو تہی کر کے دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی اور تباہی و بربادی کو سمیٹنے میں مشغول و مگن ہیں۔ یقیناً آج دنیا میں مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کے اسباب میں سے ایک اہم سبب اسلامی قانون وراثت پر مکمل عمل نہ کرنا، ماں، بیوی، بہنوں اور بیٹیوں کو ان کے حقِ میراث سے محروم کرنا ہے۔

اس حقیقت سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کا نظامِ میراث قدرت کا مقرر کردہ نظام ہے۔ جس سے انحراف، قدرت سے بغاوت اور خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اسلام میں میراث کی تقسیم سماج میں بہتری اور بہبود کے لیے ہے لیکن خواتین کو ان کے حقِ میراث سے محروم کر کے معاشرے میں انتشار اور بے سکونی کو جنم دیا جاتا ہے جو خاندانی ڈھانچے کو کمزور کرنے کا سبب بنتی ہے۔

عہدِ حاضر میں فکری زوال، خشیتِ الٰہی کے فقدان اور اسلام کے ہمہ گیر تصور کے کمزور ہو جانے کے سبب مسلمانوں نے اپنی مرضی و منشا کے موافق اپنی اپنی ترجیحات مقرر و متعین کر لی ہیں۔ اسلامی تعلیمات پر اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے کی بدترین مثال اسلام کا قانونِ میراث ہے۔ آج مسلم معاشرے میں نماز و روزہ کی پابندی کرنے والے اور اللہ کے رسول ﷺ کی چھوٹی چھوٹی سنتوں کی تلاش میں رہنے والے بھی اس معاملے میں مجرمانہ غفلت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلامی قانونِ میراث کو شجرِ ممنوعہ سمجھ کر ترک کر دیا ہے۔ اور جب میراث

کی شریعت کے مطابق تقسیم کی بات آتی ہے تو طرح طرح کے عذر اور بہانے پیش کیے جاتے ہیں جو دراصل خواتین کو ان کے حق میراث سے محروم کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ ان معاشرتی رویوں اور اعتراضات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ جہیز وراثت کا متبادل

معاشرے میں پایا جانے والا ایک اعتراض مسلمانوں کی یہ غلط فہمی ہے کہ وہ لڑکیوں کو جہیز کی شکل میں جو کچھ دیتے ہیں وہ وراثت کا بدل ہے۔ لہٰذا اگر انہیں وراثت میں بھی حصہ دیا جائے تو یہ لڑکوں کی حق تلفی ہو گی کیونکہ ایسا کرنا لڑکیوں کو دو دفعہ وراثت میں حصہ دینے کے مترادف ہے۔

پروفیسر ثریا بتول علوی اس تلخ حقیقت کے متعلق لکھتی ہیں:

"عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ عورتوں کو جہیز میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ وراثت کا بدل ہی تو ہے۔ جب انھوں نے لمبے چوڑے جہیز لے لیے تو وراثت میں ان کا کچھ بھی حصہ باقی نہیں رہتا" (۱)

یہ اعتراض اور عذر سراسر باطل ہے کیونکہ جہیز وراثت کا بدل ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ میراث کی تقسیم کا مسئلہ تو مورث کی موت کے بعد پیش آتا ہے جبکہ جہیز میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ باپ بیٹی کی طرح اپنے بیٹوں کی شادی بھی عموماً اپنے پیسوں سے کرتا ہے مگر کبھی ایسا سننے اور دیکھنے میں نہیں آیا کہ کسی بیٹے کو وراثت سے اس وجہ سے محروم کر دیا گیا ہو کہ اس کی شادی انہی پیسوں سے کی گئی ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ بات لڑکوں کو ان کے حقِ وراثت سے محروم کرنے کا سبب نہیں بنتی تو پھر یہ ناانصافی لڑکیوں کے ساتھ ہی کیوں کی جاتی ہے؟

پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الدین مذکورہ طرزِ عمل کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"بعض لوگ بیٹی کو جہیز اس کی وراثت میں سے دیتے ہیں حالانکہ والدین بیٹی کو جو جہیز کا سامان دیتے ہیں وہ ان کی طرف سے تحائف ہوتے ہیں اس جہیز کو دلہن کی وراثت سے دینا صحیح نہیں ہے۔ وراثت ورثاء کے حوالے کر دینا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ مالِ وراثت میں سے کسی کو محروم کرنا گناہِ کبیرہ ہے جو وراثت کی ادائیگی کے بغیر معاف نہیں ہے جبکہ بعض لوگ لڑکی کو شادی کے وقت جہیز دے کر وراثت سے محروم کر دیتے ہیں جبکہ وہ لڑکے کو بھی شادی کے وقت سامان وغیرہ دیتے ہیں لیکن اسے وراثت سے محروم نہیں کرتے۔ یہ لڑکیوں کے ساتھ کتنی بڑی ناانصافی اور ظلم ہے" (۲)

لہٰذا لوگوں کا یہ دعویٰ کرنا سراسر غلط ہے کہ ہم نے بیٹی کو جہیز دے دیا اس کے بعد وراثت میں اس کا حق نہیں رہا کیونکہ ہم نے یہ نیت کر لی تھی کہ جہیز میں جو کچھ اسے دے رہے ہیں وہ وراثت کا حصہ ہے۔ جہیز دینے سے بیٹی وراثت

۱۔ جدید تحریکِ نسواں اور اسلام، ص:۳۰۴

۲۔ عورت قبل از اسلام وبعد از اسلام، پروفیسر ڈاکٹر حافظ سید ضیاء الدین، النور ہیلتھ وایجوکیشن ٹرسٹ، کراچی، ص:۲۲۵۔۲۲۶

سے محروم نہیں ہوتی اور وہ وراثت کے اس حصہ کی حقدار ہوتی ہے جو شریعت نے اس کے لیے مقرر کیا ہے کیونکہ زندگی میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ وراثت تو مورث کے مرنے کے بعد جاری ہوگی اور زندگی میں دیا ہوا مال اس کے حق میں ہبہ ہے نہ کہ وراثت۔

مفتی احسان الحق شائق اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے جو بیٹی کو جہیز دے دیا اس کے بعد وراثت میں اس کا حصہ نہیں رہا کیونکہ ہم نے نیت کی تھی کہ یہ جو کچھ ہم اسے دے رہے ہیں وراثت کا حصہ ہے، یہ بھی غلط ہے، کہ آپ اسے جہیز میں کتنا ہی دے دیں مگر وراثت کا حصہ جو شریعت نے مقرر کر دیا وہ پورے کا پورا موجود ہے، جہیز دینے سے بیٹی محروم نہیں ہوتی، لوگ سمجھتے ہیں کہ اپنی زندگی میں اسے اتنا دے دیا تو اب وراثت میں اس کا حصہ نہیں رہا، یہ بالکل غلط ہے، زندگی میں وراثت جاری نہیں ہوتی، تو کسی کو کتنا ہی دے دیں وہ اس کے لیے ہبہ ہے کیونکہ وراثت تو مرنے کے بعد جاری ہوگی۔ مگر مرنے کا خیال تو آج کل کے مسلمان کو آتا ہی نہیں، یہ سمجھتا ہے کہ مرے گا ہی نہیں" [۱]

مولانا وحید الدین مسلمانوں کی اس روش کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اسلام میں اگرچہ لڑکی کو وراثت میں باقاعدہ حصہ دار بنایا گیا ہے مگر مسلمانوں نے عملی طور پر لڑکیوں کو اس شرعی حق سے محروم کر رکھا ہے۔ اس کی تلافی کے لیے انھوں نے اس ہندو طریقہ کو اختیار کر لیا ہے کہ شادی کے موقع پر لڑکی کو کافی سامان دے کر اسے خوش کر دیا جائے۔ جہیز حقیقتاً اسلام کے قانونِ وراثت سے فرار کی تلافی ہے جس کو پڑوسی قوم سے لے کر اختیار کر لیا گیا ہے" [۲]

مولانا صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

"جہیز کے بارے میں مسلمانوں نے واضح طور پر ہندو طریقہ اختیار کر لیا ہے، اگر مسلمانوں کا یہ خیال ہو کہ اسلام کے کامل دین ہونے پر فخر کرنا ہی اللہ کے یہاں ان کی مقبولیت کے لیے کافی ہے، تو اس سے بڑی غلط فہمی اور کوئی نہیں، کیونکہ یہود سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر فخر کرتے تھے اس کے باوجود وہ اللہ کے یہاں ملعون قرار دیئے گئے" [۳]

مولانا مفتی عبد الرؤف سکھروی اسے ایک قبیح رسم قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

۱۔ ازدواجی زندگی کے شرعی مسائل اور ان کا حل، مولانا مفتی احسان الحق شائق، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۱۱ء، ص:۱۵۲

۲۔ خاتونِ اسلام، مولانا وحید الدین خان، دار الابلاغ، لاہور، پاکستان، ۲۰۱۶ء، ص:۲۳۷

۳۔ ایضاً، ص:۲۴۱

"ایک بری رسم یہ بھی ہے کہ غیر شادی شدہ بہنوں کو تو میراث میں حصہ دے دیتے ہیں، لیکن شادی شدہ بہنوں کو میراث میں حصہ نہیں دیا جاتا اور اگر وہ مطالبہ کریں تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ والد صاحب نے تمہاری شادی کے موقع پر تمہارا جو جہیز تیار کرکے دیا تھا اس سے تمہارا حق ادا ہو گیا۔ یہ سوچ بھی بالکل غلط ہے۔ اول تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں لڑکیوں کا حصہ مقرر فرمایا ہے، اس میں غیر شادی شدہ ہونے کی کوئی قید نہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ زندگی میں باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے وہ ہدیہ اور تحفہ ہے، اس کا میراث سے کوئی تعلق نہیں۔ میراث تو وہ مال ہے جو انسان مرتے وقت چھوڑ کر جاتا ہے اور اس میں سارے ورثاء اپنے اپنے حصوں کے مطابق حقدار ہوتے ہیں، اس لیے زندگی میں کسی وارث کو کچھ مال دینے سے اس کا حصہ ختم نہیں ہوتا۔ لہذا شادی شدہ بہنیں بھی اپنے حصہ کی حقدار ہیں" (۱)

دوسری بات یہ کہ وراثت کے لیے ضروری ہے کہ پوری جائیداد اور ترکے کا اندازہ لگا کر ورثاء میں تقسیم کی جائے لیکن جہیز میں پوری جائیداد کا اندازہ نہیں لگایا جاتا۔ عموماً اس کی مقدار لڑکے والوں کی طلب کے مطابق ہوتی ہے اور اگر طلب نہیں ہوتی تو اپنی مرضی سے رسم و رواج کے مطابق جہیز تیار کیا جاتا ہے۔ بہر حال صورت جو بھی ہو جہیز کبھی بھی پوری جائیداد کا اندازہ لگا کر نہیں دیا جاتا۔

ڈاکٹر حافظہ شاہدہ پروین رقمطراز ہیں:

"اگر لڑکی جہیز لے لے تو بعض والدین اسے وراثت سے بھی محروم کر دیتے ہیں کیونکہ وہ جہیز کو وراثت کا نعم البدل سمجھتے ہیں۔ اگر لڑکی کو وراثت کے متبادل کے طور پر جہیز دیا جائے تو یہ ظالمانہ فیصلہ ہے اور حدود اللہ سے تجاوز ہے، ہندوانہ رسم ہے، قرآن پاک میں وراثت کو فریضۃ من اللہ اور حدود اللہ قرار دیا گیا ہے، یہ فیصلہ گویا احکام الٰہی کی خلاف ورزی اور حدود اللہ سے تجاوز ہے" (۲)

درحقیقت ہمارے معاشرے میں لوگ شادی کے موقع پر بیٹیوں کو جہیز دے کر ان کو ان کا حقِ وراثت ادا نہیں کرتے اور جہیز کو وراثت کا قائم مقام بنا دیتے ہیں حالانکہ شریعتِ اسلامیہ میں وراثت کے تمام احکام تفصیلاً بیان کر دیے گئے ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ نے جہاں خواتین کو بہت سے معاشرتی، اخلاقی اور قانونی حقوق دیئے ہیں وہیں اس کو عطا کیے جانے

۱۔ میراث کی تقسیم میں کوتاہی کرنا، مولانا مفتی عبد الرؤف سکھروی، مطبوعہ: ماہنامہ البلاغ، مجلس احرارِ اسلام پاکستان، اکتوبر ۲۰۱۷ء

۲۔ عصری عائلی مسائل اور اسلامی تعلیمات، ڈاکٹر حافظہ شاہدہ پروین، شعبۂ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۱۴ء ص: ۱۲۹۔۱۳۰

والے معاشی حقوق میں سے ایک اہم حق وراثت کا بھی ہے۔ لیکن افسوس ناک امر یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کو ان کے اس حق سے محروم رکھا جاتا ہے اور جہیز کو ان کے حقِ میراث کا متبادل تصور کیا جاتا ہے۔ ایسی سوچ رکھنا اور خواتین کو ان کے شرعی حقِ میراث سے محروم کرنا اسلام کے قانونِ وراثت سے انحراف ہے جو سراسر گناہ ہے۔

سب سے اہم بات اور سوال یہ ہے کہ جہیز کو آخر ضروری کس نے قرار دیا ہے؟ کیا اسلامی نقطۂ نظر سے جہیز دینا ضروری یا کم از کم مستحب ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہو گا کیونکہ اسلام نے سب سے پسندیدہ شادی اسے قرار دیا ہے جس میں خرچ کم ہو۔ ایک ناپسندیدہ فعل سے اسلام کے ایک محکم حکم کو باطل کرنا کہاں کی عقل مندی ہے؟ دراصل جہیز کی رسم ہی اس وجہ سے رائج ہوئی کہ لڑکیوں کو میراث میں حصہ نہ دینا پڑے۔ اگر اسلامی قانون کے مطابق انہیں ان کا جائز حق دیا جائے تو جہیز کی لعنت بھی خود بخود دم توڑ دے گی۔

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر لکھتے ہیں:

"پاکستانی عورت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہماری عورت ان حقوق سے محروم چلی آتی ہے جو اسے رسول اللہ ﷺ نے چودہ پندرہ سو سال قبل عطا فرمائے تھے، ہم اگر عدل و انصاف کے ساتھ عورتوں کو ان کے وہ حقوق مکمل طور پر اور صحیح معنی میں دے دیں اور انہیں ہندو تہذیب کی خرافات، قبائلی اور خاندانی رسوم ورواج اور مغربی تہذیب کی فضولیات سے نجات دلا دیں تو حوا کی بیٹی خوش اور اطمینان کا سانس لینے اور ہمارے معاشرے کو پر سکون ماحول دینے کے قابل ہو جائے" (۱)

حقیقت تو یہ ہے کہ جہیز صرف ایک رسم ہے جس کی اسلام میں کوئی حقیقت نہیں اور جہیز کو عورت کے حقِ میراث کا نعم البدل قرار دینا قطعاً درست نہیں اور جہیز دے کر عورت کو اس کے حقِ وراثت سے محروم کر دینے کو جائز سمجھنا اسلامی تعلیمات سے دوری اور جہالت کا ہی نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

مولانا محمد شمشاد ندوی لکھتے ہیں:

"جہیز نہ وراثت ہے اور نہ جائز عطیہ۔ وراثت تو اس لیے نہیں کہ وراثت کی تقسیم کا معاملہ موت کے بعد سامنے آتا ہے، کسی زندہ انسان کے مال میں وراثت نہیں ہے، وہ اپنی پوری جائیداد کا تنہا مالک ہوتا ہے، والدین اپنی لڑکی کو شادی کے موقع پر لاکھوں روپے کا سامانِ جہیز دے دیں تب بھی ان کے انتقال کے بعد لڑکی مالِ متروکہ میں سے حصہ پائے گی۔ یہ حقیقت ہے کہ دورِ حاضر میں عموماً عورتیں وراثت سے محرومی کا شکار ہو رہی ہیں جس کی اجازت شریعتِ اسلامی نے نہیں دی ہے اور لوگ ان احکام سے چشم پوشی کرتے جا رہے ہیں جس میں عورتوں کو وراثت میں حصہ دار بنانے کی تلقین اور

۱۔ لوح وقلم، کالم نگار: ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، نوائے وقت، ۳۱ مارچ ۲۰۱۶ء

وراثت سے محروم کرنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں" [1]

جہیز دراصل ایک ہندوانہ رسم ہے جس میں لڑکی کو وراثت سے محروم کر کے شادی کے موقع پر ہی حسبِ حیثیت سامان مہیا کر دیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی آہستہ آہستہ اس رسم کو اپنا لیا اور مسلمان ہندوانہ تہذیب سے جہیز کی یہ رسم پاکستان لے کر آئے۔ ہندو تہذیب سے متاثر ہو کر امتِ مسلمہ نے اس رسم (جہیز) کو اپنے معاشرے میں داخل کر کے دونوں جہاں کی ناکامی و نامرادی اور مصائب و آلام کو دعوت دے دی ہے۔

حافظ مبشر حسین لکھتے ہیں:

"جہیز چونکہ ہندوانہ رسم ہے اور ہندوؤں نے یہ رسم اس لیے جاری کی کہ ان کے ہاں لڑکی وراثت کی حقدار نہیں بن سکتی۔ لہٰذا اس حقِ وراثت کی تلافی کسی طرح سے شادی کے موقع پر جہیز کی شکل میں کی جاتی ہے اور اب مسلمانوں نے بھی اس رسم کی بجا آوری میں ہنود کی خوب "تابعداری" فرمائی کہ لڑکیوں کو حقِ وراثت سے محروم کر دیا اور اس کے بدلے جہیز کو رواج دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو بھی وراثت کا حقدار بنایا ہے اور عورت کے اس خداوندی عطیہ (یعنی حقِ وراثت) کو ختم کرنا اللہ کی حدود کی صریح مخالفت ہے" [2]

اس بات سے سب ہی بخوبی واقف ہیں کہ موجودہ معاشرے میں شادی کے موقع پر دیا جانے والا سامان یا نقد رقم یا تو مطالبہ کے بعد دیا جاتا ہے یا عرف و رواج کی وجہ سے یا پھر اس خوف سے کہ ہماری بیٹی کو سسرال جانے کے بعد کوئی ذہنی اور جسمانی تکلیف و صدمہ نہ ہو اور نہ ہی اسے طعن و تشنیع کا سامنا کرنا پڑے لیکن اسلام میں جہیز کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ اس لیے ہر طرح کے تاویل و حیلہ سے بالاتر ہو کر جہیز کی لعنت کو معاشرے سے ختم کرنے کی ضرورت ہے اور جہیز کی آڑ میں لڑکیوں کو ان کے حقِ میراث سے محروم کرنا احکامِ الٰہی کی صریح خلاف ورزی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی پامالی ہے جس پر سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾ [3]

ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

غرض یہ کہ جہیز ایک غیر اسلامی رسم ہے، اس کا لین دین پسندیدہ امر نہیں۔ اس کو بڑھاوا دینے والے ایک

۱۔ جہیز ایک ناسور، مولانا محمد شمشاد ندوی، ناشر: مکتبہ مدینہ، سفید مسجد، دیوبند، سہارنپور (یوپی)، ص:۳۳۔۳۴

۲۔ جہیز کی تباہ کاریاں، حافظ مبشر حسین لاہوری، ناشر: مبشر اکیڈمی، لاہور، پاکستان، دسمبر ۲۰۰۴ء، ص:۶۱

۳۔ سورۃ النساء: ۴/ ۱۴

غیر مطلوب عمل کو رواج دینے کے قصور وار ہیں۔اس کے بر عکس تقسیمِ وراثت کا قرانِ حمید میں صریح الفاظ میں حکم دیا گیا ہے اور اسے فرض قرار دیتے ہوئے اللہ کی مقرر کردہ حدود کہا گیا ہے۔اس لیے جو لوگ مالِ وراثت پر خود قابض ہو جاتے ہیں اور بہنوں، بیٹیوں اور دوسری رشتہ دار عورتوں کو ان کے حقِ میراث سے محروم رکھتے ہیں۔وہ بہت بڑے گناہگار اور اللہ کی نگاہ میں سخت مبغوض ہیں کیونکہ جہیز دینے والے اور اس کے بدلے میں وراثت سے خواتین کو محروم رکھنے والے دوہرے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ایک نامطلوب عمل کو رواج دینے کا جرم اور دوسرا تاکیدی فرض پر عمل نہ کرنے کا جرم۔لہٰذا مسلم معاشرے کی بہتری اور سلامتی اسی میں ہے کہ جہیز کی لین دین کی حوصلہ شکنی کی جائے اور لوگوں کو تقسیمِ وراثت پر آمادہ کیا جائے کیونکہ جہیز کا میراث کے حصے سے کوئی تعلق نہیں۔جہیز ایک معاشرتی رسم ہے۔لڑکی کو ماں باپ کی طرف سے جہیز دینے سے اس (لڑکی) کی میراث کے حصے میں سے ایک پائی بھی ادا نہیں ہوتی۔اس لیے والدین جہیز دیں یا نہ دیں، انہیں اسے میراث میں حصہ دینا ہو گا کیونکہ یہ حکمِ الٰہی ہے۔

۲۔لڑکیوں کی حقِ وراثت سے دستبرداری

دوسرا عذر جو عام طور پر معاشرے میں پیش کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ لڑکیاں اپنا حق خود ہی معاف کر دیتی ہیں اس وجہ سے ان کا حصہ نہ مقرر کرنے میں اور انہیں حقِ میراث نہ دینے میں کوئی قباحت نہیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی بات ایسی ہی ہے جس طرح کہی جاتی ہے؟

حقائق کو بنظرِ غائر دیکھا جائے تو حقیقت میں مسئلہ یہ ہے کہ لڑکیاں اپنا حصہ خود معاف نہیں کرتی ہیں بلکہ ان سے زبردستی معاف کروایا جاتا ہے۔ان کے سامنے کچھ ایسے حالات پیدا کیے جاتے ہیں جن کی وجہ سے مجبور ہو کر وہ اپنے حق سے دستبردار ہونے ہی میں اپنی عافیت سمجھتی ہیں۔کھلے یا دبے الفاظ میں انہیں میکے یا حقِ وراثت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔عورت خود اپنی بے عزتی اور ذلت برداشت کر سکتی ہے لیکن اپنے میکے کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کرتی وہ کیونکر یہ برداشت کر سکتی ہے کہ اس سے اس کا میکہ چھوٹ جائے۔اس کی تو بس یہی تمنا ہوتی ہے کہ زندگی کی آخری سانس تک اس کا تعلق میکے سے جڑا رہے۔اس کے بھائی اس کے دکھ سکھ کے ساتھی بنے رہیں اس لیے وہ میکے پر اپنے حقِ میراث کو قربان کر دیتی ہے۔

پروفیسر ثریا بتول علوی اس تلخ حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

> "یہ مسئلہ بڑا سنگین بن چکا ہے عموماً بھائی بہنوں سے کہتے ہیں اگر تم ہم سے تعلق برقرار رکھنا چاہتی ہو تو وراثت کا خیال دل سے نکال دو اور بہنیں یہ سوچ کر کہ ماں باپ تو پہلے ہی فوت ہو چکے ہیں اب ہمارا میکہ تو صرف بھائیوں کے دم قدم ہی سے قائم ہے۔اگر یہ بھی ناراض ہو گئے تو پھر ہم اپنے بھائیوں کی شکل دیکھنے سے بھی محروم رہ جائیں گی لہٰذا وہ کہہ دیتی ہیں کہ ہم نے اپنی جائیداد کا حصہ تمہیں بخش

دیا۔ حالانکہ جو حق وہ "بخوشی" بھائیوں کو بخش رہی ہوتی ہیں وہ خود اچھی طرح جانتی ہیں کہ یہ ان کی کتنی بڑی مجبوری ہے" (۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کوئی وارث اپنے حق سے دستبردار ہو جائے تو جس کے حق میں وہ دستبردار ہوا ہے وہ اس کے حصے کو قبضے میں لے کر اس سے مستفید ہو سکتا ہے لیکن اس دستبرداری کے لیے دلی رضامندی ضروری ہے بغیر رضا اور رغبت کے کسی قسم کے دباؤ کے ذریعے معاف کرانے والوں کا اللہ تعالیٰ ضرور محاسبہ کرے گا کیونکہ اس قسم کی دستبرداری کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں۔

اس عمل سے ہمارے معاشرے کی سطحیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ جس صلۂ رحمی کی اسلام تعلیم دیتا ہے اسے آج مسلمانوں نے چند سکوں سے مشروط کر دیا ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ معافی کی رسم صرف لڑکیوں ہی سے کیوں ادا کرائی جاتی ہے ؟ کبھی لڑکے بھی دریا دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے حصے سے دستبردار ہونے کا مظاہرہ کریں۔ یہاں تو حالتِ زار یہ ہے کہ بھائی بہن کی پوری جائیداد ہڑپ کرنے کے بعد چند کپڑوں یا دیگر سامان کی ادائیگی کی شکل میں گویا حاتم طائی کی قبر کو لات مارتا ہے اور اپنے اس احسان کا ڈنڈورا پیٹتا نظر آتا ہے۔ حالانکہ اس نے بہن کی جس جائیداد کے حصے پر قبضہ کر رکھا ہے اس سے وہ اس جیسے لاکھوں کپڑے اور ساز و سامان خرید سکتی تھی۔

آج کی مسلم پاکستانی عورت کی ایک بد قسمتی یہ بھی ہے کہ بچپن سے ہی اس کی تربیت اس نہج پر کی جاتی ہے کہ ہر عمدہ اور اعلیٰ چیز بھائیوں کے لیے ہے جبکہ ردی و ناقص پر اسے گزارا کرنا سکھایا جاتا ہے۔ گویا ہوش کی سیڑھیوں پر قدم رکھنے سے قبل ہی اسے بھائیوں کے حق میں دستبرداری کی تعلیم دینا شروع کر دی جاتی ہے اور اس تعلیم و تربیت کا نتیجہ اس صورت میں نکلتا ہے کہ بہنیں بغیر کسی پس و پیش کے بھائیوں کے حق میں دستبردار ہو جاتی ہیں۔ خود گھٹ گھٹ کر جیتی ہیں اور بھائیوں کی خوشحالی پر خوش ہوتی رہتی ہیں۔

عورت اپنے حصۂ وراثت سے دستبردار ہو سکتی ہے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ دستبرداری رضاکارانہ اور قلبی رضامندی سے ہو۔ اگر عورت پر وراثتی حصہ چھوڑنے کے لیے دباؤ ہو یا وہ شرم و حیا کی وجہ سے یا معاشرتی دباؤ کی وجہ سے کہ وراثت میں حصہ لینے والی کو برا سمجھا جاتا ہے اور وراثت میں عورت کے حصہ لینے کو معاشرے میں معیوب عمل گردانا جاتا ہے۔ یا اس وجہ سے کہ خاندان میں خواتین کو حصہ دینے کا رواج ہی نہیں ہے یا اس لیے کہ حقِ میراث کا مطالبہ کرنے پر بھائی ناراض ہو جائیں گے یا یہ یقین ہو کہ بھائی وراثت میں حصہ نہیں دیں گے اور ایسی صورتحال میں اپنے حصے کا مطالبہ کرنا اپنے آپ کو ذلیل کروانا اور بھائیوں کی ناراضی مول لینا ہے ان خدشات اور وجوہات میں سے کسی وجہ کی بناء پر عورت جب اپنا وراثتی حصہ معاف کرتی ہے تو اس کا حصہ برقرار رہتا ہے کیونکہ جب معافی دلی رضامندی سے نہ ہو تو اس

۱۔ جدید تحریکِ نسواں اور اسلام، ص: ۳۰۵

کا اعتبار نہیں ہوتا۔ ہمارے معاشرے میں جب کوئی عورت اپنا حقِ میراث چھوڑتی ہے تو اس کے پسِ منظر میں مذکورہ بالا وجوہات میں سے کوئی وجہ عموماً ضرور ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں لڑکیوں کو بھی اپنے رویے میں تبدیلی لانی چاہیے۔ شریعت نے خواتین کو میراث کا حقدار ٹھہرایا ہے اور جو چیز شریعت نے مقرر کی ہے اس میں شرماشرمی کی کوئی بات نہیں۔ دوسروں کے دباؤ میں آکر معاف کر دینے اور اپنے حصے سے دستبردار ہونے کے عمل کی وجہ سے آج معاشرے میں قانونِ میراث پر عمل متروک ہو چکا ہے۔ خواتین کو اپنا واجبی اور شرعی حق حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ جہاں تک میکہ چھوٹنے کے خدشے کا تعلق ہے تو میکہ اس صورت میں چھوٹے گا جب وہاں ان کی کوئی زمین، جائیداد نہیں ہو گی۔ وراثت کی شکل میں جب زمین جائیداد موجود ہو گی اور وہاں آنا جانا ہو گا تو میکہ چھوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قابلِ غور امر یہ ہے کہ وراثت ایک ایسا مالی حق ہے جو لازمی طور پر مورث کی موت کے بعد وارث کی ملکیت میں آجاتا ہے وہ اسے بہر صورت لیناہی ہے نہ اسے معاف کر سکتا ہے اور نہ ہی اس سے معاف کروایا جا سکتا ہے۔ عام رویہ جو معاشرے میں دیکھنے کو ملتا ہے وہ یہی ہے کہ خواتین اپنے حصۂ میراث کا مطالبہ نہیں کرتیں اور اپنے بھائیوں کے حق میں اپنے حصے سے دستبردار ہو جاتی ہیں اور بسا اوقات دیگر رشتہ دار انہیں اپنا حصہ معاف کر دینے پر برانگیختہ کرتے ہیں اور دستبرداری پر مجبور کرتے رہتے ہیں اور مطالبہ کرنے کی صورت میں لعن طعن کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مجبوراً معاف کرنے یا جبراً معاف کروانے سے ان کا ترکے میں سے حصہ ختم نہیں ہو گا۔ مردوں پر لازم ہے کہ وہ حقدار خواتین کو ان کا حصہ دیں کیونکہ لڑکیوں کو ان کے حقِ میراث سے محروم کرنا بدترین گناہِ کبیرہ ہے اور اس حکمِ خداوندی کے مرتکب آخرت کی سزا کے مستحق ہوں گے اور ان کو اس کا معاوضہ روزِ قیامت ادا کرنا پڑے گا جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَحَدٍ (لِأَخِيهِ) مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ))[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہو تو اس سے آج ہی معاف کروالے اس روز سے قبل کہ جب نہ دینار ہو گا اور نہ درہم، اگر ظالم کے پاس کوئی عمل صالح ہو گا تو بقدر اس کے ظلم کے اس سے لے کر مظلوم کو دے دیا جائے گا اور اگر ظالم کے پاس حسنات نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے۔

۱۔ صحیح بخاری، كتاب المظالم، باب من كانت له مظلمة عند الرجل ...، حدیث: ۲۳۱۷، ص: ۲/۸۶۵

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ))[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟" صحابہ نے کہا: ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ درہم ہو، نہ کوئی سازوسامان۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہو گی اور کسی پر بہتان لگایا ہو گا اور کسی کا مال کھایا ہو گا اور کسی کا خون بہایا ہو گا اور کسی کو مارا ہو گا، پس ان مظلوموں کو اس کی نیکیاں دی جائیں گی۔ اگر اس کی حسنات ادائے حقوق سے قبل ختم ہو گئیں تو مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اس کو جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

خواتین کے لیے بھی یہ لازم ہے کہ وہ اپنے حصے کو اپنے قبضے میں لیں، البتہ اگر اپنے حصۂ وراثت پر قبضہ کرنے کے بعد کسی جبر واکراہ اور زور زبردستی کے بغیر محض اپنی خوشی سے کسی دوسرے وارث کو اپنا حصہ دینا چاہیں تو اس کا انہیں اختیار ہے۔

۳۔ موروثی جائیداد کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا اندیشہ

افرادِ معاشرہ کی طرف سے عام طور پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ شریعت کے مطابق ترکہ کی تقسیم کی صورت میں لڑکیوں کو غیر منقولہ جائیداد میں حصہ دینے سے موروثی جائیداد کے ٹکڑے ہو جائیں گے اور بعض صورتوں میں وہ بے مصرف ہو جائے گی۔ اسی خدشہ کی بنا پر بعض لوگ صرف منقولہ جائیداد میں خواتین کو حصہ دینے کی وکالت کرتے ہیں اور اس کی توجیہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ لڑکیاں منتقل ہونے والی ہوتی ہیں، وہ منتقل ہو کر سسرال چلی جاتی ہیں اس لیے انہیں منقولہ جائیداد میں سے صرف حصہ دینا چاہیے اس کے برعکس لڑکے غیر منتقل ہوتے ہیں، وہ شادی کے بعد وہیں رہائش پذیر ہوتے ہیں اس لیے غیر منقولہ جائیداد کا حصہ انہیں دینا چاہیے۔

افرادِ معاشرہ کی جانب سے پیش کیا جانے والا یہ عذر اور دلیل سراسر غلط ہے کیونکہ وراثت کی تقسیم کے قوانین خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صراحتاً قرآن پاک میں بیان فرما دیئے ہیں اور ترکے کی تقسیم کے اصول و قوانین کو وضع کرنے کا اختیار کسی انسان کو نہیں دیا اور نہ ہی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کی تخصیص و تفریق کی ہے بلکہ مطلقاً حکم دیا۔

۱۔ صحیح مسلم، البر والصلة والآداب، باب تَحْرِيمِ الظُّلْمِ، حدیث: ۶۷۴۴، ص: ۱۸/۸

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا﴾ (۱)

ترجمہ: ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکے میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی۔ (جو ماں باپ اور خویش واقارب چھوڑ کر مریں) خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں) حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے واشگاف الفاظ میں بیان فرمادیا کہ والدین واقارب کے چھوڑے ہوئے مال میں مرد وعورت دونوں کا حصہ ہے خواہ مال قلیل ہو یا کثیر اور یہ من جانب اللہ مقرر کردہ ہے گویا اس میں کسی انسان کو دخل اندازی کی اجازت نہیں اور جب ہم اس آیت کا شانِ نزول دیکھتے ہیں تو محبوب الٰہی، سرکارِ دوجہان حضرت محمد مصطفیٰ کا عمل بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ احکامِ میراث کے متعلق نبی ﷺ نے متاثرین کو اس حوالے سے حکمِ الٰہی کا انتظار کرنے اور صبر کی تلقین کی اور اس حوالے سے خود کوئی حکم یا فیصلہ نہیں سنایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی:

"وَنَزَلَتِ الآية في أوس ابن ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ، تُوُفِّيَ وَتَرَكَ امْرَأَةً يُقَالُ لَهَا: أم كجة وَثَلَاثَ بَنَاتٍ لَهُ مِنْهَا، فَقَامَ رَجُلَانِ هُمَا ابْنَا عَمِّ الْمَيِّتِ وَوَصِيَّاهُ يُقَالُ لَهُمَا: سُوَيْدٌ وَعَرْفَجَةُ، فَأَخَذَا مَالَهُ وَلَمْ يُعْطِيَا امْرَأَتَهُ وَبَنَاتِهِ شَيْئًا، وَكَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ لَا يُوَرِّثُونَ النِّسَاءَ وَلَا الصَّغِيرَ وَإِنْ كَانَ ذَكَرًا، وَيَقُولُونَ: لَا يعطى إلا من قاتل على ظهور الحيل، وَطَاعَنَ بِالرُّمْحِ، وَضَارَبَ بِالسَّيْفِ، وَحَازَ الْغَنِيمَةَ. فَذَكَرَتْ أم كجة ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَاهُمَا، فَقَالَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَلَدُهَا لَا يَرْكَبُ فَرَسًا، وَلَا يَحْمِلُ كَلًّا وَلَا يَنْكَأُ عَدُوًّا. فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: (انْصَرِفَا حَتَّى أَنْظُرَ مَا يُحْدِثُ اللَّهُ لِي فِيهِنَّ). فَأَنْزَلَ اللَّهُ هَذِهِ الْآيَةَ " (۲)

ترجمہ: یہ آیت ایک صحابی اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ ان کا انتقال ہوا انھوں نے پسماندگان میں ایک بیوی ام کجہ اور تین لڑکیاں چھوڑیں، سوید اور عرفجہ جو میت کے چچا کے بیٹے اور وصی تھے کل مال پر قابض ہو گئے نہ بیوی کو کچھ حصہ دیا اور نہ بیٹیوں کو، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں وہ لوگ نہ عورتوں کو میراث دیتے تھے اور نہ چھوٹی اولاد کو خواہ اولاد میں کوئی لڑکا ہی ہو تا صرف بالغ مردوں کو ہی میراث کا حصہ دیتے اور کہتے تھے کہ ہم صرف اسی کو دیں گے جو دشمن سے لڑے اور مالِ غنیمت لوٹے۔ ام کجہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! اوس بن ثابت کا انتقال ہو گیا اوس نے تین بیٹیاں پیچھے چھوڑیں اور میں اس کی بیوی ہوں اور

۱۔ سورۃ النساء: ۴/۷

۲۔ الجامع لأحكام القرآن المعروف تفسير القرطبي، ص: ۵/۴۶

میرے پاس اتنا بھی نہیں کہ میں لڑکیوں کو کھلا سکوں، لڑکیوں کے باپ نے اچھا خاصا مال چھوڑا ہے مگر وہ مال سوید اور عرفجہ کے قبضے میں ہے، انہوں نے نہ مجھے کچھ دیا نہ ہی میری بچیوں کو، بچیاں میرے پاس ہیں نہ ان کے کھانے کو کچھ ہے اور نہ پینے کو، رسول اللہ ﷺ نے سوید اور عرفجہ کو طلب فرمایا وہ بولے یا رسول اللہ ﷺ! اس عورت کی اولاد اس قابل نہیں کہ گھوڑے پر سوار ہو سکے، نہ دشمن سے لڑ سکتی ہے، آپ ﷺ کو شدید افسوس ہوا لیکن آپ ﷺ نے کوئی حکم صادر نہ فرمایا کیونکہ ابھی تک وراثت کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی زوجہ کو تسلی دے کر واپس لوٹا دیا کہ صبر کرو یہاں تک کہ اللہ کی جانب سے حکم آ جائے تو اللہ نے یہ آیت نازل کی۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کی طرف سے اس معاملے میں اس قدر احتیاط سے کام لینا اس کی نوعیت واہمیت کو واضح کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس حد تک احتیاط کا مظاہرہ فرمایا کہ یہ حکم (ترکے میں مرد وعورت دونوں کا حصہ ہے) آیتِ مذکورہ میں بیان ہو جانے کے باوجود خود ان کے حصوں کی تعیین نہیں کی بلکہ اس معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس حوالے سے بھی حکم نازل فرما دیا اور اس طرح اسلام میں پہلی میراث اسلامی قوانین کے مطابق تقسیم کی گئی۔

"اسْتُشْهِدَ سَعْدُ بْنُ الرَّبِيعِ وَتَرَكَ ابْنَتَيْنِ وَامْرَأَةً وَأَخًا، فَأَخَذَ/ الْأَخُ الْمَالَ كُلَّهُ، فَأَتَتِ الْمَرْأَةُ وَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدٍ، وَإِنَّ سَعْدًا قُتِلَ وَإِنَّ عَمَّهُمَا أَخَذَ مَالَهُمَا،فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: «ارْجِعِي فَلَعَلَّ اللَّهَ سَيَقْضِي فِيهِ» ثُمَّ إِنَّهَا عَادَتْ بَعْدَ مُدَّةٍ وَبَكَتْ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الآية، فَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّهُمَا وَقَالَ: «أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ، وَأَمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ،فَهَذَا أَوَّلُ مِيرَاثٍ قُسِمَ فِي الْإِسْلَامِ. "[1]

ترجمہ: سعد بن ربیع جنگ احد میں شہید ہوئے تو ان کے بھائی نے حسب دستور قدیم کل مال پر قبضہ کر لیا، زوجہ اور دو بیٹیاں محروم رہ گئیں۔ تو ان کی زوجہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ دونوں سعد کی بیٹیاں ہیں اور سعد مار دیئے گئے اور ان دونوں کے چچا نے ان کا مال لے لیا تو اس مرتبہ بھی آپ ﷺ نے سعد بن ربیع کی زوجہ کو یہ ارشاد فرما کر رخصت کر دیا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرما دیں گے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی، پس نبی ﷺ نے ان کے چچا کو بلایا اور فرمایا سعد کی بیٹیوں کو دو تہائی دو اور ان کی والدہ کو آٹھواں حصہ دو اور جو باقی بچ جائے وہ تمہارا ہے، یہ پہلی میراث تھی جو اسلام میں تقسیم ہوئی۔

لمحۂ فکریہ، یہ ہے کہ جب سرورِ کائنات محبوبِ خدا ﷺ قوانینِ میراث کے لیے خالقِ کائنات کے حکم کے منتظر رہے تو ہم گناہگار کس طرح منقولہ و غیر منقولہ کی تفریق کرکے مرد و عورت کے حصوں میں دخل اندازی کی جسارت کر

۱۔ التفسیر الکبیر، ص:۹/۵۰۹

سکتے ہیں۔ جہاں تک جائیداد کے منتشر ہونے کا تعلق ہے تو اسلام اس بات کا قائل ہی نہیں کہ کوئی جائیداد ایک ہی جگہ متحدہ شکل میں باقی رہے جس کی وجہ سے دولت ایک ہی جگہ سمٹی رہے۔ شریعت دولت کے منجمند ہونے کو نہیں بلکہ پھیلنے کو پسند کرتی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ:

﴿مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾(۱)

ترجمہ: جو (مال) بھی اللہ تعالیٰ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے، وہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ دولت تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے، جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں روک دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں صراحت فرمادی گئی کہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ مال صرف مالداروں کے درمیان ہی گردش کرتا رہے بلکہ دولت کا پھیلاؤ ہی اس کی منشا ہے اور دولت کا پھیلاؤ اور اس کا ٹکڑے ٹکڑے ہوکر دوسروں کے ہاتھوں میں پہنچنا ہی اسلام میں پسندیدہ اور قابل ستائش ہے۔ میراث کی تقسیم بھی انہی وسائل و ذرائع میں سے ہے جس سے اسلام کا یہ قانون نافذ ہوتا ہے لہٰذا یہ عذر بھی بے معنی اور قطعاً غلط ہے کہ خواتین کو ان کے حقِ میراث سے محروم کرکے موروثی جائیداد کو ٹکڑوں میں بٹنے سے بچانا مقصود ہے کیونکہ اسلام کا تو مدعا ہی دولت کا گردش کرنا اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کا اس سے منتفع و مستفید ہونا ہے۔

الغرض مسلم معاشرے میں یہ چلن عام ہے کہ بہنوں کو کمزور سمجھتے ہوئے انھیں وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا۔ بعض بھائی تو یہ دلیل اور عذر پیش کرتے ہیں کہ بہن نے ترکے میں سے اپنا حصہ نہیں مانگا اس لیے اسے جائیداد میں سے حصہ نہ دینے میں کوئی قباحت نہیں اور بعض حضرات کی یہ دلیل ہوتی ہے کہ انھوں نے بہن کی پرورش میں ہاتھ بٹایا ہے اور اس کی شادی کے اخراجات برداشت کیے ہیں اس لیے بہن کا میراث میں سے حصہ ختم ہوگیا حالانکہ اس قسم کے دلائل لغو ہیں۔ ان معاشرتی اعتراضات کو اگر عذر لنگ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا جن کو بہانہ بنا کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نافذ کردہ احکامِ میراث کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ اس قسم کے دلائل و بہانوں سے انسان اپنے دل کو تو مطمئن کرسکتا ہے مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔

۱۔ سورۃ الحشر: ۵۹/ ۷

پاکستان میں خواتین کو درپیش وراثتی مسائل

عہدِ حاضر کے مسلمان اسلام و قانون میں خواتین کے حق وراثت، حق جائیداد اور حق ملکیت کو تسلیم کرتے ہیں مگر مقام افسوس یہ ہے کہ عملی صورتحال اس سے قدرے مختلف ہے۔ پاکستان میں خواتین سے عدل وانصاف نہیں کیا جاتا انھیں حق میراث سے محروم رکھنے کے لیے اور جائیداد کا مالک بننے سے روکنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اور حربے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ تاجر برادری میں عام طریقہ ہے کہ بیٹوں کو باپ کے کاروبار میں شریک دار بنالیا جاتا ہے کوشش یہی رہتی ہے کہ کاروبار اور کارخانے تو اولادِ نرینہ کو ملیں، رہیں بیٹیاں تو ان کو جہیز دے دو۔ زمین، املاک اور دوسرے اثاثے جائیداد کے مالکوں کی زندگی ہی میں اولادِ نرینہ کو منتقل کر دیے جاتے ہیں۔ خاص کر زرعی اراضی سوائے اس کے کہ حالیہ زرعی اصلاحات میں زیادہ سے زیادہ زمین کی ملکیت کی ایک حد مقرر کی گئی ہے اور اس سے بڑی بڑی اراضی والے خاندان کی عورتوں کو فائدہ پہنچا ہے۔ سرکاری حد سے زیادہ زرعی زمینوں کو حکومت کے حوالے کرنے سے بچانے کے لیے ان کو خاندان کی عورتوں کے نام کر دیا جاتا ہے۔ (۱)

جاگیردار اور زمین دار تو حیلے بہانے سے اپنی بیٹیوں کی شادیاں خاندان سے باہر کرتے ہی نہیں کہ اس طرح سے کہیں جائیداد خاندان سے باہر نہ چلی جائے اور پھر ان کی دیکھا دیکھی عام لوگوں نے بھی بیٹیوں اور بہنوں کو وراثت سے محروم کرنا شروع کر دیا ہے۔ (۲)

غرضیکہ عہد حاضر کے مسلمانوں نے خواتین کو حق وراثت سے محروم رکھنے کے لیے یہود کی طرح خاندان سے باہر ان کی شادی نہ کرنے کا حیلہ اپنالیا ہے اور اسلامی تعلیمات و قوانین کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ ظلم کی انتہا یہ ہے کہ انھیں شادی کرنے سے بھی محروم کر دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حقدار کو اس کا حق دینے کا حکم دیا ہے۔

پنجاب اور سندھ کے شہروں میں تو جہیز کے نام پر باپ نے جو الگ سے ان کے لیے انتظام کیا ہوتا ہے وہ جائیداد کے مقابلے میں انہیں شادی کے موقع پر ہی دے دیا جاتا ہے خاص طور پر اچھی اردو بولنے والے خاندانوں میں بھاری جہیز وراثت کے نام پر ہی دیئے جاتے ہیں۔ پھر ان صوبوں میں "حق بخشوانا"، لڑکیوں کی شادی نہ کرنا اور قرآن سے شادی کر دینا تاکہ جائیداد خاندان سے باہر نہ جائے بہت عام ہے۔ بعض اوقات جائیداد کی وجہ سے عورتوں کو خفیہ طور پر قتل بھی کر دیا جاتا ہے۔ (۳)

ایک مقامی اخبار کے مطابق صرف ایک ہی دن میں صوبہ سندھ کے علاقے خیرپور ناتھن شاہ میں جائیداد کی وجہ

۱۔ پاکستانی عورت کی سماجی و قانونی حیثیت، ص:۲۷۰

۲۔ مسلمان عورت اور یورپی سازشیں میڈیا سروسز، ص:۱۹

۳۔ اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، محبت حسین اعوان، مکتبہ بخاری گلستان کالونی کراچی، اکتوبر، ۲۰۰۲ء، ص:۸۶

سے شوہر نے بیوی کا سر تن سے جدا کر دیا۔ سکرنڈ میں جائیداد کے لیے عورت کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ گوٹ ماڑی لاشاری میں جائیداد ہتھیانے کے لیے ایک لاشاری نامی شخص نے اپنی ایک خاتون رشتہ دار پروین پر فائرنگ کر کے اسے ہلاک کر دیا۔ [۱]

علاوہ ازیں قرآن سے شادی جیسا مکروہ فعل مقدس اور متبرک خیال کیا جاتا ہے۔ اس فعل کی آڑ میں جاگیر دار اور وڈیرے لڑکیوں کو قرآن پاک سے بیاہ دیتے ہیں اور اس شادی کے نام پر لڑکی سے نکاح کا حق بخشوا لیتے ہیں اور پھر ساری عمر وہ راہبہ کے طرز کی تنہائی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس سندھ میں تھر کے علاقے میں اگر کوئی شخص بیٹیاں چھوڑ کر مر جائے تو عموماً بیٹیاں اس کی جائیداد کی مالک بن جاتی ہیں۔ کینجھر جھیل کے علاقے میں لوگ یہ بات اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ جن لڑکیوں کے بھائی نہ ہوں وہ مکمل جائیداد کی وارث بن سکتی ہیں۔ [۲]

صوبہ خیبر پختونخوا میں تو لڑکوں کی موجودگی میں عورتیں زمین کی وارث نہیں بن سکتیں اور باپ کی طرف سے بیٹیوں کے لیے غیر منقولہ جائیداد حاصل کرنے کا کوئی رواج نہیں ہے۔ پھر بیواؤں کے لیے الگ سے وراثت کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ عموماً انہیں جائیداد میں وارث کی حیثیت سے قبول نہیں کیا جاتا۔ [۳]

پنجاب میں خصوصاً عورتوں کو زمین کی ملکیت میں حصہ نہیں دیا جاتا۔ صرف مرد ہی وراثت کے حقدار ہوتے ہیں عملاً لڑکی سے کہا جاتا ہے کہ وہ لکھ کر دے دے کہ وہ وراثت کی دعویدار نہیں ہے اس کا حصہ اس کے بھائی کو دے دیا جائے۔ زمین کے معاملات میں عورت کو دھوکہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بھائی اپنی بہنوں کو کچھ رقم اور دوسرے اثاثے دے دیتے ہیں جن کی قیمت ان کے اصل حق وراثت سے کہیں کم ہوتی ہے۔ عموماً شادی شدہ لڑکی کو کبھی علیحدہ سے حصہ نہیں ملتا اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ مال واسباب اس کے شوہر اور سسرال والوں کے لیے ہی نفع بخش ہو گا۔

مشاہدے میں آیا ہے کہ لڑکی کو شادی کرتے وقت مال منقولہ تو دے دیا جاتا ہے، غیر منقولہ جائیداد کوئی شاذونادر ہی دیتا ہے۔ جب تک کہ تقسیم کے وقت لڑکی اپنے حق کے لیے دعویٰ کر کے حتی المقدور شدومد سے اس دعوے کی پیروی نہ کرے گویا حصہ بقدر جثہ کے بمصداق عورت متعلقہ جائیداد میں سے بزور ہی وصول کر سکتی ہے۔ [۴]

زمیندار لوگ حصہ دینے سے بچنے کے لیے زمین کو تقسیم در تقسیم ہونے سے بچانے کا عذر پیش کرتے ہیں اور

۱۔ روزنامہ "جنگ" کراچی: ۲۶ اگست ۱۹۹۹ء

۲۔ پاکستانی عورت کے معاشی مسائل اور کردار، ص: ۱۱۵

۳۔ اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، ص: ۸۶

۴۔ پنجاب کی عورت، ارشاد احمد پنجابی، ادارہ تحقیقات پاکستان، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص: ۱۵۱

جدی پشتی طریقۂ تقسیم پر اصرار کرتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کے قانون وراثت کا مدعا و مقصد یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں گردش نہ کرتی رہے بلکہ اس کو میت کے نزدیک و دور کے رشتہ داروں میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق تقسیم کر دیا جائے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

صوبہ بلوچستان میں ہزارہ جاتوں اور نو آباد لوگوں میں لڑکیوں کو جائیداد میں حصہ دیا جاتا ہے لیکن اس کا تمام کنٹرول چچاؤں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ پھر ان علاقوں میں عورتیں باپ کی جائیداد میں حصہ لے سکتی ہیں لیکن عملاً سماج اسے قبول نہیں کرتا تو اسے اپنے حصے سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ بیواؤں کی جائیداد ہتھیانے کے لیے انہیں سسرال میں ہی کسی سے دوبارہ شادی کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔[۱]

عورت کو میراث کے حق سے محروم رکھنے کے لیے کئی مرد بستر مرگ پر انھیں طلاق دے جاتے ہیں۔ اکثر اوقات خواتین کو ان کے حق میراث سے محروم کرنے کے لیے ان پر شوہر کے قتل کا جھوٹا الزام بھی لگا دیا جاتا ہے۔ اسلامی قانون وراثت کے مطابق میت کی تجہیز و تدفین اور وصیت کو پورا کرنے کے بعد سب سے پہلے بیوہ کے حق مہر کی ادائیگی ہونی چاہیے مگر عام طور پر ایسا نہیں کیا جاتا بلکہ مہر کی ادائیگی کو کوئی اہمیت و وقعت نہیں دی جاتی اور بیوہ کو اپنے اس قانونی حق سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔

پاکستان میں رسم و رواج کی آڑ میں خواتین کے حق وراثت کو ہڑپ کرنے کے لیے مختلف حیلے تراشے جاتے ہیں۔ جاگیردار گھرانوں میں لڑکیوں کی شادیاں چچا یا تایازاد بھائیوں سے کی جاتی ہیں تاکہ وراثت کے ذریعے ان کی زمینیں خاندان سے باہر نہ جا سکیں۔ جن گھرانوں میں خواتین کو جائیداد کا حق دیا بھی جا رہا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اگر لڑکی شادی سے انکار کر دے اور ساری عمر یونہی گزارنے کا وعدہ کر لے تو پھر اسے جائیداد دے دی جاتی ہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد جائیداد واپس خاندان میں آجائے۔

سپریم کورٹ آف پاکستان نے قرار دیا کہ بہنوں کو وراثت میں حصہ نہ دینا ہمارا معاشرتی المیہ ہے۔ مرد ورثاء مختلف طریقوں سے ان کی جائیداد اپنے نام کروالیتے ہیں۔[۲]

خواتین کی بہت کم تعداد ہے جہاں جائیداد ان کے نام ہو اگر کہیں کسی خاتون کے نام جائیداد نظر آتی ہے تو اس کے پس پردہ کچھ اور مقاصد ہوتے ہیں۔ کبھی ٹیکس سے بچنے کے لیے، کبھی کسی فراڈ پر پردہ ڈالنے کے لیے، جائیداد بیوی کے یا بیٹی کے نام کر دی جاتی ہے لیکن اس پر عورت کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

بینک اکاؤنٹس بھی بہت کم عورتوں کے پاس ہوتے ہیں۔ اکثر رشتوں کے نام پر عورتوں کو بلیک میل کیا جاتا ہے

۱۔ اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، ص:۸۷

۲۔ روزنامہ "پاکستان"، ۷ فروری، ۲۰۰۶ء

اگر کوئی عورت اپنی جائیداد کا حصہ لینے کا اعلان کر دے تو اکثر اس سے قطع تعلق کر لیا جاتا ہے۔ جائیداد حاصل کرنے کا مطالبہ بھی عورت کی طرف سے نہیں بلکہ اس کے سسرالی رشتہ داروں کی طرف سے دباؤ کی وجہ سے ہوتا ہے عموماً جائیداد کی خرید و فروخت اور منتقلی میں عورت کا عملی دخل نظر نہیں آتا۔ اگر کسی عورت کو جائیداد میں کافی زیادہ حصہ ملتا ہے تو شادی کی صورت میں شوہر اس پر قابض ہو جاتا ہے۔ (۱)

پاکستان میں ۱۹۶۲ء کے قانونِ شخصی میں پہلی مرتبہ کھلے لفظوں میں عورتوں کے لیے وراثت کے اسلامی حقوق قانوناً قابل حصول اور قابل نفاذ قرار دیے گئے لیکن رواج کو اس کے مضبوط مورچے سے آسانی سے نہیں نکالا جا سکتا۔

عملاً اگر عورتوں کے حقوق کا تجزیہ کیا جائے تو عہدِ نبوی اور دور خلفاء راشدین میں خواتین اپنے حقوق سے پوری طرح متمتع ہوئیں۔ آہستہ آہستہ اسلام کے دیگر احکام کی طرح خواتین کے حقوق اور مراعات پر بھی زد پڑی اور دوبارہ عورت پر وہ حالات عود کر آنا شروع ہو گئے جو اسلام سے پہلے تھے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عورت کو مسلم معاشرے میں بہت احترام و شرف ملا لیکن شاہی طبقے اور چند خاص طبقوں کو چھوڑ کر عام خاتون جہالت کی زندگی گزارنے پر مجبور رہے۔ برصغیر کی خاتون کی حالت تو ہندو معاشرے کے زیر اثر اور بھی بری ہو گئی ہے۔ لہذا بیوی ہو یا بہن عملاً وراثت سے محروم کر دی گئی ہے۔

پروفیسر ثریا بتول علوی لکھتی ہیں:

"عملاً عورت کا حق وراثت آج کل بعض مسلم معاشروں میں بری طرح پامال ہو رہا ہے خصوصاً برصغیر پاک و ہند میں مختلف حیلوں اور بہانوں سے عورت کو شرعی حق وراثت سے محروم رکھنے کی وبا روز افزوں ہے۔ عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ عورتوں کو جہیز میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ وراثت کا بدل ہی تو ہے۔ جب انہوں نے لمبے چوڑے جہیز لے لیے تو وراثت میں ان کا کچھ بھی حصہ باقی نہیں رہتا" (۲)

خواتین کو ان کے حقِ وراثت سے محروم رکھے جانے کے کئی عوامل ہیں جن میں سے ایک اہم سبب اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور جواب دہی کے خوف کا فقدان ہے اور دوسری وجہ معاشرے میں جاہلانہ رسم و رواج کا فروغ ہے جس کے سبب مختلف طریقوں اور حیلوں سے لڑکیوں کو ان کے حقوق سے محروم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تیسرا سبب مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین میں بھی وراثت کے قوانین کے متعلق بے خبری اور لاعلمی ہے۔ تعلیم کے فقدان کے باعث اکثر لوگوں کو اور بالخصوص خواتین کو ترکے کی تقسیم کے حوالے سے اسلامی قوانین کے بارے میں علم ہی نہیں ہے اور وہ اپنے شرعی حق سے آگاہ ہی نہیں ہیں اور ان کی اسی لاعلمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مفاد پرست عناصر انہیں ان کے جائز حق سے

۱۔ عورت کا المیہ، فاخرہ تحریم، ص:۱۳۶

۲۔ جدید تحریک نسواں اور اسلام، ص:۳۰۴

محروم کر دیتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خود کو متقی و پرہیز گار سمجھنے والے مسلم معاشرے کے ۹۰ فیصد افراد اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے حصے کی جائیداد کو بڑی دیدہ دلیری سے ہڑپ کر جاتے ہیں اور انہیں ایک بار بھی شاید یہ خیال نہیں آتا کہ وہ خواتین کو ان کے شرعی حق سے محروم کر کے اللہ تعالیٰ کی صریح نافرمانی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اس جرم کی پاداش میں وہ روزِ آخرت بارگاہ الٰہی میں پکڑے جائیں گے اور پھر ان کے لیے کوئی جائے مفر نہ ہو گی۔

حاصلِ کلام

مقالہ ہٰذا میں اسلام ویہودیت کے تقابلی جائزہ سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ اسلام دینِ عدل ومساوات ہے جس میں واضح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ:

﴿اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾[1]

ترجمہ:عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

اسلام عقائد سے لے کر معاشرت کے ہر پہلو کے بارے میں عدل وانصاف کا درس دیتا ہے۔اس کے عدل پر مبنی عالمگیر قوانین کی نظیر کسی اور مذہب اور تہذیب میں نہیں ملتی۔معاشرتی معاملات میں سے ایک بنیادی معاملہ قانونِ وراثت کا بھی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے جو نظامِ وراثت پیش کیا ہے یہ مکمل طور پر ایسے عدل پر مشتمل ہے جس سے دنیا کے دیگر تمام مذاہب محروم ہیں۔

اسلام ہی حقوقِ نسواں کا حقیقی علمبردار ہے جس نے عورت کو ذلت ونکبت کے تحت الثریٰ سے اٹھا کر عظمت ورفعت کے بامِ ثریا پر رونق افروز کر دیا۔سچ تو یہ ہے کہ اسلام نے خواتین کو جس قدر حقوق دیئے ہیں،کوئی دوسرا مذہب اس کا عشرِ عشیر بھی پیش کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔دورِ جاہلیت کے عرب تو رہے ایک طرف،یہودیت جیسے قدیم مذہب میں بھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ عورت بھی صاحبِ حیثیت اور مالکِ جائیداد ہو سکتی ہے مگر اسلام نے میراث میں خواتین کو مختلف حیثیتوں سے وراثت کا نا صرف حقدار ٹھہرایا ہے بلکہ لڑکیوں کے حصے کو اصل قرار دے کر اس کے اعتبار سے لڑکوں کا حصہ بتایا جو اسلام میں خواتین کی قدر و منزلت کی واضح دلیل ہے۔

میراث سے مراد وہ ترکہ ہے جو کسی کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کو ملتا ہے۔کسی مرد یا عورت کے انتقال کے وقت اس کی ملکیت میں جو مال وجائیداد،نقد روپیہ اور استعمال کا ساز وسامان ہوتا ہے خواہ زیادہ ہو یا کم سب ترکے کے زمرے میں داخل ہے۔میراث کے لیے وراثت کا لفظ بھی مستعمل ہے اور وراثت کا علم،علم المیراث کہلاتا ہے اور اسے علم الفرائض کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ میت کے ورثاء کے حصے اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کر دیئے ہیں جن کی ادائیگی فرض قرار دی گئی ہے۔وراثت اصولی معاملہ ہے اس لیے اس کے احکام بھی صریح ہیں۔وراثت کا تعلق اسلام کے ان احکام سے ہے جو قرآن وسنت میں صراحتاً بیان کیے گئے ہیں۔یہ علم بہت اہم اور پیچیدہ ہے یہی وجہ ہے یہ علم محض عقلی نہیں بلکہ نصوص سے بھی ثابت ہے۔علم المیراث کے ذریعے وارث ،میت کے ترکے میں اپنے حق کو پہچان لیتا ہے۔قرآنِ حمید سے بھی یہ ثابت شدہ ہے کہ ورثاء کے حصوں کی تقسیم من جانب اللہ ہے اور اس کی مصلحتوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔اس لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان حصص کی تقسیم خود ہی فرما دی تاکہ کوئی شخص کسی رشتۂ طبعی

۱۔ سورۃ المائدہ:۵/۸

کی محبت سے مغلوب ہو کر کسی دوسرے کا حق نہ مار سکے۔ شریعتِ اسلامیہ میں اہم ورثاء کے حصے واجب اور قطعی قرار دے دیئے گئے ہیں۔ کسی کے لیے ان کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔

میراث کے سلسلے میں ایک اہم حق سے اسلام نے خواتین کو نوازا ہے کہ انھیں بھی مردوں کی طرح وراثت میں حصہ دار قرار دیا اور ان کو بحیثیت ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے میت کے ترکے میں حقِ وراثت عطا کیا ہے۔ تمام شریعتیں اور قوانین اللہ تعالیٰ کی جانب سے وضع کردہ ہیں اور انسان اپنے معاملاتِ حیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اس لیے حکم ہوا کہ اپنے ترکے ومال کی تقسیم بھی حکمِ الٰہی کے مطابق کریں۔ قوانینِ میراث میں مرد وعورت کے حصوں کے مابین جو فرق روا رکھا گیا ہے اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اسلام نے مرد کو عورت پر فوقیت دی ہے بلکہ اس تقسیم کا مقصد مرد وعورت کی ذمہ داریوں میں توازن پیدا کرنا ہے۔ اسلامی نظامِ معاشرت میں مرد کو عورت کے مقابلے میں تقریباً مکمل معاملاتِ معیشت کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے جس کی وجہ سے میراث میں اس کے اور عورت کے حصوں کے تناسب میں فرق نظر آتا ہے۔ اس کے برعکس عورت پر کسی قسم کی کوئی معاشی ذمہ داری عائد نہیں کی گئی یہاں تک کہ عورت کو اپنی ذمہ داری اٹھانے کا بھی مکلف نہیں بنایا گیا اور اس کی کفالت کی ذمہ داری بھی اس کے قریبی مردوں اور رشتہ داروں کے ذمہ ہے۔ اس کے باوجود ترکے میں لڑکیوں کے حصے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے جو اس بات کی مظہر ہے کہ اسلام انسان کو بحیثیت انسان ہی مد نظر رکھتا ہے اور مردوں کی طرح خواتین کو بھی ان کے حقوق عطا کرتا ہے اور ان کے حقِ وراثت پر غاصبانہ قبضہ کرنے والوں کو دردناک عذاب کی وعید سناتا ہے۔

اس کے برعکس یہودیت جو کہ وہ دین وشریعت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا، چونکہ یہ ایک عالمگیر اور دائمی دین نہیں تھا لہٰذا اس میں موجود قوانین وضوابط کا تعلق بھی ایک خاص وقت سے تھا، مزید براں یہ کہ آج دینِ موسوی اپنی اصلی حالت میں موجود بھی نہیں ہے کیونکہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں بہت زیادہ تحریفات ہو چکی ہیں اور یہود کی اس بد خصلت (احکامِ الٰہی میں تحریف کرنا) کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ حمید میں بھی بیان فرمایا ہے۔ اسی لیے عہد نامہ قدیم کے مطابق یہودیت جو نظامِ وراثت دے رہی ہے وہ غیر عادلانہ اور نامکمل ہے اور اس میں بیٹیوں کو بیٹے کی موجودگی میں وراثت میں سے کچھ نہیں ملتا، یعنی صرف بیٹا وارث بن سکتا ہے اور اس میں بھی ناانصافی یہ ہے کہ بڑے بیٹے کو دگنا حصہ ملے گا البتہ بیٹے کی غیر موجودگی میں (یعنی اگر بیٹا نہ ہو) تو بیٹی وراثت کی حقدار ہوگی اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ خاندان وقبیلے سے باہر شادی نہ کرے، بصورت دیگر اسے ترکے میں سے کچھ نہیں ملے گا اور خاندان کی باقی خواتین (ماں، بہن، بیوی) کو تو وراثت بالکل نہیں ملتی۔ جبکہ اسلام خواتین کو ہر حیثیت میں میت کے ترکے میں حصے دار ٹھہراتا ہے چاہے وہ ماں ہے، بہن ہے، بیٹی ہے یا بیوی ہے۔ اسلامی قانون میراث ہی وہ قاعدہ اور ضابطہ ہے جس کے تحت اسلام نے عورتوں کو آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے ان کے حقوق سے نوازا، ان کے حقوق کی حفاظت کی اور حقیقی

معنوں میں انہیں باعزت اور قابل احترام زندگی دی اور انہیں آزادی وخود مختاری عطا کی۔

شومئ قسمت عہدِ حاضر کے مسلمانوں نے بھی یہود کی طرح دنیاوی منفعت کے حصول کے لیے احکامِ الٰہی کو پس پشت ڈال دیا ہے اور خواتین کو ان کے حقِ میراث سے محروم کر کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صریح نافرمانی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور مختلف حیلوں اور بہانوں سے بہنوں، بیٹیوں، ماؤں اور بیواؤں کے حصے کے ترکے پر قابض ہو کر ظلم وزیادتی کا ارتکاب کر رہے ہیں، خود بھی حرام کھا رہے ہیں اور اپنی اولادوں کو بھی حرام مال سے پروان چڑھا رہے ہیں اور غضبِ الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں۔ جس کا سبب مسلمانوں میں خشیتِ الٰہی کا فقدان، قوانینِ میراث سے لاعلمی اور ہندو تہذیب کے اثرات ہیں۔ معاشرتی دباؤ میں آکر خواتین کی اکثریت بھائیوں کے حق میں اپنے حصے سے دستبردار ہو جاتی ہے یا پھر یہ سمجھ کر کہ بہنوں کو ان کا حصہ دینے کا خاندان، قبیلے اور معاشرے میں رواج ہی نہیں ہے، بادل نخواستہ شرما شرمی اپنا حصہ معاف کر دیتی ہے کہ حصہ ملنے والا تو ہے نہیں تو خوامخواہ کیوں بھائیوں کی ناراضی اور برائی مول لیں۔ ایسی معافی شرعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور میراث میں بہنوں کا حق باقی رہتا ہے اور ان کے حق پر حیلوں، بہانوں سے قبضہ کرنے والا اور ان کا حق زبردستی دبانے والا گنہگار ہے اور اس سے آخرت میں اس ظلم کا مؤاخذہ لیا جائے گا۔ کیونکہ مسئلۂ میراث کوئی خواہشِ نفس اور دنیاوی مفادات کا مسئلہ نہیں، بلکہ دراصل یہ دین وشریعت کا مسئلہ ہے اس لیے یہ حق بھی خالقِ کائنات کا ہے کہ وہ میراث کے حصوں کا تعین وتقرر فرمادے اور اس کا قانون وضع فرمادے کیونکہ مخلوق کو یہ حق ہی حاصل نہیں کہ وہ احکامِ الٰہی کی موجودگی میں اپنے لیے کوئی قانون بنائیں، اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کریں اور اپنی مصالح سے ناآشنا ہونے کے باوجود اپنے لیے خود اصول وضوابط بنائیں۔ اللہ تعالیٰ کے تمام فیصلے اٹل ہیں کیونکہ اللہ رب العزت کے جملہ احکام علم وحکمت پر مبنی ہیں جن تک عقلِ انسانی کو رسائی حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ احکامِ میراث کو قرآن مجید میں بیان کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے صریح الفاظ میں بیان فرما دیا کہ میراث میں کن رشتہ داروں کو حصہ دیا جانا قرینِ مصلحت ہے یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور انسان کو اس بات کا علم نہیں کہ کون اس کے لیے زیادہ نفع مند ہے۔ اس لیے احکامِ الٰہی کی بجاآوری اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہی انسان کی دنیاوی واخروی فلاح ہے۔

الغرض اسلامی نظامِ زندگی میں میراث کی تقسیم ایک اہم فریضہ ہے۔ اس سے دولت نا صرف حقیقی مستحقین تک پہنچتی ہے بلکہ ان خرابیوں کا سدِ باب ہوتا ہے جو دولت وجائیداد کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں اس سے متعلق تفصیلی احکامات نازل فرمائے اور نافرمانی کی صورت میں بھیانک عذاب کی وعید بھی سنا دی۔ باپ کے مال میں بیٹیوں کا حق نصِ قرآنی سے ثابت ہے جسے کوئی ختم نہیں کر سکتا۔ اسلام نے وراثت میں خواتین کو حصہ دار بنا کر انہیں مالی ومعاشی طور پر مضبوط کرنے کا بندوبست کیا اور ہر رشتے میں انہیں تحفظ فراہم کیا تاکہ وہ خود کو غیر محفوظ نہ سمجھیں۔ اسلام کا خواتین کے حصص کو واضح طور پر بیان کر دینے کا مقصد یہ ہے کہ کوئی ان کے حقوق کو پامال نہ

کر سکے کیونکہ جسمانی کمزوریوں کی وجہ سے وہ مرد سے طاقت کے ذریعے اپنا حصہ وصول کرنے سے قاصر ہیں۔اسی وجہ سے عورت ہر دور اور تہذیب میں اپنے حقوق سے محروم رہی ہے۔شریعتِ اسلامیہ نے خود اس کے حصص بیان فرما کر اس دیرینہ ناانصافی اور محرومی کا سدِباب کر دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قوانینِ وراثت کی حکم عدولی کو اللہ تعالیٰ کے قوانین کی حکم عدولی قرار دیا گیا ہے۔لہٰذا عہدِ حاضر کے مسلمانوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صریح نافرمانی سے اجتناب کرنا چاہیے اور خواتین کو ان کا حقِ میراث اسلامی قانونِ وراثت کے مطابق ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ کے روبرو شرمندہ ہونے سے بچ سکیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت کے سزاوار ہو سکیں اور آخرت کی ابدی نعمتوں سے سرفراز ہو سکیں۔

نتائج

اور

سفارشات

نتائج

اس تحقیقی وتقابلی مقالہ سے مندرجہ ذیل نتائج مستنبط ہوتے ہیں۔

۱. قرآن کریم میں ورثاء کے حصص کا اللہ تبارک وتعالیٰ کا صراحتاً بیان کرنا اور ورثاء کے حق کو غصب کرنے والے کو دردناک عذاب کی وعید سنانا معاشرتی زندگی میں علم میراث کی اہمیت کی واضح دلیل ہے۔

۲. اسلامی قانون وراثت عدل وانصاف پر مبنی ہیں یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام نے خواتین کو مختلف حیثیتوں (ماں، بہن، بیٹی، بیوی وغیرہ) سے میراث کا حقدار ٹھہرایا ہے اور میراث کی تقسیم کے لیے لڑکی کے حصے کو پیمانہ بنا کر خواتین کو معاشرے میں قدر ومنزلت، عزت وتکریم اور وقار عطا کیا ہے۔ اسلام کے برعکس یہودیت کا نظام وراثت غیر عادلانہ اور نامکمل ہے۔ کتاب مقدس کے احکام تحریفات کی نظر ہو چکے ہیں اور اس نظام وراثت میں عورت حق میراث سے محروم دکھائی دیتی ہے سوائے چند مشروط صورتوں کے۔

۳. اسلامی قانون میراث میں مرد وعورت کے حصے میں تناسب کا فرق ان کی ذمہ داریوں میں توازن پیدا کرنے کے لیے ہے۔ دین اسلام میں عورت کو اپنی ذمہ داری اٹھانے کا مکلف نہیں بنایا گیا اور اس کی کفالت کا ذمہ دار اس کے قریبی مردوں اور رشتہ داروں کو ٹھہرایا گیا ہے اور اسی ذمہ داری کے پیشِ نظر مرد کو دگنا حصہ دیا گیا ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں خواتین کو مردوں سے دگنا حصہ ملتا ہے۔ لہٰذا مستشرقین کا اعتراض لغو اور بے بنیاد ہے۔ اور ان کے اس پروپیگنڈے کا مقصد شکوک وشبہات کو جنم دینا اور لوگوں کو دین اسلام سے متنفر کرنا ہے۔ جبکہ یہودیت میں تو عورت کے حصے کی سرے سے تعیین ہی نہیں کی گئی۔

۴. میراث کی درست تقسیم ایک اہم فریضہ ہے کیونکہ اس کی بدولت دولت حقیقی ورثاء تک پہنچتی ہے اور یوں دولت وجائیداد کی حرص ولالچ کی وجہ سے پیدا ہونے والی معاشرتی برائیوں کا سدباب ہو جاتا ہے۔ اور دولت معاشرے میں گردش کرتی رہتی ہے جس کی وجہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے متنفع ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اس کے برعکس یہودیت میں دولت ایک ہی خاندان میں نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہے جس وجہ سے عام الناس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

۵. اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں ہی انسان کی دنیادی واخروی فلاح ہے۔ لہٰذا میراث کو احکام الٰہی کے مطابق تقسیم کرنا ضروری ہے۔ باپ کے مال میں بیٹیوں کا حق نصِ قرآنی سے ثابت ہے جسے کوئی بشر ختم کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اس لیے حیلوں، بہانوں سے خواتین کے حصے کو غصب کرنے سے اجتناب برتنے میں ہی بھلائی ہے۔ دور حاضر کے مسلمانوں نے یہودیوں کی روش اختیار کرتے ہوئے، دنیاوی جاہ وحشمت کی حرص میں مبتلا ہو کر اسلامی قانون وراثت سے پہلو تہی اور غفلت برتنا شروع کر دی ہے۔ نتیجتاً خواتین کو ان کے حقِ میراث سے محروم کرنا معمول بن گیا

ہے۔جس کی وجہ سے معاشرے میں عداوت و نفرت،حسد وکینہ،ظلم وستم،خاندانی رقابت اور حق تلفی جیسی برائیوں نے اپنے قدم جمالیے ہیں اور معاشرہ انتشار کا شکار ہو گیا ہے۔

۶. یہودیت میں عورت کو مرد کے برابر حقوق دینا تو کجا اسے معصیتِ اول کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے شوہر کا محکوم رکھا گیا ہے اور اسے خاوند کی مملوکہ قرار دیا گیا ہے۔جبکہ اسلام میں خواتین کو حق وراثت عطا کر کے اس کی انسانی اہمیت ووقار کو واضح کیا گیا ہے اور اپنے حصے کی اسے کلی ملکیت دی گئی ہے کہ جیسے چاہے اس میں تصرف کرے۔

۷. یہودیت میں بیوہ کو کسی صورت حق وراثت نہیں ملتا جبکہ اسلام بیوہ کو حق میراث دے کر اس کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور اسے معاشی تحفظ دیتا ہے۔

۸. اسلام ویہودیت کے قوانینِ وراثت کے تقابلی جائزے سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ دین اسلام ہی حقوق نسواں کا حقیقی علمبردار ہے جس نے خواتین کے حصوں کو وضاحت کے ساتھ بیان فرما کر ان کے حقوق کا تحفظ کیا ہے اور ان کے ساتھ ہونے والی قدیم ناانصافی و محرومی کا ازالہ کیا ہے جبکہ یہودیت میں یہ عدل وانصاف نہیں پایا جاتا لہٰذا اسلام ہی عالمگیر اور آفاقی مذہب ہے جو مرد وعورت میں مساوات اور عدل وانصاف کا قائل ہے یہی وجہ ہے کہ وہ خواتین کو بھی معاشرے میں پروقار مقام عطا کرتا ہے۔

غرضیکہ عصر حاضر کی اہم ضرورت ہے کہ میراث کے علم کو سیکھا اور سکھایا جائے تاکہ ورثاء کو اسلامی قانون وراثت کے مطابق ان کا شرعی حق دیا جاسکے اور معاشرے سے بے انصافی وانتشار کا خاتمہ کیا جاسکے۔

سفارشات

خواتین کے حق میراث کے حوالے سے عملی تجاویز و سفارشات

ہمارے معاشرے میں خواتین کو حق میراث کی ادائیگی کے سلسلے میں بہت سے اقدامات کو عملی جامہ پہنانے کی اشد ضرورت ہے۔ جیسا کہ:

۱. مالِ وراثت کی فوری تقسیم کو یقینی بنایا جائے۔یوں تو نظریاتی طور پر ہمارے ملک میں اسلامی قانونِ وراثت رائج ہے لیکن حکومت کو چاہیے کہ تقسیم وراثت میں قانون الٰہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر طبقے میں اس پر عمل درآمد کو عملی طور پر یقینی بنائے۔ ہر شہری کو اس بات کا پابند کیا کرے کہ کسی بھی فرد کی وفات کے فوراً بعد ترکے کو ورثاء میں تقسیم کیا جائے اور اس معاملے میں تاخیر پر سرزنش کی جائے۔

۲. خواتین کو ان کا حق میراث دلانے کے لیے قانون سازی کی جائے،خواتین کو ان کے حق وراثت سے محروم کرنے والوں کے خلاف مناسب چارہ جوئی کی جائے۔ سرکاری سطح پر میراث کی درست تقسیم کو یقینی بنایا جائے۔

۳. نصابِ تعلیم میں دیگر موضوعات کی طرح وراثت کے موضوع کو بھی شامل کیا جائے اور اس نقطہ کو خصوصی طور پر اجاگر کیا جائے کہ وراثت لڑکیوں کا شرعی حق ہے جس کی ادائیگی میں ہی اللہ تعالیٰ کی رضا، دنیاوی واخروی فلاح اور معاشرے کی سلامتی ہے۔ نیز یہ شعور پیدا کیا جائے کہ جہیز حق وراثت کا متبادل نہیں بلکہ وہ ایک عطیہ اور تحفہ ہے جس کی بنیاد پر لڑکیوں کو ان کے شرعی حق سے محروم کرنا درست نہیں۔ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اس حوالے سے خصوصی نشستوں کا اہتمام کیا جائے اور اس میں وراثت کی تقسیم کے متعلق اسلامی قانون وضوابط کو بیان کیا جائے اور خواتین کو ان کے شرعی حق سے آگاہ کیا جائے۔ بدقسمتی سے ہماری خواتین کو یہ معلوم ہی نہیں کہ ان کو بھی میراث میں اسلام نے حقدار ٹھہرایا ہے اور ان کی اس لاعلمی کا ہمارے معاشرے میں ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

۴. اخبار ورسائل و میڈیا اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے تقسیم میراث کی شرعی حیثیت واہمیت سے عوام الناس کو آگاہ کیا جائے اور ان میں خواتین کو ان کا حصہ دینے کے حوالے سے شعور پیدا کیا جائے۔ جہیز کی حکومتی سطح پر حوصلہ شکنی کی جائے اور اس کے برعکس عوام کو عورتوں کا حق وراثت ادا کرنے پر برانگیختہ کیا جائے۔

۵. بچوں کی تعلیم وتربیت اس نہج پر کی جائے کہ وہ شروع سے ہی دیگر اسلامی تعلیمات (نماز وروزہ وغیرہ) کی طرح وراثت اور اس کے ادائیگی کی اہمیت سے واقف ہوں۔ آج کی مسلم عورت کی بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے گھرانوں میں بچپن

سے ہی اسے بھائیوں کے حق میں عمدہ چیزوں سے دستبردار ہونا سکھایا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بھائیوں کے حق میں اپنے حق وراثت سے دستبرداری کو اپنا فرضِ عین سمجھتی ہے۔اس رویے کی حوصلہ شکنی کی اشد ضرورت ہے کیونکہ اسلام اولاد کے مابین مساوات اور عدل کا درس دیتا ہے اور اس حوالے سے بھی والدین اور بالخصوص خواتین میں شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ گھر میں بیٹوں اور بیٹیوں کے درمیان عدل اور مساوات کی فضا پیدا کریں اور انہیں ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا خوگر بنائیں۔

۶. خواتین کو ان کا حق وراثت دلوانے کے حوالے سے سب سے اہم ذمہ داری علماء پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے بیانات میں، نمازِ جمعہ کے خطبات میں قوانین وراثت، تقسیم وراثت اور خواتین کو ان کا حق وراثت ادا کرنے کی فضیلت اور ان کا حق تلف کرنے پر غضب الٰہی کی شدت سے آگاہ کریں اور خود بھی خواتین کو ان کے حق میراث کی ادائیگی کر کے عملی نمونہ بنیں۔عوام میں وراثت کے قوانین اور ترکہ کی تقسیم کے حوالے سے احکام وتعلیمات کو عام کریں۔

۷. یہ ایک خوش آئند امر ہے کہ موجودہ وزیر اعظم پاکستان نے قوم سے اپنے پہلے خطاب میں وراثت میں بیوہ خواتین کو ترکے میں اپنے حصے کے حصول کے لیے پیش آنے والی مشکلات کا ذکر کیا اور چیف جسٹس کو اس حوالے سے مؤثر اقدامات کرنے اور بیوہ خواتین کو زمینی مقدمات میں جلد از جلد انصاف فراہم کرنے کی تلقین کی۔ضرورت اس امر کی ہے کہ خواتین کو ان کا حق وراثت دلانے کے لیے الگ سے عدالتی بینچ قائم کیے جائیں جن تک ہر مستحق کی رسائی ممکن ہو اور عدالتوں کو ایک مخصوص میعاد کے اندر ان مقدمات کا فیصلہ سنانے کا پابند کیا جائے اور حق وراثت کا مطالبہ کرنے والی خواتین کو قانونی تحفظ دیا جائے تاکہ فریق مخالف انہیں جسمانی وذہنی طور پر ہراساں نہ کر سکیں۔

الغرض عصر حاضر کی یہ اہم ضرورت ہے کہ خواتین کو ان کا حق وراثت دلانے کے لیے ہر مکتبۂ فکر اپنا کردار ادا کرے۔اس سلسلے میں حکومتی سطح پر منظم منصوبہ بندی کی ضرورت ہے اور اس حوالے سے علمائے دین، میڈیا، عدالتوں اور سماجی تنظیموں کو مثبت کردار ادا کرنا چاہیے تاکہ معاشرے سے انتشار اور بدامنی کا خاتمہ ہو سکے۔

الفہارس

- فہرست آیات
- فہرست احادیث
- فہرست اعلام
- مصادر و مراجع

فہرست آیات

نمبر شمار	آیات	سورة	آیت	صفحہ نمبر
١.	وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ	البقرة	٤٣	١١
٢.	فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ ... لَهُمْ يَكْسِبُونَ	〃	٧٩	٩٦
٣.	أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ ... عَمَّا تَعْمَلُون	〃	٨٥	١٤٧
٤.	كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ... الْمُتَّقِينَ	〃	١٨٠	٢٤
٥.	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ ... مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ	〃	١٨٣	١١
٦.	وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْض	آل عمران	١٨٠	٢١
٧.	وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا...كَانَ حُوبًا كَبِيرًا	النساء	٢	١٣٨،١٠٨
٨.	لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ ...مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا	〃	٧	٢٩،١٢، ٧٨، ٨٠، ٩٨، ١٥٨، ١٧٧
٩.	وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَى ... قَوْلًا مَعْرُوفًا	〃	٨	٣٥
١٠.	وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ ... وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا	〃	٩	١١٠
١١.	إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ... نوَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا	〃	١٠	١٠٧
١٢.	يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ ... عَلِيمًا حَكِيمًا	〃	١١	٢٩،٥١،٨١،٨٣،٨٩،٩٩، ١٢١،١٥٧، ١٦٤
١٣.	وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ ... وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ	〃	١٢	٣٠،٢٨، ٨١، ١٦٥
١٤.	تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ...الْفَوْزُ الْعَظِيمُ	〃	١٣	٤٧، ٩٩، ١٣٥
١٥.	وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ ... وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ	〃	١٤	٤٧،٤٨،٩٩،١٠٠،١٠٥، ١٣٥، ١٧٢
١٦.	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ	〃	٢٩	١١٠، ١٤٠
١٧.	وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ ... شَيْءٍ شَهِيدًا	〃	٣٣	٢٨، ٣٠، ١٢٠
١٨.	إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا	〃	٥٨	١٢٠
١٩.	يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ ... وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ	〃	١٧٦	٨٥
٢٠.	الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ ... الْإِسْلَامَ دِينًا	المائدة	٣	٧٧
٢١.	اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى	〃	٨	١٨٥
٢٢.	لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً ...الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا	〃	٨٢	١٥٢

٢٣.	وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ... كَانَتْ عَلَيْهِمْ	الاعراف	١٥٧	١٣٩
٢٤.	وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي ... شَيْءٍ عَلِيمٌ	الانفال	٧٥	٣٥
٢٥.	يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ	المريم	٦	٣
٢٦.	كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ	الانبياء	٣٥	٩
٢٧.	أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ	الفرقان	٤٣	١٣٣
٢٨.	وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ	النمل	١٦	٣
٢٩.	وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ	القصص	٥٨	٣
٣٠.	وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ ... تُطِعْهُمَا	″	١٥	٢٥
٣١.	مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ... اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ	الحشر	٧	١٧٩
٣٢.	وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمًّا	الفجر	١٩	١٢١، ١١٣
٣٣.	وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا	″	٢٠	١٢١، ١١٣

فہرست احادیث

نمبر شمار	احادیث	کتاب	صفحہ نمبر
۱.	((أَفَأَتَصَدَّقُ بِالثُّلُثَيْنِ قَالَ« لاَ ».قَالَ فَبِالشَّطْرِ ... وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ))	سنن اَبی داوٗد	۲۵
۲.	((الخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ))	〃	۳۵
۳.	((الْقَاتِلُ لَا يَرِثُ))	سنن ابن ماجہ	۴۴
۴.	((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى ... الْوَصِيَّةَ قَبْلَ الدَّيْنِ))	سنن ترمذی	۲۶
۵.	((إِنَّمَا الْوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ))	صحیح بخاری	۲۸
۶.	((تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ فَإِنَّهُ نِصْفُ ... يُنْتَزَعُ مِنْ أُمَّتِى))	السنن الکبریٰ	۱۳
۷.	((لَيْسَ لِلْقَاتِلِ مِنَ الْمِيرَاثِ شَيْءٌ))	〃	۴۴
۸.	((إِذَا أَصَابَ الْمُكَاتَبُ حَدًّا أَوْ وَرِثَ مِيرَاثًا ...قَدْرِ مَا عَتَقَ مِنْهُ))	سنن ابی داوٗد	۴۳
۹.	((أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَائِضُ فَلأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ))	صحیح بخاری	۳۲
۱۰.	((الْعِلْمُ ثَلاثَةٌ، مَا سِوَى ذَلِكَ فَضْلٌ: آيَةٌ ،... وَفَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ))	المعجم الکبیر	۱۳
۱۱.	((إِنَّ العُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا ...إِنَّمَا وَرَّثُوا العِلْمَ))	سنن ترمذی	۳
۱۲.	((إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ أَعْطَى لِكُلِّ ذِي ... فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ))	〃	۲۵
۱۳.	((أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال : ... غذي بالحرام))	مشکاۃ المصابیح	۱۱۲
۱۴.	((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَدْرُونَ ... فِي النَّارِ))	صحیح مسلم	۱۱۵، ۱۷۶
۱۵.	((تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ فَإِنَّهَا مِنْ دِينِكُمْ))	السنن الکبریٰ	۱۴
۱۶.	((تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَالْحَجَّ وَالطَّلَاقَ فَإِنَّهُ مِنْ دِينِكُمْ))	〃	۱۴
۱۷.	((تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ ، وَتَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ ... يُخْبِرُهُمَا))	نیل الاوطار	۱۳
۱۸.	((جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ... أَنْ يُقْضَى))	صحیح بخاری	۲۴
۱۹.	((حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ --- خَلَتْ بِهِ فَهُوَ لَهَا.))	سنن اَبی داوٗد	۸۸
۲۰.	((حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَامِرٍ---فَلِلأُخْتِ مِنَ الأَبِ وَالأُمِّ.))	〃	۹۰
۲۱.	((حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ--- لَمْ تَكُنْ دُونَهَا أُمٌّ.))	〃	۸۹
۲۲.	((ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ---فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ))	صحیح مسلم	۱۱۲
۲۳.	((عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ --- مِثْلَ الَّذِي قَضَيْتَ»))	سنن ترمذی	۱۳۰

٢٤.	((عن أبي هريرة قال قال رسول الله ...إن الرجل... فيدخل الجنة))	ابن ماجہ	١١٦
٢٥.	((عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ... قَالَ:إِنَّ الرَّجُلَ...فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ))	سنن ترمذی	١١٦
٢٦.	((عَنْ عَامِرِ بْنِ وَاثِلَةَ أَنَّ نَافِعَ بْنَ عَبْدِ الْحَارِثِ ... بِهِ آخَرِينَ »))	صحیح مسلم	١٥
٢٧.	((فاتقوا الله واعدلوا بين أولادكم))	صحیح بخاری	١٤٤
٢٨.	((فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:إِنَّهُ لَا يَقْتَطِعُ ... أَجْذَمُ))	المعجم الکبیر	١١١
٢٩.	((قال النبي صلى الله عليه و سلم من أخذ شيئا ... سبع أرضين))	صحیح بخاری	١١١
٣٠.	((قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من كانت... فحمل عليه))	″	١١٥، ١٧٥
٣١.	((قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم: أَربع حق ... لوَالِديه))	المستدرک علی الصحیحین	١٠٨
٣٢.	((قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلى الله عَلَيهِ وسَلمَ: مَنْ أَخَذَ شَيْئًا ... ولاَ عَدْلاً))	مسند أبی یعلی	١١١
٣٣.	((كَتَبَ عُمَرُ إِذَا لَهَوْتُمْ فَالْهُوا بِالرَّمْيِ ... فَتَحَدَّثُوا بِالْفَرَائِضِ))	السنن الکبریٰ	١٥
٣٤.	((لاَ طَاعَةَ فِى الْمَعْصِيَةِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِى الْمَعْرُوفِ))	صحیح بخاری	٢٥
٣٥.	((لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلاَ يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ))	″	٤٣
٣٦.	((لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ فَإِنِّى لاَ أَدْرِى لَعَلِّى لاَ أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِى هَذِهِ))	صحیح مسلم	١٢
٣٧.	((من أخذ شبرا من الأرض ظلما فإنه يطوقه ...من سبع أرضين))	صحیح بخاری	١١٠
٣٨.	((من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة))	مشکاۃ المصابیح	١٠٦
٣٩.	((نَفسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ))	سنن ترمذی	٢٣
٤٠.	((ولا يَكْسب عبدٌ مالاً من حرام فينفقَ ...لا يمحو الخبيثَ"))	مسند احمد	١٤٠
٤١.	((يَا سَعْدُ أَطِبْ مَطْعَمَكَ تَكُنْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَةِ...فَالنَّارُ أَوْلَى بِهِ))	المعجم الاوسط	١١٢

فہرست اعلام

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
۱.	حضرت ابراہیم علیہ السلام	۲۰، ۶۰، ۶۱
۲.	ابرہام	۱۸، ۲۰
۳.	ابن ابی لیلی	۴۱
۴.	ابن الاعرابی	۲
۵.	ابن جصاصؒ	۱۴۳
۶.	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ	۲۴، ۳۲، ۴۳، ۴۶، ۹۴، ۱۱۰، ۱۱۶
۷.	ابن کثیرؒ	۴۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۵۹
۸.	حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ	۱۳، ۹۰، ۱۳۰، ۱۳۱
۹.	ابن مکمل	۱۳۲
۱۰.	مولانا ابو الاعلیٰ مودودی	۷۸، ۱۵۹
۱۱.	مولانا ابو الحسن علی ندوی	۹۷
۱۲.	حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ	۱۰۷
۱۳.	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ	۸۸، ۸۹، ۱۱۲
۱۴.	ابو بکر جصاصؒ	۴۶
۱۵.	امام ابو حنیفہؒ	۴۱
۱۶.	حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ	۱۰۷
۱۷.	حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	۹۰
۱۸.	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	۱۲، ۴۴، ۱۰۶، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۲، ۱۷۵
۱۹.	حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ	۳
۲۰.	مفتی احسان الحق شائق	۱۶۹
۲۱.	امام احمدؒ	۴۱، ۴۲
۲۲.	ڈاکٹر احمد عبد الرحیم السایح	۱۵۰
۲۳.	ڈاکٹر احمد عبد الحمید غراب	۱۵۱
۲۴.	حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ	۴۳
۲۵.	حضرت اسحاق علیہ السلام	۲۰، ۶۰، ۶۱

.۲۶	حضرت اسماعیل علیہ السلام	۶۱، ۶۰
.۲۷	حضرت اشعث بن قیس کندی رضی اللہ عنہ	۱۱۱
.۲۸	سید میاں اصغر حسین دیوبندی	۱۳۰، ۱۲۳، ۱۱۷، ۵۰، ۴۵
.۲۹	مولانا امین احسن اصلاحی	۱۳۸
.۳۰	حضرت انس رضی اللہ عنہ	۱۰۶
.۳۱	حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ	۱۷۷، ۸۰
.۳۲	ایڈورڈ سعید	۱۵۰
.۳۳	ایس ایف خیر اللہ	۹۷
.۳۴	بشیر احمد بگوی	۷
.۳۵	امام بیہقی	۱۲
.۳۶	امام ترمذی	۲۶
.۳۷	پروفیسر ثریا بتول علوی	۱۸۳، ۱۷۳، ۱۶۰، ۱۳۸، ۱۲۴
.۳۸	حضرت جابر رضی اللہ عنہ	۸۶، ۱۲
.۳۹	حضرت حفص بن مغیرہ رضی اللہ عنہ	۱۰۱
.۴۰	امام راغب اصفہانی	۶، ۴
.۴۱	حضرت زکریا علیہ السلام	۳
.۴۲	سدی	۱۰۹
.۴۳	حضرت سعد رضی اللہ عنہ	۱۱۲، ۱۱۱، ۲۵
.۴۴	سعد بن ربیع	۱۷۸، ۱۰۱، ۱۰۰، ۸۱
.۴۵	حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ	۱۰۹، ۹۸
.۴۶	حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ	۱۱۰
.۴۷	حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ	۱۰۹
.۴۸	سفیان ثوریؒ	۱۰۹
.۴۹	سلیمان بن ربیعہ	۹۰
.۵۰	سید قطبؒ	۱۶۰
.۵۱	امام شافعیؒ	۴۱
.۵۲	ڈاکٹر حافظ شاہدہ پروین	۱۷۰
.۵۳	امام شعرانیؒ	۱۳۲، ۱۰۱

۵۴.	مولانا شوکت علی قاسمی	۴۲، ۱۳۱
۵۵.	شیبان رضی اللہ عنہ	۴۶
۵۶.	صلاخاد	۵۲، ۵۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۹۵
۵۷.	پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الدین	۱۶۸
۵۸.	ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	۱۴۵، ۱۷۱
۵۹.	عامر بن واثلہ	۱۵
۶۰.	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۲۸
۶۱.	حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	۱۳۲
۶۲.	مولانا مفتی عبد الرؤف سکھروی	۱۶۹
۶۳.	مولانا عبد القیوم ندوی	۹۴
۶۴.	حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	۱۱۱، ۱۴۰
۶۵.	عبد الوہاب ظہوری	۹۵
۶۶.	عبد الرشید السجاوندی	۶
۶۷.	حضرت عبد اللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ	۱۰۱
۶۸.	حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	۱۳
۶۹.	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	۴۲، ۱۰۱
۷۰.	حضرت عقبہ بن سالم	۱۱۱
۷۱.	حضرت علی رضی اللہ عنہ	۲۵، ۲۶
۷۲.	حضرت عمر رضی اللہ عنہ	۱۴، ۱۵، ۴۴، ۱۰۱، ۱۱۴
۷۳.	ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان	۱۵۰
۷۴.	چوہدری غلام رسول	۹۷
۷۵.	امام فخر الدین رازیؒ	۱۶۰
۷۶.	حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ	۱۴، ۴۶، ۹۸
۷۷.	امام قرطبیؒ	۶۱
۷۸.	اللہ داد خان	۱۴۲
۷۹.	لیث	۴۱
۸۰.	امام مالکؒ	۴۱، ۴۲
۸۱.	حافظ مبشر حسین	۱۷۲

۸۲.	محمد اشرف علی تھانوی	۲۶ ، ۱۱۷ ، ۱۲۸، ۱۳۰ ، ۱۴۱
۸۳.	مولانا محمد شمشاد ندوی	۱۷۱
۸۴.	محمد صلاح الدین	۹۳
۸۵.	محمد کرم شاہ الازہریؒ	۱۰۸ ، ۱۱۳ ، ۱۳۳ ، ۱۵۲ ، ۱۵۵
۸۶.	محمد مصطفیٰ ﷺ	۱۱ ، ۵۹، ۷۷ ، ۱۱۱ ، ۱۴۰ ، ۱۷۷
۸۷.	پروفیسر محمد یوسف خان	۹۳ ، ۹۴
۸۸.	محی الدین عبد الحمید	۷
۸۹.	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	۱۴ ، ۴۳
۹۰.	منشی محبوب عالم	۶۱
۹۱.	حضرت موسیٰ علیہ السلام	۱۹، ۲۰، ۳۸، ۵۳، ۵۹، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۸، ۹۶، ۹۷، ۱۶۹
۹۲.	حضرت نافع رضی اللہ عنہ	۱۰۱
۹۳.	نافع بن عبد الحارث	۱۵
۹۴.	نسیم احمد قاسمی	۴۷
۹۵.	مولانا وحید الدین	۱۶۹
۹۶.	حضرت یعقوب علیہ السلام	۳ ، ۱۷ ، ۱۹ ، ۶۰ ، ۶۱

مصادر ومراجع

القرآن الکریم

کتاب مقدس

عربی کتب

إبراهيم مصطفى، أحمد الزيات، حامد عبد القادر، محمد النجار، المعجم الوسيط، دار الدعوة، سن ندارد

ابن كثير، أبو الفداء إسماعيل بن عمر، تفسير القرآن العظيم،(تفسير ابن كثير)، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ، ١٤١٩ھ

ابن ماجة أبو عبد الله محمد، سنن ابن ماجة ، دار إحياء الكتب العربية

ابن منظور،محمد بن مكرم ، لسان العرب ، دار صادر، بيروت، الطبعة الأولى

ابن نجيم، زين الدين بن ابراهيم بن محمد، البحر الرائق شرح كنز الدقائق، دار الكتاب الإسلامي، الطبعة الثانية

أبو الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد القرطبي الشهير بابن رشد ، بداية المجتهد ونهاية المقتصد،دار الحديث، القاهرة، ١٤٢٥ھ، ٢٠٠٤ م

أبو داؤد سليمان بن الأشعث السجستانى، سنن أبى داؤد، دار الكتاب العربى ، بيروت

أبو منصور، محمد بن أحمد الازهرى، تهذيب اللغة، دار إحياء التراث العربى، بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، ٢٠٠١

أحمد بن على أبو بكر الرازى الجصاص ،أحكام القرآن، دار إحياء التراث العربى، بيروت، ١٤٠٥ھ

احمد عبد الحميد غراب، دكتور، روية اسلامية للاستشراق، دار الاصاله للثقافة والنشر والاعلام ، رياض، ١٩٨٨ء

احمد عبد الرحيم السابح، دكتور، الاستشراق فى ميزان نقد الفكر الاسلامى، الدار المصرية، القاہرة، الطبعة الاولى، ١٩٩٦ء

بخارى، محمد بن اسماعيل ابو عبدالله، صحيح بخارى، دار ابن كثير،اليمامة، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤٠٧ھ، ١٩٨٧ء

البیهقی،ابو بکر احمد بن الحسین بن علی، السنن الکبریٰ، مکتبة دار الباز، مکة المکرمة، ١٤١٤هـ، ١٩٩٤ء

الترمذی، محمد بن عیسی، سنن ترمذی، شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابی الحلبی ،مصر، الطبعة الثانیة، ١٣٩٥هـ، ١٩٧٥ء

الرازی، أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن، مفاتیح الغیب ،(التفسیر الکبیر)، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، الطبعة الثالثة ١٤٢٠هـ

الراغب الاصفهانی، ابو القاسم الحسین بن محمد، مفردات فی غرائب القرآن، دار المعرفة، بیروت، لبنان

السرخسی، ابو بکر محمدبن احمد، المبسوط، دار المعرفة، بیروت، لبنان، الطبعة الأولی، ١٤١٤هـ، ١٩٩٣ء

السید محمدبن محمد ، الزبیدی، تاج العروس من جواهر القاموس، دار الهدایة

الشوکانی، محمد بن علی بن محمد بن عبد الله، نیل الأوطار، دار الحدیث، مصر الطبعة الأولی، ١٤١٣هـ، ١٩٩٣ء

الشیخ نظام وجماعة من علماء الهند، النهدیة،دار الفکر، بیروت،لبنان،١٤١١هـ،١٩٩١ء

الطبرانی، سلیمان بن احمد بن أیوب، المعجم الکبیر، مکتبة ابن تیمیة، القاهرة، الطبعة الثانیة

عمر بن ابراهیم رضوان، دکتور، آراء المستشرقین حول القرآن الکریم وتفسیره، دار طیبة، الریاض

القرطبی،أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبی بکر، الجامع لأحکام القرآن، (تفسیر القرطبی) دار الکتب المصریة، القاهرة، الطبعة الثانیة، ١٣٨٤هـ، ١٩٦٤ء

کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسي المعروف بابن الهمام، فتح القدیر، دار الفکر، بیروت

محمد احمد دیاب، دکتور، اضواء علی الاستشراق والمستشرقین دار المنار قاهرة،١٩٨٩ء

محمد بن جریر بن یزید أبو جعفر الطبری، جامع البیان في تأویل القرآن (تفیسر طبری)، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولی، ١٤٢٠هـ

محمد بن حبان بن أحمد بن حبان، صحیح ابن حبان، مؤسسة الرسالة، بیروت، الطبعة الأولی، ١٤٠٨هـ، ١٩٨٨ء

محمد بن صالح بن عثيمين، الشيخ ، تسهيل الفرائض، دار الطيبة، رياض، سعودى عرب، طبع الاولیٰ، ۱۹۸۳ء

محمد بن علی بن محمد بن عبد الله الشوكاني، فتح القدير، دار ابن كثير، دار الكلم الطيب، دمشق، بيروت، الطبعة الأولى ، ١٤١٤هـ

محی الدين عبد الحميد، احكام المواريث، دار الحياء الكتب العربية، ١٩٤٧ء

مسلم، ابو الحسين مسلم بن حجاج القشيری، صحيح مسلم ،دار الجيل، بيروت

اردو کتب

ابرار محی الدین مرزا، ڈاکٹر، یہودی ریاست اور تعلیمات تالمود کا ایک تنقیدی جائزہ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

ابن القیم الجوزیہ، امام، مترجم، زبیر احمد سلفی، یہود و نصاریٰ تاریخ کے آئینے میں، نعمانی کتب خانہ، لاہور

ابو نعمان بشیر احمد، مولانا، اسلامی قانون وراثت (سوالا جوابا)، دارالسلام، ریاض، سعودی عرب

ابو الطاہر سراج الدین محمد بن عبد الرشید السجاوندی، السراجی، دار الکتب اصغریہ دیوبندی

ابی المواھب عبد الوہاب بن احمد بن علی الشعرانی، مترجم، شاہ محمد چشتی، کشف الغمہ، ادارہ پیغام القرآن، اردو بازار، لاہور، نومبر ۲۰۰۸ء

احسان الحق شائق، مولانا مفتی، ازدواجی زندگی کے شرعی مسائل اور ان کا حل، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۱۱ء

احمد اللہ (احمد جنگ)، مولانا، المبسوط، معہد حسن البنا شہید، بھٹکل، کرناٹک، بھارت

احمد یار خان نعیمی، حکیم الامت مفتی، علم المیراث، قادری پبلیشرز لاہور، طبع: اول، ۲۰۰۴ء

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، ناشر: پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان

ارشاد احمد پنجابی، پنجاب کی عورت، ادارہ تحقیقات پاکستان، لاہور، ۱۹۷۶ء

اسرار احمد، ڈاکٹر، اسلام میں عورت کا مقام، انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۸۷ء

امیر فیاض، ڈاکٹر، مسلمان عورت اور یورپی سازشیں میڈیا سروسز، مینگورہ، سوات، ۲۰۰۵ء

امین احسن اصلاحی، مولانا، تدبر قرآن، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۷۶ء

ایس ایف خیر اللہ، قاموس الکتاب (لغات بائبل)، مسیحی اشاعت خانہ، ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور، ۱۹۹۳ء

آسیہ رشید، الہامی مذاہب میں مشترکہ اقدار، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء

بشیر احمد بگوی، انجینئر، صحیفہ میراث لغت میراث کامل، مکتبہ قریشی محلہ جنگی قصہ خوانی، پشاور، جنوری ۲۰۱۷ء

بشیر احمد بگوی، کلید وراثت، انجمن خدام دین، شیرانوالہ، دروازہ، لاہور، ۱۹۶۵ء

ثریا بتول علوی، جدید تحریک نسواں اور اسلام، ادارہ مطبوعات خواتین، لاہور، اشاعت اول، ۱۹۹۸ء

حاجرہ مدنی، حافظہ، پاکستانی عورت کے معاشی مسائل اور کردار، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۱۰ء
رشیدہ پٹیل، پاکستانی عورت کی سماجی و قانونی حیثیت، کل پاکستان انجمن خواتین، (اپواء) کراچی، ۱۹۸۱ء
رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، شرکتہ الامتیاز، اردو بازار لاہور، پاکستان، ۲۰۱۴ء
سعید کلیروی، پروفیسر، عطاء اللہ ساجد، عبد القہار محسن، سہیل المواریث، دار الخلود، کاموںکی، ضلع گوجرانوالہ، طبع: اول، ۲۰۱۶ء
سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
سید ابو الحسن علی ندوی، مولانا، مرتبہ: مولانا عزیز اللہ ندوی، اسلام میں عورت کا درجہ اور اس کے حقوق و فرائض، جامعہ المؤمنات الاسلامیۃ، دوبگاہر دوئی روڈ، لکھنؤ
سید افتخار حسین نقوی النجفی، علامہ، کتاب میراث (قانون وراثت) شریکۃ الحسین پبلی کیشنز پاکستان، طبع: اول، ۲۰۱۶ء
سید قطب شہید، مترجم سید معروف شاہ شیرازی، تفسیر فی ظلال القرآن، ادارہ منشوراتِ اسلامی، لاہور
سید میاں اصغر حسین، مولانا، مفید الوارثین، مکتبۃ العلم، اردو بازار لاہور، پاکستان
سید ضیاء الدین، پروفیسر ڈاکٹر حافظ، عورت قبل از اسلام وبعد از اسلام، النور ہیلتھ وایجوکیشن ٹرسٹ، کراچی، ۲۰۰۶ء
شاہ محمد ابوالخیر صاحب اسدی، علامہ، میراث میں عدل، مکتبہ اعلیٰ تھلہ سادات بیرون دہلی گیٹ، ملتان
شاہ معین الدین احمد ندوی، دین رحمت، مکتبہ قاسم العلوم ملک اینڈ کمپنی، لاہور، پاکستان
شاہدہ پروین، ڈاکٹر حافظہ، عصری عائلی مسائل اور اسلامی تعلیمات، شعبۂ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۲۰۱۴ء
شمس تبریز خان، مسلم پرسنل لاء اور اسلام کا عائلی نظام، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، بھارت، ۱۹۸۸ء
شہزاد اقبال شام، اسلام کا قانون وراثت ووصیت، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، طبع: ششم، ۲۰۰۶ء
شوکت علی قاسمی، مولانا، اسلام کا قانونِ وراثت، ادارہ فرقان، صوابی
شیخ احمد دیدات، یہودیت، عیسائیت اور اسلام، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، سرسید احمد روڈ دریا گنج، نئی دہلی، ۲۰۱۲ء
صفی احمد مدنی، علم المیراث، مکتبہ ترجمان، دہلی، بھارت، ۲۰۱۶ء
صلاح الدین حیدر لکھوی، اسلام کا قانونِ وراثت، دارالابلاغ پبلیشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، لاہور، جولائی ۲۰۱۰ء

عبد الواحد حنفی عطاری، ابن داؤد، تعلیم المیراث، مکتبۃ المدینہ عالمی مدنی مرکز فیضان مدینہ، باب المدینہ کراچی
عبد القیوم ندوی، مولانا، اسلام اور عورت، البدر پبلی کیشنز، لاہور
عبد الوہاب ظہوری، اسلام کا نظام حیات، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۲ء
غلام رسول ایم۔اے، چوہدری، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علمی کتب خانہ، لاہور
فاخرہ تحریم، عورت کا المیہ، ادارہ تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۹ء
مبشر حسین لاہوری، حافظ، جہیز کی تباہ کاریاں، مبشر اکیڈمی، لاہور، پاکستان، دسمبر ۲۰۰۴ء
محبت حسین اعوان، اسلام، قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، مکتبہ بخاری گلستان کالونی کراچی، اکتوبر، ۲۰۰۲ء
محمد اسمٰعیل بدایونی، عالم اسلام پر مستشرقین کی فکری یلغار، اسلامک ریسرچ سوسائٹی، کراچی
محمد اشرف علی تھانوی، مولانا، دعوات عبدیت، مکتبہ تھانوی، دفتر: الابقاء، متصل مسافر خانہ، ایم۔اے جناح روڈ کراچی
محمد ثانی، ڈاکٹر حافظ، محسن انسانیت اور انسانی حقوق، دار الاشاعت، کراچی، پاکستان، ۱۹۹۹ء
محمد رضوان رضا قادری، ابو عمر الدکتور (مترجم)، شرح تفسیر بیضاوی، اکبر بک سیلز، لاہور
محمد زبیر، ڈاکٹر حافظ، اسلام اور مستشرقین، مکتبہ رحمۃ للعالمین، اکتوبر ۲۰۱۴ء
محمد شمشاد ندوی، مولانا، جہیز ایک ناسور، مکتبہ مدینہ، سفید مسجد، دیوبند، سہارنپور (یوپی)
محمد صلاح الدین، بنیادی حقوق، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۶۷ء
محمد علی اشرف تھانوی، مولانا، احکام اسلام عقل کی نظر میں، مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، کراچی، نومبر ۲۰۰۹ء
محمد غیاث الدین حسامی، مولانا، آسان اصول میراث، مدرسہ اسلامیہ منہاج العلوم، حیدرآباد، طبع: ثانی، ۲۰۱۶ء،
محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۹۹۵ء
محمد نجیب قاسمی سنبھلی، ڈاکٹر، فیملی مسائل، فریڈم فائٹر مولانا اسماعیل سنبھلی ویلفئیر سوسائٹی، یوپی، ہندوستان، طبع: اول، مارچ ۲۰۱۶ء
محمد یوسف خان، مولانا پروفیسر، تقابل ادیان، بیت العلوم، ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
محمد عثمان نووی والا، مولانا، آسان میراث، ادارۃ السعید، جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ، بمطابق مئی ۲۰۱۰ء
منشی محبوب عالم، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفیصل ناشران کتب، لاہور

نسیم احمد قاسمی، اسلام اور وراثت، ادارہ القرآن، دارالعلوم الاسلامیہ کراچی ۲۰۰۳ء

وحید الدین خان، مولانا، خاتونِ اسلام، دار الابلاغ، لاہور، پاکستان، ۲۰۱۶ء

English Books

Abrahem Cohen.Dr. Every man's Talmud,J. M. Dent &Sons Ltd, London

Aftab Hussain, Dr. Justis, Status of women in Islam, Law publishing, co

Edward Said, Orientalism, Routedge & Kegan Paul London, 1978

English .Urdu Dictionary of Christian Terminology, Liberius Pieterse, Christian Study Centre, Rawalpindi, 2001

F.Radford ,Mary,The Inheritance Rights of women Jewish and Islamic Law, 23 B.C.Int'l & comp

J .Milton Cowan, Hans Were, A Dictionary of Modern Written Arabic, Wiesbaden: Otto Harrasowitz, London, 1966

Mc GRAW.Hill, The New Catholic Encyclopedia, New York, Book Company, 1966

Mishnah Bava Batra

The Jewish Encyclopedia ,New York KTAV, Publishing House, ING

اخبارات

بی بی سی نیوز اردو، خانیوال، پاکستان

روزنامہ "پاکستان"

روزنامہ "جنگ" کراچی

نوائے وقت

Websites

www.bibliatodo.com /en /bible-dictionary/nachalah

www.biu.ac.il/JH/Parasha/eng/pinchas/shi.html#-ftn1

www.chaimbentorah.com/word-study-inherit-substance

www.en.m.wikipedia.org/wiki/Criticism-of-Islam

www.encyclopedia.com/religion/encyclopedias/inheritance-bible

www.jewishencyclopedia.com/articles/8114-inheritance

www.jewishpress.com/ Judaism/halacha-hashkafa/coping-alone-the-right-of-a-daughter-to-inherit/2017/06/15

www.jpost.com/Jewish-World/Judaism/Heritage-and- inheritance

www. jewinthecity.com/2019/02/the-rabbinic-loophole-that-allows-women

www.loveforhispeople.com /the-difference-between-inheritance-and-heritage- israel365

www.studylight.org /dictionaries/hbd/i/inheritance.html